پروفیسر طاہر القادری کا
علمی و تحقیقی جائزہ
شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری
عمدۃ البیان پبلشرز لاہور

پروفیسر طاہر القادری کا
علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف

شیخ القرآن الشاہ ڈاکٹر
مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ

سابق وزیر امور مذہبی اوقاف پنجاب
و رکن مرکزی زکوٰۃ کونسل و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

عمدۃ البیان پبلشرز، لاہور

کتاب : پروفیسر طاہر القادری کا
علمی و تحقیقی جائزہ

مصنف : شیخ القرآن الشاہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ
سابق وزیر امور مذہبی اوقاف پنجاب و
رکن مرکزی زکوٰۃ کونسل و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

تاریخ طباعت : صفر المظفر 1433ھ / جنوری 2012ء

بار : سوم

برائے رابطہ : حافظ محمد عثمان قادری
حافظ امین الحسنات قادری

ناشر : عمدۃ البیان پبلشرز
ماڈل ٹاؤن، لاہور
+924235836261
0302-5383582

نوٹ: ایک نئی ترتیب کے ساتھ دونوں حصوں کو جمع کر کے کتاب کو مکمل کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ دونوں حصوں کا ہی مجموعہ ہے۔ فقط

(ادارہ)

حق کو فروغ دینا اور باطل کو مٹانا افضل جہاد اور بزرگانِ دین کی سنت اور اس سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرنا افضل عبادت ہے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن العذری راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ (مشکوۃ)

ہر آئندہ آنے والی جماعت سے اس کے نیک (ثقہ اور قابلِ اعتماد) لوگ اس (کتاب و سنت) کے علم کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس علم کے ذریعے (آیاتِ قرآن و احادیث میں) حد سے گذرنے والوں کی تحریف کو، باطل پرستوں کی افترا پردازی کو اور جاہلوں کی تاویلات (من گھڑت معنوں) کو کتاب و سنت سے دور کریں گے۔

الحمد للہ، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عاجز نے پروفیسر طاہر القادری کی تحریفات افترا پردازی اور جاہلانہ تاویلات (من گھڑت معنوں)، کو قرآن و سنت سے دور کر کے اپنا ایمانی و دینی فریضہ ادا کیا ہے۔ راقم اللہ تعالیٰ پھر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم پر امید رکھتا ہے کہ راقم کا حشر اس گروہ میں ہوگا جس کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر گامزن رہے گا ان کا مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا (ان کو حق کے راستہ سے نہیں ہٹا سکے گا) یہاں تک کہ خدا کا حکم آئے گا (قیامت قائم ہوگی) اور وہ حق پر گامزن اور دلیل و حجت کی رو سے غالب ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

بلاشبہ یہ کتاب اس فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کی مزید توفیق فرمائے۔ آمین۔ طالبِ دعا مفتی غلام سرور قادری

فہرست عناوین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کسی بھی ذمہ داری پر کوئی شخص اس وقت تک فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس متعلقہ شعبہ پر فائز ہونے کا اہل نہ ہو یعنی کسی بھی شعبہ کی ذمہ داری پر فائز ہونے کے لئے درحقیقت اہلیت شرطِ قطعی ہے لیکن یہ کس قدر افسوسناک اور دُکھ کی بات ہے کہ عوام کے نزدیک قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معیار، جب کہ دنیوی معاملات کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص وکالت کرنا چاہے تو اس کے لئے ایل ایل بی ہونا شرط ہے۔ علاج معالجہ کرنا چاہے تو ایم بی بی ایس کی ڈگری رکھنا یا طبیہ کالج کا سند یافتہ ہونا ضروری ہے اور اگر کوئی معالج باقاعدہ سند یافتہ نہ ہو اور اس نے کلینک یا مطب کھول رکھا ہو تو وہ مستحقِ سزا ہوتا ہے لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ہمارا دین اور مذہب کس مپرسی کے عالم میں ہے۔ جس شخص کا جی چاہے وہ جذباتی قسم کی تقریریں شروع کر دے اور تقریر و خطابت کی مہارت پیدا کر لے تو وہ عوام کا دینی و مذہبی پیشوا بن جاتا ہے۔ جس شخص کا کوئی اپنا پیشہ نہ چل سکے مثلاً ڈاکٹر ہو اور اس کی ڈاکٹری نہ چل سکے۔ وکیل کی وکالت نہ چلے تو وہ ڈاکٹری اور وکالت کو چھوڑ کر خطابت و تقریر میں کچھ مہارت پیدا کر لے اور کچھ ایکٹنگ بھی کرنا جانتا ہو تو نہ صرف عوامی سطح پر اسے قبولِ عام حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ حکومتی سطح اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس کی علمی صلاحیت کبھی نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے عوام کس قدر چاہتے ہیں۔ جیسے فلمی ایکٹر کے لئے محض اداکاری کا تجربہ اور گانے والوں کی آواز

کی موزونیت کو مدنظر رکھا جاتا۔ ایسے ہی پاکستان میں قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کرنے، نابغۂ عصر اور مفسرِ قرآن کہلانے کے لئے صرف تقریر کا فن ہی معیار ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ مذہبی تنظیم بھی بنا سکتا ہے۔ مذہبی راہنما اور رُوحانی پیشوا بھی کہلا سکتا ہے چاہے تو قرآن کی تفسیر کرنا شروع کر دے یا حدیث کی تشریح فرمانے لگے اور چاہے تو فتوے بھی صادر کرنے لگ جائے یا مسلمہ و اجماعی مسائل کے   کر کے اُمتِ مسلمہ کے مجتمع شیرازے کو بکھیرنا شروع کر دے۔ اسے نہ کسی کی پروا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی بازپرس کا کوئی اندیشہ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان فکری انتشار کا مرکز اور طرح طرح کے متضاد افکار کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ جب کہ یہ صورت کسی بھی طرح لائق درگزر نہیں۔ اس کا ستباب کرنا اور اس کی حوصلہ شکنی کرنا اہلِ علم حضرات کے فرائض کا ایک اہم حصہ ہے۔

اس سلسلے میں بطورِ مثال ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لاہور، ڈاکٹر کیپٹن مسعود عثمانی صاحب کراچی اور پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب لاہور، جیسی شخصیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

قادری صاحب تو بنیادی طور پر وکیل (ایل ایل بی) تھے، جھنگ میں ایک عرصہ تک وکالت کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ عربی بھی سیکھ لی تھی۔ پھر وکالت چھوڑ کر لاء کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دیکھا کہ وہ اپنا اصل پیشہ چھوڑ کر محض غیر حقیقی طور پر علماء کی صف میں شامل ہو گئے تھے اور ٹی وی پر درس دینے لگے ہیں اور شہرت حاصل کر لی ہے تو طاہر صاحب کو بھی شوق چرایا اور شہرت حاصل کرنے کا جذبہ تو پہلے ہی سے ودیعت تھا تو یہ صاحب بھی اپنا اصل پیشہ چھوڑ کر محض فنِ تقریر اور زورِ خطابت کے بل بوتے پر علماء کی صف میں آ کھڑے ہوئے اور ڈاکٹر اسرار صاحب کی جگہ لینے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ ان کی طرح ایک تنظیم بھی بنائی۔ لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب، عورتوں، شیعہ مسلک اور حکومت کی مخالفت کی وجہ سے پس منظر میں چلے گئے۔ لہٰذا طاہر القادری صاحب نے اس کے برعکس عورتوں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور

ان میں ہر دلعزیز ہوں۔ اور شیعہ حضرات کو ساتھ ملانے کے لیئے انہوں نے ایران کا بھی دورہ کیا۔ آخر عقیدہ و مسلک کا تشخص ہی سرے سے ختم کر ڈالا تاکہ دوسرے تمام مکاتب فکر کے لوگ بھی ان کی تحریک میں شمولیت اختیار کریں اور میں اضافہ کا باعث ہوں۔

چنانچہ وہ بر صدا افتخار فرماتے ہیں

"ہمارے ممبران میں دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات کی تعداد بیسیوں تک پہنچی ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت میگزین ۱۹ ستمبر ۱۹۸۶ء)

نیز فرماتے ہیں

"ہمارے ادارے میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی رکن بن سکتے ہیں۔ اہلِ حدیث، شیعہ، دیوبندی اور مختلف مسالک کے لوگ منہاج القرآن کے رکن ہیں۔"

(روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۲۷ فروری تا ۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

پھر حال ہی میں موصوف کا جو انٹرویو سیالکوٹ سے شائع ہوا اور اسے موصوف کی طرف سے مفت تقسیم بھی کیا گیا اس کے ساتھ مولانا اقدس علی خان کا مراسلہ و جواب بھی منسلک ہے اس میں فرماتے ہیں۔

سوال: آپ کے ادارہ منہاج القرآن میں اہلِ حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ تمام مکاتب فکر کے افراد کی شمولیت ممکن ہے۔ آپ نے اپنی دعوت کا دائرہ اس قدر وسیع کیوں رکھا جب کہ اکثر دینی جماعتیں مسلکی تشخص کو قائم رکھتی ہیں۔ مسلکی تشخص ان کے مخصوص عقائد کی اشاعت و تبلیغ ہے۔

جواب: ڈاکٹر طاہر صاحب، گزارش یہ ہے کہ جہاں تک دینی اور مذہبی جماعتوں اور ان کے طریق کار یعنی مسلکی تشخص کی بنیاد پر دینی کام کا تعلق ہے

ہیں نے ان پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ (پھر فرماتے ہیں) ہمارا طریقہ کسی کے کام پر تنقید کرنا نہیں ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم اپنے دل میں بھی کسی جماعت کے کام پر تنقید کا خیال تک نہیں لاتے۔" (اہم انٹرویو صفحہ ۳)

اس سلسلے میں راقم اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ہی فتویٰ کو نقل کرنا کافی سمجھتا ہے امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"خود مصنف اقرار کرتا ہے کہ اسے کسی فریق، کسی مکتب فکر سے مخالفت نہیں یہ بات لامذہب بے دین ہی کی ہو سکتی ہے۔ جسے دین و مذہب سے کچھ غرض نہیں" (الفضل الموہبی صفحہ ۱۵)

لہٰذا ضرورت پڑی بلکہ اسے راقم نے اپنا فرض دینی سمجھا کر طاہر القادری اور اسکے ادارہ منہاج القرآن کی وجہ سے حقیقی اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے یا پہنچ رہا ہے اس سے عوام و خواص برادران اسلام کو بروقت متنبہ کردوں۔

سے

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

میاں صاحب کی سرپرستی اور ٹی وی اور انکی ترقی کا راز دراصل میاں نواز شریف کی سرپرستی، اتفاق مسجد کی خطابت ہے کیونکہ میاں صاحب نے انکی خوب سرپرستی فرمائی ان کے بین الاقوامی تعلقات و وسائل پروفیسر صاحب کے شامل حال ہو گئے پھر میاں صاحب نے سابق صدر مرحوم ضیاء الحق کے ذریعے ٹی وی والوں کو ہدایت کرائی کہ پروفیسر طاہر القادری کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیں جس کی وجہ سے موصوف ٹی وی پر آنا شروع ہو گئے اور اب ٹی وی ان کا ہے اور وہ ٹی وی کے

سکے ہیں۔ صدر ضیاء الحق کی سفارش نہ ہوتی تو لاہور میں ان سے بھی بڑے علماء اور بہتر بولنے والے موجود ہیں۔ بس یہی صورتحال ہے جو ان کے ظاہری عروج کا باعث ہے ورنہ اندر وہی کچھ ہے جو قارئین آگے چل کر دلائل کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم سے اپیل

صدر مملکت اور وزیر اعظم سے اپیل ہے کہ طاہر القادری چونکہ ایک عالم دین نہیں اور نہ ہی صحیح دانشور ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم تک سے نابلد اور بے خبر ہیں۔ جیسا کہ ہم دلائل سے عرض کر چکے ہیں۔ اس لئے طاہر القادری کے ٹی وی پروگرام بند کئے جائیں تاکہ پاکستان ٹی وی پر اہلِ علم و تحقیق کا اعتماد قائم رہے۔

حکومتِ پنجاب سے اپیل

ہم حکومتِ پنجاب سے پہلے تو کچھ عرض کرنے کے قابل نہ تھے البتہ اب جب کہ جناب طاہر القادری کے علامہ پن کی حقیقت ہم نے زیرِ مطالعہ کتاب میں ناقابلِ تردید دلائل سے واضح کر کے اتمامِ حجت کر چکے ہیں۔ امید واثق ہے کہ پنجاب حکومت اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے اپنے مراسلہ کو منسوخ کرنے میں کوئی تامل نہیں کرے گی۔

فقط دعا گو

مفتی غلام سرور قادری

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ کا باعث

وطن عزیز پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا، اور اس کے نفاذ کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۸۴ء کو ہونے ہی والا تھا مگر قوم اور ملک کی بدقسمتی کہ جناب پروفیسر طاہر القادری نے عین اس وقت عورت کی دیت کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ جب اسلامی نظام کے نفاذ کے اعلان میں چند دن باقی رہ گئے تھے تو طاہر صاحب کی تقریر جو انہوں نے ۱۴ اگست ۱۹۸۴ء کو خواتین کے ایک اجتماع سے گلبرگ میں فرمائی تو اس سے کچھ ناسمجھ خواتین کو اس بات کا علم ہوا کہ حدود قصاص اور دیت کے مسودہ میں جسے حکومت نافذ کرنا چاہتی ہے، عورت کی دیت، مرد کی دیت کا نصف مقرر ہوئی تو انہوں نے طاہر القادری کے دیئے ہوئے سبق کی روشنی میں اس کی پرزور مخالفت شروع کر دی، اگرچہ اس سے قبل کچھ چہ میگوئی کا سلسلہ چل رہا تھا، چنانچہ روزنامہ نوائے وقت مؤرخہ یکم اگست ۱۹۸۴ء میں اس قانون قصاص و دیت کے بارے میں خواتین کا ایک مذاکرہ شائع ہوا، جس کے مطابق کچھ عورتوں نے جو اسلام کے نفاذ کو چاہتی تھیں، اس مسودہ کی حمایت کی جن میں سے آپا نثار فاطمہ سرفہرست تھیں، لیکن اسی مذاکرہ میں مغربیت سے متاثرہ کچھ خواتین نے کہا کہ آدھی دیت سے عورتیں دوسرے درجے کی شہری قرار پائیں گی، جسے برداشت نہیں کیا جائے گا، اور یہ بھی کہا کہ اس قانون اسلام سے عورتیں عدم تحفظ کا شکار

ہو جائیں گی اور ساتھ ہی مرد کی گواہی کے مقابلہ میں عورت کی نصف گواہی
کے تسلیم کئے جانے پر بھی ان خواتین نے اعتراض کیا، اور کہا کہ عورت کی نصف
دیت اور نصف شہادت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور یہ خواتین کے ساتھ ناانصافی ہے
وغیرہ وغیرہ۔ محترمہ فوزیہ احمد، خاور ممتاز، محترمہ بیگم نوبہار رفیع، محترمہ گل ناز،
محترمہ خالدہ جمیل، محترمہ بیگم مسعودہ سلیم اور بیگم نسرین خورشید قصوری، ان سب
محترمات نے فرمایا کہ عورتیں اس قانونِ قصاص و دیت اور قانونِ شہادت کو جس
میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق نہیں دیئے گئے، بلکہ دیت اور شہادت کا
آدھا حق دیا گیا ہے، تسلیم نہیں کریں گی۔ یہ سب کا مشترکہ خیال تھا، جس کا انہوں
نے اس مذاکرہ میں برملا اظہار کیا۔ اور اس قانونِ قصاص و دیت اور قانونِ
شہادت کی مخالفت کی۔

ادھر اسی ۲، اگست کے روزنامہ میں سابق وزیر اطلاعات و نشریات و مذہبی
امور راجہ ظفر الحق کی تقریر کا اقتباس بھی شائع ہوا، جس میں انہوں نے قصاص و
دیت کے مسودہ قانون پر شوریٰ میں ہونے والی بحث کا خلاصہ پیش کیا اور اس
قانون کی افادیت پر بھی روشنی ڈالی۔ اور ساتھ ہی کچھ علماء کا ایک مذاکرہ بھی
۲۔ اگست ۸۴ء کے روزنامہ نوائے وقت ہی میں شائع ہوا، جس میں مولانا
مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث
کاندھلوی صاحب وغیرہم شریک ہوئے اور انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے
میں حکومت کی پیش رفت کو سراہا۔ اور جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب اس
دوران خاموشی سے دو طرفہ خیالات و بیانات کا جائزہ لے رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے
قانونِ قصاص و دیت اور قانونِ شہادت میں عورت کی نصف دیت اور نصف
شہادت کی مخالف خواتین کی حمایت کر کے اس موقع پر لیڈر بنے جانے اور شہرت

حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے پہلے تو حضرت مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کو لیڈ لے جانے کا مشورہ دیا لیکن نعیمی صاحب پر خدا خوفی غالب تھی، لہٰذا انہوں نے قرآن و سنت و اجماع اُمت کے خلاف، عورت کی دیت اور شہادت کے مرد کی دیت و شہادت کے برابر ہونے کا فتویٰ جاری کر کے لیڈ لے جانے سے معذوری ظاہر کی لیکن جناب طاہر القادری نے ۴، اگست ۸۴ء کو خواتین کا گلبرگ میں جلسہ کیا جس میں مذکورہ خواتین بھی شریک ہوئیں جو اسلامی نظام نہیں چاہتی تھیں تو جناب طاہر ایک سازش کا شکار ہو کر اور دنیا کے بدلے دین بیچ کر قرآن، سنت و اجماع کے خلاف ان چند سرمایہ داروں کی بیگمات کی حمایت میں آواز بلند کر کے لیڈ لے گئے اور عورت کی دیت و شہادت کا جھگڑا کھڑا کر کے اسلامی نظام کے قیام میں ہمیشہ کے لئے رکاوٹ بن گئے۔ چنانچہ مفتی صاحب کا یہ بیان کہ طاہر القادری صاحب نے مجھے لیڈ لے جانے کا مشورہ دیا، لیکن میں خوفِ خدا کے تحت ایسا نہ کر سکا، مگر طاہر صاحب لیڈ لے گئے۔ روزنامہ وفاق، امروز، اور جنگ لاہور، جسارت کراچی مؤرخہ ۱۹ اکتوبر ۸۴ء میں شائع ہوا اور عورت کی نصف دیت کے حق میں اجماعی مؤقف پر تمام مکاتب فکر کے علماء کی مشترکہ پریس کانفرنس فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ۱۸، اکتوبر ۱۹۸۴ء کو منعقدہ ایک تقریب کے حوالے سے اخبارات میں بیان شائع ہوا۔ نیز مفتی صاحب کا وہ انکشاف ملاحظہ ہو جو مذکورہ بالا اخبارات میں چھپا۔

انکشاف

"مجلس شوریٰ کے رکن اور ممتاز عالم دین مفتی محمد حسین نعیمی نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ کچھ عرصہ بیشتر وہ اور پروفیسر طاہر القادری جناح ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں اکٹھے بیٹھے تھے، پروفیسر طاہر القادری نے انہیں

کہا " مفتی صاحب ! آج لیڈ لے جانے کا موقع ہے ۔ میں نے اس کی وضاحت طلب کی تو کہنے لگے ۔" اگر آپ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں مساوی قرار دے دیں ۔ تو آپ لیڈ لے جائیں گے "۔ مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا پروفیسر طاہر القادری نے انہیں اس مؤقف کی تائید میں تین کتابوں کے حوالے دیئے ۔ مگر جب دیکھا تو ان تینوں کتب میں سے کسی میں بھی یہ رائے اس مفہوم میں موجود نہ تھی ۔ میں تو اس بنا پر " لیڈ " نہ لے جا سکا کہ "کتاب و سنت " کے احکام سے سرتابی کر کے خدا کے غضب کو دعوت دینے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا ۔ تاہم پروفیسر طاہر القادری لیڈ لے گئے ۔

بشکریہ روزنامہ وفاق ، امروز ، جنگ لاہور
وجسارت کراچی ۔ ۹ ۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء

طاہر القادری نے محض لیڈ لے جانے اور سستی شہرت کمانے کے شوق میں پورے ملک و ملت ، خدا و مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے سنہری نظام کے ساتھ غداری و بے وفائی کی جس مقدس نظام کے لئے اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا ۔ اس کے راستے میں روڑا اٹکا دیا ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا ہر واقف حال کو رنج ہے اور رہے گا ۔

۴ ۔ اگست کو عورتوں کے اجتماع میں جو موصوف نے خطاب کیا نوائے وقت لاہور نے اس کی درج ذیل رپورٹنگ کی ملاحظہ ہو ۔

پروفیسر طاہر القادری نے کہا ۔ " عورت کی دیت کو نصف قرار دینا اُسے غیر مسلم قرار دینے کے مترادف ہے "۔

انہوں نے کہا کہ " یہ تفرقات زمانۂ جاہلیت کے پیدا کردہ ہیں ، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا ۔"

وہ آج ۴ اگست ۱۹۸۴ء کو مجلس خواتین پاکستان کے زیر اہتمام بیگم وحیدہ شائق کی رہائش گاہ واقع گلبرگ میں خواتین کو قصاص و دیت کے موضوع پر درس دے رہے تھے:

انہوں نے کہا کہ خواتین کی دیت آدھی قرار دینے کا مطلب انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے:

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵ اگست ۱۹۸۴ء)

پھر ۸ اگست کو جناب کو صدر مملکت نے اسلام آباد طلب کر لیا اور حکم دیا کہ کابینہ کے سامنے اپنا موقف بیان کریں، چنانچہ موصوف کی اس تقریر کے بارے میں ان کے دوست پروفیسر وارث میر کہتے ہیں۔

"انہوں (طاہر القادری) نے اسلام میں اصول حرکت یعنی اجتہادی کاوشوں کو جاری رکھنے کی محض بات ہی نہیں کی، اپنی بات پر عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔ قادری صاحب نے ۵ اگست کے نوائے وقت میں اپنے ایک بیان کے ذریعے عورت کی نصف دیت کے حامیوں کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسا کرنا عورت کو جاہلیت کے دور میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔ اس بیان نے حکومتی اور دینی حلقوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ صدر مملکت نے بھی قادری صاحب کو کابینہ کے ایک خصوصی اجلاس ۸ اگست میں مدعو کیا۔ اس اجلاس میں عورت کی نصف دیت کی مخالفت میں قادری صاحب کے زور دار دلائل نے سب کو متاثر کیا۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

آخر ۹ اگست کو صدر مملکت نے قصاص دیت کے قانون کے التواء کا اعلان کر دیا۔

ملاحظہ ہو۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۹ اگست ۱۹۸۴ء

یہ ایک سازش بھی کہ صدر ضیاء الحق پر شوریٰ کا دباؤ تھا اور اس دباؤ میں آکر اس نے ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء کو اسلامی قوانین خصوصاً قصاص و دیت اور قاضی کورٹس کے نافذ کرنے کے، اعلان کا وعدہ کر لیا تھا، مگر صدر کے آس پاس کے رفقاء اور اور کچھ دیگر ارباب اقتدار شاید نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی قانون کا نفاذ ہو، لیکن اب انکے لئے معقول بہانہ اور معقول عذر درکار تھا۔ اس سلسلے میں انہیں طاہر القادری بکاؤ مال ہاتھ آگیا۔ اور اس کے ساتھ سودا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے عورت کی دیت کے بارے میں جھگڑا ڈال کر حکومت کو چانس فراہم کر دیا۔ اس کے بعد جناب کیساتھ کئے گئے وعدے پورے ہوئے۔ ایک سو ساٹھ کنال اراضی بھی اونے پونے داموں آپ کو دے دی گئی۔ ایک ہنڈا کار نئی شوروم سے نکل کر آگئی۔ اور پورے ملک کے سرمایہ داروں کو اشارہ ہو گیا کہ اندرون ملک اور بیرون ملک اپنے وسائل سے اس کی ہر ممکن مدد کی جائے۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔ وہی طاہر القادری ہے جسے زمانہ جھنگ کی وکالتی پریکٹس کے دوران شاید سائیکل خریدنے کی استطاعت بھی نہ تھی۔ اب ایک مسئلہ میں اسلامی نظام کے مخالفوں کے ہاتھ فروخت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو اب جناب کے ارد گرد کلاشنکوفوں والے محافظ اور گاڑیاں اور دولت کی ریل پیل ہے۔ ماشاء اللہ جناب نے ارباب اقتدار اور سرمایہ داروں سے دام معقول وصول فرمائے ہیں۔

دو گواہ

چنانچہ روزنامہ جنگ لاہور بروز بدھ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں مولانا متین ہاشمی کا درج ذیل بیان شائع ہوا جو انہوں نے دیت سے متعلق مذاکرۂ شادمان میں جس کا اہتمام طاہر القادری نے کیا تھا، طاہر القادری کی موجودگی میں متین ہاشمی صاحب نے یہ بیان فرمایا۔

"انہوں (متین ہاشمی) نے معتبر ذرائع کے حوالہ سے بتایا کہ ۱۴ اگست ۸۳ء

کو قاضی آرڈیننس کے نفاذ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن دیت کے تنازعہ کی وجہ سے ملک ایک اچھے قانون کے نفاذ سے محروم رہ گیا۔"

جناب عرفانی فرماتے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد کے ہمہ وقتی ممبر جناب عبدالمالک عرفانی لکھتے ہیں:

اس مسئلہ پر شدید اختلاف رائے پیدا ہونے سے مسودۂ قانون قصاص و دیت کی منظوری معرض التواء میں پڑ گئی ہے اور اگر یہی صورت رہی تو شاید یہ التواء مستقل حیثیت اختیار کر جائے۔"

(عورت کی دیت صفحہ طبع اردو بازار لاہور)

ان فاضل دو گواہوں نے گواہی دے دی کہ طاہر القادری کے شور مچانے اور اجماعی مسئلہ دیت کے خلاف ایک سازش کے تحت آواز بلند کرنے سے اسلامی نظام کو روک دیا گیا۔

ایک تازہ واقعہ

ابھی کا تازہ واقعہ ہے کہ صدر مملکت نے راقم سمیت کچھ علماء کو نفاذ شریعت آرڈیننس پر نظر ثانی کرنے اور بہ اتفاق رائے اس کی منظوری دینے کے لئے اسلام آباد بلایا۔ آخر میں صدر صاحب نے قصاص و دیت کے قانون کو بھی آرڈیننس کے ذریعے نافذ کرنے کا وعدہ کیا مگر جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ کراچی نے یہ کہکر اس کو ایک بار پھر ملتوی کرا دیا۔ کہ دیت کے مسئلہ میں (خالد صاحب نے اپنی اور طاہر القادری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) چونکہ بعض حضرات کو اختلاف ہے۔ اس لئے اسے فی الحال نافذ نہ کیا جائے۔ جس پر صدر صاحب نے اسے پھر ملتوی کر دیا۔ مگر راقم نے صدر صاحب کو مشورہ دیا کہ اسے ملتوی کرنے کی بجائے وفاقی شریعت کے حوالہ کیا جائے۔ اور وہ عورت کی دیت کے اس مسئلہ پر بحث کے لئے معترض حضرات کو دعوت دے ہم بھی پیش ہوں گے۔ اور خالد اسحاق اور طاہر القادری بھی آئیں۔ وہاں حق واضح ہو جائے گا۔ اور ساتھ ہی عدالت کو ہدایت کی جائے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر بحث کرا کر اپنا فیصلہ دیدے کہ عورت کی دیت نصف ہے یا مرد کی دیت کے برابر۔ چنانچہ صدر صاحب نے راقم کی رائے سے اتفاق فرمایا۔

قارئین :- یہ اسلام کا قانون قصاص و دیت ہی ہے جو ملک میں قتل و غارت اور مار دھاڑ کو روک سکتا ہے۔ قانون قصاص و دیت کے نافذ کرنے میں جب تک تاخیر رہے گی، قتل و غارت اور مار دھاڑ کا بازار گرم رہے گا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری طاہر القادری پر ہوگی۔ اور اس کا گناہ اس کے عمل نامہ میں لکھا جاتا رہے گا۔

اور اب ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں اس نے طاہر القادری کے عورت کو مرد کی دیت کے برابر کے نظریہ کو دلیل قرار دے کر مرد کی طرح اس کے سربراہ مملکت ہونے کا جواز پیش کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی سی چال

طاہر صاحب نے بالکل اسی طرح کی چال چلی ہے جس طرح کی چال مرزا غلام احمد قادیانی نے چلی تھی۔ اس نے پہلے ہی سے یکدم نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ پہلے تو "ملہم" ہونے کا دعویٰ کیا کہ اس پر الہام ہوتا ہے، پھر وحی کے نزول کا دعویٰ کر دیا۔ پھر آخر کار نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ بعینہٖ یہی محترم طاہر القادری کا حال ہے کہ آپ نے حسب ترتیب اور یکے بعد دیگرے درج ذیل ارتقائی اعلانات فرمائے اور دعوے کئے۔

۱۔ نابغۂ عصر میں فرمایا کہ آپ اجتہاد کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور تقلیدِ جامد کے قائل نہیں ہیں۔ یہ تقلیدِ جامد کی اصطلاح جو منکرین اتباعِ ائمہ کرام کی وضع کردہ ہے اختیار کر کے لوگوں کے دلوں سے ائمہ کی اتباع کے جذبہ کو مٹانا شروع کیا۔

۲۔ پھر عمرہ ادا کرنے گئے تو غارِ حرا تک پہنچنے کے لئے میاں نواز شریف اور اختر رسول صاحبان جیسے ملکی سطح بلکہ بین الاقوامی شہرت کے مالک حضرات کے کندھوں کی سواری فرمائی اور واپس آکر اتفاق مسجد کے خطبۂ جمعہ میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا۔ تاکہ اس سے دنیا والوں کے ذہنوں میں کم از کم یہ تصور آ ہی جائے کہ طاہر القادری کس قدر اونچی اور علمی شخصیت کے مالک ہوں گے جنہیں ایسے ایسے لوگ بھی کندھوں پر اٹھانا فخر محسوس کرتے ہیں۔

۳۔ پھر منہاج القرآن سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف اس بشارت کو منسوب کیا کہ آپ نے موصوف کو منہاج القرآن کے نام سے ادارہ بنانے کا حکم فرمایا۔ اس طرح طاہر صاحب نے لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ کرنے کی کوشش کی گویا انہیں بارگاہِ رسالت میں رسائی حاصل ہے۔

۴. پھر غار حرا میں فرشتہ کے نزول کا دعویٰ کیا اگر عوام شور نہ مچاتے اور کچھ لوگ سڑکوں پر نکل کر قادری صاحب کے پتلے کو نہ جلاتے تو شاید قادری صاحب اس کی تاویل و توجیہہ کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ فرماتے کہ ان کی مراد فی الواقع فرشتہ نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا جس نے وہاں ان کی خبر گیری کی تھی۔

۵۔ اس کے بعد جناب نے فروعی مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ "اجتہاد کا دائرہ کار" میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم آئمہ اربعہ کے وضع کردہ اصولِ اجتہاد کی روشنی میں اجتہاد کریں گے یہ الگ بات ہے کہ کہیں نتیجتاً ہماری فقہی رائے آئمہ اربعہ میں سے جس کی ہم تقلید کرتے ہیں یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے مختلف و متصادم ہو جائے اس سے تقلید میں فرق نہیں آئیگا کیونکہ اصول میں ہم ان کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اصول انہی کے ہیں ہمارے نہیں، ہم ان کے اصولوں سے نہیں ہٹیں گے۔ یعنی ہم اپنے اصول نہیں بنا سکتے کیونکہ اس سے امت میں فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہے" (از صا تا ۲۰)

۶۔ اجتہاد کے دعوئی کے ساتھ حضرت الحاج میاں محمد شریف صاحب مدظلہ کی کوٹھی پر عورت کی نصف اور پوری دیت کے سلسلے میں ۸ ستمبر ۸۴ء کو منعقد کئے گئے مذاکرہ میں طاہر صاحب نے فقہاء آئمہ اہلسنت کو بڑی جسارت کے ساتھ اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس طرح صحابہ و تابعین و اتباع تابعین و فقہاء اور آئمہ کے اجماعی مسئلہ کا انکار کر کے اجماع کے ہی منکر ہو گئے۔ ان کے یہ ٹیپ شدہ الفاظ اب بھی بے شمار لوگوں کے پاس موجود ہیں، خصوصاً راقم کے ہاں، جامعہ نعیمیہ، جامعہ نظامیہ، شاہ تراب الحق (کراچی) اور دیگر بہت سے احباب کے ہاں یہ کیسٹ موجود ہے۔ ان کے اپنے الفاظ بلا کم و کاست ملاحظہ فرمائیں۔

پروفیسر طاہر القادری کا فقہاءِ اُمت اور ائمہ اہل سنت کو اپنا فریق (بد مقابل) قرار دینا اور ان کے فیصلوں کو سند تسلیم کرنے سے کھلا انکار کرنا

پروفیسر موصوف نے اس مذاکرہ میں درج ذیل خیال کا اظہار کیا۔ ان کے اپنے الفاظ انہی کی آواز میں۔

"نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ حضرات! تمام مشائخ کرام۔ اس سلسلے میں عورت کی دیت کے بارے میں فقہاء و علماء کی اکثریت کا فیصلہ نصف دیت کے بارے میں موجود ہے اب چونکہ ایک طرف علماء و فقہا حضرات کا موقف موجود ہے دوسری طرف میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے اختلافی نقطۂ نظر عرض کیا ہے لہٰذا سب سے پہلے میں عرض کروں گا کہ اس نزاع کو رفع کرنے کا شرعی اسلوب کیا ہے؟ اس کے مطابق میں نے اس مسئلہ کو سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اسلوب عرض کر رہا ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ اس میں تین اطاعتوں کا ذکر ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے

لئے اس مسئلے کو سوچنے کا رُخ میں نے یہ اپنایا کہ بجائے اس کے علماء وفقہاء کی عبارات و تصریحات وفقہ کی کتابوں میں مندرج فیصلوں کو سند مان کر بات کی جائے اس کیس دیت کے مسئلہ میں وہ ایک فریق ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ ایک فریق ہیں۔ ان کا ادب ان کا احترام ان کے پاؤں کی خاک بھی میری آنکھوں کا سرمہ ہے وہ اپنی اپنی جگہ قائم ہے اور ہم روحانی اعتبار سے ان کی اولاد ہیں اولاد سے بھی کم درجہ کے لوگ ہیں وہ اپنی جگہ قائم ہے چونکہ اس کیس میں وہ فریق ہیں۔ لہٰذا میں اس میں ان کے حوالہ جات تصریحات اور فیصلوں کو سند تسلیم نہیں کرتا۔ سند کتاب و سنت کو تسلیم کیا جائے گا۔"

(یہ الفاظ حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنائے گئے تھے تب انہوں نے طاہر القادری کے رد میں "اسلام میں عورت کی دیت" کتاب لکھی جس میں لکھا کہ نصف دیت پر صحابہ کا اجماع ہے اور تمام مجتہدین آئمہ اہل سنت کا بھی۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔)

جو اولی الامر ہیں۔ اطیعوا اللہ سے مراد کتاب کا حجت ہونا ہے۔ اطیعوا الرسول سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے اور اولی الامر یعنی صاحبان امر میں بلاشک وشبہ ہمارے آئمہ و مجتہدین آتے ہیں۔ اب آئمہ و مجتہدین کر تابع ہیں کتاب و سنت کے لہٰذا ان سے، نہ کتاب و سنت سے اختلاف کا کسی کو حق ہے۔ لیکن آئمہ و مجتہدین سے اختلاف کرنے کا ہر کسی کو از روئے شرع حق حاصل ہے۔ اگر ایسی صورت کوئی پیدا ہو جائے تو فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔ تنازع ہو جائے کسی مسئلہ پر تو اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوٹایا جائے۔ اس

تصدیقات علماء کرام

طاہر القادری کی اس کیسیٹ کو میں نے خود سنا ہے یہی الفاظ من وعن اسکے ہیں۔ میں نے اپنے کانوں سے سُننے میں تصدیق کرتا ہوں۔ ۱۔ مولانا خلیل اشرف قادری بہاولنگر۔ ۲۔ مولانا اللہ دیا اشرفی بہاولنگر ۳۔ مفتی عبد القیوم ہزاروی لاہور۔ ۴۔ مولانا محمد رشید نقشبندی لاہور۔ ۵۔ مولانا حافظ عبد الستار لاہور ۶۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی لاہور۔ ۷۔ مولانا مفتی محمد حسین قادری سکھر، ۸۔ مولانا ابو الاعجاز قادری لاہور۔ ۹۔ پروفیسر ظہیر الدین بابر لاہور۔ ۱۰۔ مولانا محفوظ الحق لاہور۔ ۱۱۔ مولانا محمد یار قادری لاہور۔ ۱۲۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی لاہور وغیرہم ان سب کے دستخط ہیں۔ جناب طاہر نے اپنے انٹرویو میں جسے انہوں نے ریاض حسین چوہدری کے نام سے "سنٹر اسلامک سٹڈیز سیالکوٹ ۲۲/۳ رنگ پورہ روڈ سیالکوٹ" شائع کرایا ہے۔ اس میں مدمقابل کے لفظ سے سوال کیا گیا ہے جبکہ موصوف نے ائمہ مجتہدین اہل سنت کے بارے میں لفظ "فریق" استعمال کیا اور لفظ فریق کے معنی "مدمقابل" کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ائمہ اہلسنت کو فریق کہنا نہ صرف گمراہی ہے بلکہ دین و ایمان سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔

نوٹ :۔ یہ کیسیٹ جامعہ نظامیہ لوہاری گیٹ وجامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن و بعض دیگر مراکز کے علاوہ کئی ایک حضرات کے ہاں موجود ہے۔ راقم (مفتی غلام سرور قادری) کے پاس بھی ہے۔ سن سکتے ہیں۔

اس میں اگر کوئی غلط بات طاہر القادری صاحب کی طرف منسوب ہو یا انہوں نے فریق (مدمقابل) کے الفاظ ائمہ اہلسنت کو اپنا فریق (مدمقابل) نہ کہا ہو تو ہماری جو سزا تجویز ہو ہمیں منظور ہوگی۔

مفتی غلام سرور قادری

ترجمہ و تفسیرِ قرآن کے لئے ضروری ہدایات

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے محبوب ترین پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب اور تا قیامت آنے والے مسلمان اتقیاء پر بے شمار درود و سلام کے بعد، برادرانِ اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہم کس قدر خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت سے بنایا۔ پھر صحیح العقیدہ اہلِ سنت میں سے کر کے ہم پر مزید احسانِ عظیم فرمایا کہ اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وہ کتاب عطا فرمائی جس کا نام اس نے خود ہی قرآنِ کریم، فرقان اور الکتاب یعنی کتابِ کامل رکھا۔ ایسی کتاب جس کی شانِ اعجازی کا یہ عالم کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے برابر بھی منکرین فصیح و بلیغ اور قادر الکلام ہونے کے باوجود نہ لا سکے۔

توضیح الکتاب

اس میں شک نہیں کہ احکام اسلام و ہدایات اسلام کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے۔ جس کی توضیح و تشریح کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سونپی اور آپ نے حسب فرمانِ الٰہی اس کی تفسیر و توضیح بھی فرما دی۔ پھر مسلمانوں کو حکم عام دیا گیا کہ

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (انبیاء: آیت ۷)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

یعنی اس کے باوجود اگر تمہیں قرآن و سنت سے متعلق کوئی بات دریافت کرنا ہو تو ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کرو جو اپنی علمی و اجتہادی فکر اور تحقیقی قوت و صلاحیت و بصیرت سے قرآنِ کریم کا صحیح ادراک و فہم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ائمہ دین سے سوال کرنے کا حکم صادر فرما کر قرآنِ کریم میں طبع زنی کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

تفسیر بالرأی کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محض اپنی رائے کے ساتھ اور من گھڑت طریقے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے سے نہ صرف منع فرمایا، بلکہ ایسے شخص کو دوزخی قرار دیا جو قرآن کی تفسیر و تشریح یا اس کے معانی اپنی رائے سے کرے اور جو تفسیر منقول و ماثور چلی آ رہی ہے۔ اس کو ترجیح نہ دے بلکہ اس کے مقابلہ میں اپنی رائے سے کی گئی تفسیر و تشریح کو ہی ترجیح دے اور اپنے من گھڑت معنوں کو ہی فروغ دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔ (مشکوٰۃ از ترمذی)

جس نے قرآنِ کریم کے معنوں میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے قرآن کے معنوں میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے۔

شیخ المحققین علی بن سلطان القاری علیہ رحمتہ الباری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

"جس نے قرآن کے معنوں یا اس کی قرأت کے بارے میں اہلِ لغت و اہلِ عربیت میں سے ائمہ کرام کے اقوال جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہیں کی اتباع

کئے بغیر اپنی طرف سے اپنی عقل و فکر کے تقاضا کے مطابق کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے کیونکہ قرآن کی تشریح و تفسیر اور اس کے معانی میں انسان کی ذاتی رائے کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق نقل سے ہے جو اسلاف سے ہم تک پہنچی۔ پس معلوم ہوا کہ علم تفسیر نقل سے حاصل ہوتا ہے یا ائمہ کے اقوال سے یا عربی گرامر کے قواعد سے یا ان اصولی قواعد سے جن کی بحث اصولِ فقہ میں یا اصول دین میں کی جاتی ہے۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ وعید کی حقدار اہلِ بدعت و گمراہوں کی تفسیریں ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے لفظ کے مدلول و مراد کو ہی اڑا دیا یا معنی کے اثبات اور نفی دونوں امروں میں اسے غیر مدلول اور غیر مراد پر محمول کیا۔ پس وہ دلیل اور مدلول دونوں میں خطاکار ہیں۔ جیسے عبدالرحمن بن کیسان الاصم و جبائی و عبدالجبار ورمانی اور زمخشری وغیرہم ایسے لوگوں کی تفسیریں ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنے سنجیدہ کلام میں تفاسیر باطلہ اور بدعتوں کو داخل کرتے ہیں۔ پس ان کو اکثر اہل سنت پر رواج دیتے ہیں۔ جیسے صاحبِ کشاف اور ان لوگوں کے قریب قریب ابنِ عطیہ کی تفسیر ہے بلکہ امام ابن عرفہ مالکی اس کی بڑی مذمت فرماتے تھے اور فرماتے کہ ابنِ عطیہ صاحبِ کشاف سے بدتر ہے کیونکہ صاحبِ کشاف کے اعتزال کو ہر شخص جانتا ہے تو اس سے بچتا ہے۔ ابن عطیہ کے برعکس کیونکہ یہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتا ہے کہ وہ اہلِ سنت سے ہے۔" (مرقاۃ ج ۱ ص ۴۳۸/۴۳۹)

اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من قال فی القران برأیه فاصاب فقد اخطأ (ترمذی)	جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پھر اس کا کہا اتفاق سے ٹھیک نکلا تو بھی اس نے خطا کی۔

مفسر کا علم

یعنی اس نے شریعت کی رُو سے غلطی کی اور گنہگار ہوا۔ کیونکہ علماء کرام لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر لکھنا ہر ایک کا کام نہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ :- قرآن کی تفسیر کرنے والے کو پندرہ علوم پر عبور حاصل ہونا چاہیے۔ لغت[1]، نحو[2]، صرف[3] اور اشتقاق[4] کا علم ہونا چاہیے۔ کیونکہ کسی اسم کا اشتقاق جب دو مادوں سے ہو تو دو مختلف مادوں کے اختلاف کی وجہ سے معنی بھی مختلف ہو جائیں گے۔ مثلاً لفظِ مسیح کو لے لیجئے۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ سیاحت سے ہو جس کے معنی سیر کرنے اور چلنے کے ہیں۔ ایسی صورت میں مسیح اسم مفعول کا صیغہ ہو گا۔ بمعنی اسم فاعل، یعنی سیر کرنے اور چلنے والا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ مَسَح سے مشتق ہو جس کے معنی کسی شئی پر ہاتھ پھیرنے کے ہیں تاکہ اس کا اثر اس شئی تک پہنچے۔ یا اس شئی کا اثر ہاتھ تک پہنچے۔ اور مَسَحَ فِی الْاَرْضِ سے ماخوذ ہو تو اس کے معنی زمین پہ چلنے کے بھی ہیں۔ غرضیکہ ایک لفظ ہے۔ لیکن تعدد مادہ کے احتمال سے اس کے معنی بھی متعدد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اسے علم معانی، بیان، بدیع قرأت، اصول فقہ، اصولِ حدیث، اسبابِ نزول، قصص (تاریخ)، ناسخ و منسوخ، فقہ، کلام (عقائد) اور احادیث مبینہ احادیث مجمل کے علم پر عبور ہونا چاہیے۔ لیکن جناب طاہر القادری صاحب کی کتابیں پڑھنے اور اس کی تقریروں کی کیسٹیں سننے سے اہلِ علم و تحقیق جو درسِ نظامی پر عبور رکھتے ہیں پر واضح ہو جائے گا کہ موصوف ان علوم میں سے کسی ایک علم پر بھی عبور نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم و حدیث شریف وغیرہما کے معانی و تراجم میں جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے اور جو اپنی فکرِ ناقص میں آتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں یہ تک معلوم کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ جو معنی وہ کئے جا رہے ہیں اسلاف سے منقول

بھی ہیں یا نہیں۔ ہمیں تو ائمہ تفسیر نے یہی تعلیم دی ہے اور انہوں نے خود بھی اسی احتیاط کو ملحوظ رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم قرآن وسنت میں مرادِ الٰہی اور مرادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کہہ جائیں اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا کرنے والے ٹھہریں اور دوزخی قرار پائیں۔ چنانچہ علامہ امام محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ میں لفظ " وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ " کے متعدد معانی کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اس بات کو دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس سوال کو پورا کر دیا جو تم نے اس سے حصول رؤیت (دیدار) کے بارے میں کیا تھا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

لکن ھذا الوجہ غیر منقول فلا اجسر علی القول بہ وان کان اللفظ یحتملہ (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۲۶۲)	لیکن یہ معنی اسلاف سے منقول نہیں ہے لہٰذا میں اس کا یہ معنی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اگرچہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

سبحان اللہ! قارئین! غور فرمائیے ہمیں بزرگوں سے تعلیم یہ ملی ہے اور گذشتہ حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے معنی میں انتہائی احتیاط کی جائے اس کے ایک ایک لفظ کے معنی میں بار بار غور کیا جائے۔ اسلاف کے تراجم و تفاسیر پر غور کیا جائے عجلت اور جلد بازی نہ کی جائے۔ اگر خدانخواستہ ایک غلطی بھی ہو گئی تو آنے والی بے شمار نسلیں اس غلطی میں مبتلا ہو کر، اس غلط ترجمہ کرنے والے صاحب کے لئے خدا تعالےٰ کے ہاں زبردست بوجھ اور زبردست گرفت وعذاب کا باعث ہوں گی۔

جناب طاہر القادری کی تفسیرات

لیکن جناب طاہر القادری کی تفسیرات تو اغلاط و خرافات سے پر ہیں ہی. مگر افسوس کہ دیگر سنی تراجم و تفاسیر بھی جو حال ہی میں پچھلے چند سالوں سے مارکیٹ میں آئے ہیں بے شمار معنوی و تحقیقی اغلاط پر مشتمل اور مخالفین اہل سنت کے تراجم و تفاسیر سے استفادات پر مبنی ہیں۔ اور ان کو قرآن کا جمال اور قرآن کی ضیا کا نام دیا جا رہا ہے اور چونکہ نام سنیوں کا ہے اس لئے سنی حضرات ان سنی تفاسیر تراجم پر انحصار کر رہے ہیں. جس کا نتیجہ علمی و اعتقادی مغالطوں کی صورت میں برآمد ہو گا. کیونکہ ان تراجم میں نہ تو مسلک حق کا حسن و جمال ہے اور نہ ہی نور و ضیا. بلکہ ظلمت و تاریکی کا زیادہ امکان ہے. فاعتبروا یا اولی الابصار. اور یہ ڈاکٹرز حضرات آج کے دور میں قرآن و سنت کی تعلیم کا جس طرح حلیہ بگاڑ رہے ہیں (خدا کی پناہ) اس کا اندازہ آپ کو ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کی ان تحریفات سے ہو گا جو ہم قارئین کے لئے پیش کر رہے ہیں. ملاحظہ فرمائیے اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس سادہ لوح قوم اور خصوصاً بھولے بھالے سنیوں کو ان کی دین اور قرآن کے نام پر کی گئی فریب کاریوں سے محفوظ رکھے اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی بصیرت عطا فرمائے. آمین.

*

مُفسرِ قرآن کون ہو سکتا ہے؟

کس قدر تعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص کی علمی صلاحیت و استعداد اس حد تک کمزور ہو کہ وہ "لَمَا" اور "لَمَّا" کے الفاظ اور ان کے معنوں کے درمیان تفریق و تمیز تک نہیں کر سکتا۔ پھر وہ دنیا بھر میں درسِ قرآن دیتا پھرتا ہے اور قوم آنکھیں بند کر کے اس پر اپنی دولت بے دریغ ضائع کر رہی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کی تفسیر کرنے اور اس کے درس دینے کا اسی شخص کو حق حاصل ہے جو علم حدیث پر عبور رکھتا ہو اور ناسخ و منسوخ سے آگاہ ہو اور جسے لغات عرب پر بھی عبور ہو۔ چنانچہ امام محمود آلوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

فمن لم یکن عالما بلغات العرب لایحل له التفسیر کما قاله مجاهد وینکل کما قاله مالك و هذا مما لاشبهة فیه۔
(روح المعانی ج ۱ ص۵)

جو شخص عرب کی لغات پر عبور رکھتا ہو اس کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا حلال نہیں جیسا کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ایسے شخص کو سزا دی جائے گی جیسا کہ امام مالک نے فرمایا اور اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

عربی زبان پر عبور نہ رکھنے والوں کو قرآن کی تفسیر کرنے اور درس دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے

امام مجاہد رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی سب مسلمانوں کو دل کے کانوں سے سننا پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص عربی زبان پر عبور

نہیں رکھتا اسے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنا ناجائز و حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کی اجازت کسی بھی اسلامی ریاست میں نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا امام مالک رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی کی روشنی میں پروفیسر طاہر القادری صاحب، ڈاکٹر اسرار احمد اور اسی قسم کے لوگ جو بنیادی طور پر میڈیکل ڈاکٹر یا وکیل یا کچھ اور تھے مگر انہوں نے اپنے پیشے کو چھوڑ کر قرآن کے علوم سے کھیلنا شروع کر دیا۔ انہیں ہرگز ہرگز اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ محض فنِ تقریر و زورِ خطابت کی بنا پر دین اور ملک و قوم میں فتنے برپا کرتے پھریں۔

حکومت کی ذمّہ داری

حکومت پاکستان جو اسلامی ریاست ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرض ہے۔ "قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہِ اسلامی" کو ایسے وکیلوں، پروفیسروں اور ڈاکٹروں سے تحفظ دے۔ اور اس کا بہترین طریقۂ کار یہ ہے کہ حکومت ایسے علماءِ دین کا ایک بورڈ بنا دے جو پاکستان کے مشہور و معروف دینی مدارس میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی کامل مہارت رکھتے اور کم از کم بیس سال ان علوم کا تجربۂ تدریس رکھتے ہوں اور ان علوم کو تاحال پڑھاتے چلے آرہے ہوں۔ وہ بورڈ تمام دینی و مذہبی نوعیت کی طبع ہونے والی کتابوں کا مطالعہ کرے اور جائزہ لے اور مستقل طور پر اس کا کام ہی یہی ہو۔ جو کتاب یا لٹریچر آئمہ دین و مجتہدین اہلسنت جن کی شخصیتیں مسلمہ ہیں کی اجماعی آراء کے خلاف مواد پر مشتمل ہو اس کے خلاف کارروائی کی جائے اور آئندہ کیلئے ایسے مصنف کی تصنیفات کی طباعت ممنوع قرار دی جائے۔

تفسیرِ قرآن کے لئے کس قدر علم ضروری ہے

علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ علیہ الرحمۃ تفسیر

روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ " جب تک کسی کو عربی لغات ، علم معانی ، بیان ، بدیع ، اصولِ حدیث واصول فقہ ، عقائد و کلام ، قراۃ و تجوید ، صرف و نحو اور فقہ پر عبور نہ ہو ۔ اس وقت تک اسے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تشریح و تعبیر کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ، اگر کرے گا تو خود بھی ہلاکت میں پڑے گا اور دوسروں کو بھی ڈالے گا "

(روح المعانی ج ا ص ۵/۷)

اور پروفیسر صاحب کی کتابیں و رسائل دیکھنے اور ان کا براہِ راست خطاب شریف سننے اور سمجھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان مذکورہ علوم پر انہیں عبور ہونا تو بڑی بات ہے وہ ان علوم تک بھی واقف نہیں ہیں پھر مفکر اسلام و مفسر قرآن ہو لے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی تحریف معنوی کرنے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں جو گناہ کبیرہ اور جرم عظیم و گمراہی ہے جس کی سزا یہ ہے کہ ایسے مفتری لوگ کبھی بھی عذاب الیم سے نہیں بچ سکیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ

(یونس آیۃ ، النحل آیت ۱۱۶)

ترجمہ :- بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ۔

طاہر القادری مجتہد بنتے ہیں مگر عربی صحیح پڑھنا نہیں آتی

طاہر القادری مجتہد تو بنتے ہیں مگر ان کے مبلغ علم کا یہ حال ہے کہ عربی گرامر سے آگاہی تو کجا، انہیں عربی متن صحیح پڑھنا تک نہیں آتا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا، طاہر القادری صاحب بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں، علوم عربیہ سے ناواقف ہیں اور وہ بے جا ایک عالم دین کا روپ اختیار کرکے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں ان کی کتابیں تضادات اور اغلاط کا مجموعہ ہیں۔ بعض اوقات وہ کفریہ الفاظ تک بول جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت آگے چل کر ہم خود ان کی کتابوں سے پیش کریں گے۔ سردست ہم یہ ثبوت پیش کرنے لگے ہیں کہ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں اور اس سوال کرنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ جس شخص کو صحیح عربی پڑھنا نہ آئے وہ مجتہد کیسے ہو سکتا ہے اور اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم دین کی ذمہ داری کیسے سونپ سکتے ہیں؟

طاہر القادری صاحب کو صحیح عربی پڑھنی بھی نہیں آتی اور نہ ہی ان میں قرآن کریم کا صحیح ترجمہ کرنے کی صلاحیت ہے یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا ناقابل تردید ثبوت کیسٹ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جامعہ نعیمیہ اور جامعہ نظامیہ میں بھی موجود ہے۔ ۸ ستمبر ۱۹۹۶ء کے مذاکرہ میں پروفیسر و مجتہد صاحب نے درج ذیل عبارتیں غلط پڑھیں۔

۱۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاکلیل کے صفحہ ۱۹ میں ہے ایک عبارت میں لفظ "سَوَاءٌ" کو پیش کے ساتھ پڑھا جو کہ غلط ہے۔ اسے "سَوَاءً" زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے تھا۔

۲۔ امام جصاص کی کتاب احکام القرآن کی عبارت "وقد کان تحمل الدیات" میں لفظ "تحمل" کو "تُحْمَلُ" پڑھا، پھر انگ

گئے اور دوبارہ میم کی شد کے ساتھ یعنی "تُحُمَّلُ" پڑھا۔ یعنی اس لفظ کو دو بار پڑھا اور دونوں بار غلط پڑھا۔ جب کہ صحیح تلفظ "تَحَمَّلُ" ہے اور یہ مصدر ہے مگر مجتہد صاحب نے اس کو بصیغۂ فعل مضارع مجہول پڑھا۔ کیسٹ سُن لیجئے۔ نیز اسی کیسٹ میں علامہ صاحب نے یہ جھوٹ بالا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عورت کی دیت عرب کے رواج میں سو اونٹ تھی حالانکہ تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ پچاس اونٹ تھی۔

(دیکھئے المفصل فی تاریخ ماقبل الاسلام ج ۵ ص ۵۹۳)

۳۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب نے احکام القرآن کی ایک اور عبارت پڑھی۔ "وكان ذلك مما يعد من جميل" اس میں لفظ "يعد" کو "يَعُدُّ" پڑھا جو غلط ہے جب کہ اس کا صحیح تلفظ "يُعَدُّ" ہے

۴۔ پھر موصوف نے یہ عبارت پڑھی اور اس میں ایک ہی لائن میں دو فحش غلطیاں کیں جو عربی کے عام طالب علم بھی نہیں کریں گے وہ عبارت یہ ہے

"واطلاق اسم الدية انما يقع على المتعارف المعتاد"

یہاں خطِ کشیدہ الفاظ میں سے لفظ "يقع" کو انہوں نے قاف کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ پڑھا۔ حالانکہ صحیح تلفظ قاف کی فتح یعنی زبر کے ساتھ ہے یعنی يَقِعُ نہیں بلکہ يَقَعُ ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے اس کو غلط پڑھنے کا نیا ریکارڈ قائم فرمایا۔ پھر جناب "اَلْمُعْتَادُ" کو "اَلْمُتْعَادُ" پڑھتے رہے۔ یعنی صحیح تلفظ میں عین پہلے ہے اور تا بعد میں مگر مجتہد صاحب نے اسے اُلٹ کر دیا اور ستم یہ کہ ترجمہ میں بھی اس کا تلفظ غلط کرتے رہے یعنی معتاد کی بجائے متعاد کہتے رہے۔

کیسٹ اور پروفیسر صاحب کی آواز خود ہی سن لیجئے۔ اگر ہم ذرہ بھر بھی غلط کہتے ہیں تو

اہل علم حضرات جو چاہیں ہماری سزا تجویز کریں ہمیں منظور ہوگی اور اگر یہ کیسٹ حقیقت پر مبنی ہو تو ایسے نااہل شخص کو اس کے جھوٹے دعووں سے علانیہ توبہ کرائیں۔ اور حکومت نا صرف اس کے ٹی وی کے پروگرام بند کر دے بلکہ اس کو دی گئی ایک سو ساٹھ کنال اراضی بھی واپس لے لے اور اس کی تحریک منہاج القرآن پر پابندی لگا دے۔ کیونکہ اس قسم کی تحریکیں جن کے بانی صحیح العقیدہ اور صحیح عالم دین نہ ہوں لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہیں نیز اس کی کتابیں اور رسالے جو حکومت پنجاب نے سکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں کی لائبریریوں کے لئے منظور کیا ہوا ہے اس آرڈر کو واپس لے۔

۵۔ پھر جناب نے سید سابق کی کتاب فقہ السنۃ میں عربی عبارت پڑھی تو اس میں واقع اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سبحانہٗ کو نون کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے رہے۔ یعنی سبحانِہٖ وتعالیٰ۔ جب کہ صحیح تلفظ نون کی زبر کے ساتھ ہے یعنی سبحانَہٗ وتعالیٰ، مگر مجتہد صاحب نے خدا تعالیٰ کے نام کا غلط تلفظ کر کے دنیا میں پہلا ریکارڈ قائم کیا۔

۶۔ پھر موصوف نے سنن نسائی شریف کی حدیث شریف پڑھی، اس میں واقع عبارت "ان شئت ان تؤدی مایۃ من الابل" کو غلط پڑھا۔ اس میں حدیث کی خط کشیدہ عبارت کو "اِنْ تُؤَدِّیَ" پڑھا جو غلط ہے پھر راقم نے اصلاح کر کے مجتہد صاحب کو کم از کم حدیث کی عبارت صحیح پڑھنے پر مجبور کر دیا اور گزارش کی کہ "اَنْ تُؤَدِّیَ" پڑھئے تب مجتہد صاحب نے دوبارہ صحیح پڑھا اور راقم سے معذرت بھی چاہی۔ یہ ریکارڈ پر موجود ہے۔ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ مجتہد صاحب نے اس رات کو جو عبارتیں پڑھیں سب کا یہی حال تھا یہ نمونہ کے طور پر کچھ ثبوت عرض کئے ہیں اور اس کے علاوہ جھوٹ بھی بولے جس کی ایک مثال ابھی گزری ہے کہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے عورت کی دیت سو اونٹ تھی حالانکہ عرب کی تاریخ میں پچاس اونٹ لکھی ہے جس کا حوالہ ابھی گزرا۔

سلسلۂ تحریفاتِ قرآن

قارئین! اب طاہر صاحب کے سلسلۂ تحریفات کو ملاحظہ فرمائیں جو جناب طاہر القادری نے قرآن و سنت و فقہاءِ امت اور ائمہ اہلسنت کی عبارات و ارشادات میں روا رکھا۔ یہ سلسلۂ تحریفات ہی نہیں، بلکہ قرآن و سنت اور اسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ جس کی مثال آپ کو زمانہ ماضی میں کہیں بھی نہیں ملے گی۔ اگر ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوتا تو یقین فرمائیے کہ ایسے شخص کو اسلامی عدالت میں سب سے بڑے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن و سنت کے ساتھ ایسا مذاق سب سے بڑا جرم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریف نمبرا : پروفیسر صاحب اپنی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۲ پر سورۃ اِذَا جَاءَ نَصۡرُ اللّٰہِ ، "کا آخری حصہ" اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے" حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے ۔ "بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ۔" (کنز الایمان اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) ۔ کیونکہ "تَوَّاب" "فَعَّال" کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ جس کا معنی ہے "بہت توبہ قبول کرنے والا" اسم مبالغہ وہ اسم ہے جس میں معنی وصفی کی کثرت اور زیادتی پائی جاتی ہے ۔ جیسے رَازِقٌ (رزق دینے والا) یہ اسم فاعل ہے اور اسی سے رَزَّاقٌ مبالغہ ہے جس کے معنی ہیں ، "بہت رزق دینے والا ۔"

کسی بھی لفظ کے ترجمہ یا معنیٰ کا معیار

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی لفظ کے ترجمہ یا معنیٰ کے

صحیح یا غلط ہونے کا معیار عربی زبان کے قواعد وضوابط ہی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں لفظ کا جو ترجمہ یا معنی کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ تو عربی گرامر کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ آئیے۔ " تَوَّاب " کا معنی بھی عربی گرامر کی روشنی میں دیکھئے کہ آیا اس کا معنی " توبہ قبول کرنے والا " جو پروفیسر صاحب نے کیا ہے صحیح ہے یا " بہت توبہ قبول کرنے والا " جو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس سلسلے میں عربی گرامر کی مشہور کتاب " مراح الارواح " جو ہم طالب علموں کو پڑھاتے ہیں اور وہ سالہا سال سے درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں۔

" یَجِیْئُ لِلْمُبَالَغَۃِ نَحْوُ صَبَّارٌ " یعنی اسم فاعل مبالغہ کے لیے آتا ہے جیسے " صَبَّار " (مراح الارواح ص ۲۵) بہت صبر کرنے والا، تو، تَوَّاب اور صَبَّارٌ " دونوں کا ایک ہی وزن ہے۔ مصنف نے " صَبَّار " کا لفظ بول کر ایک قاعدہ بتادیا کہ اس وزن پر آنے والا اسم فاعل مبالغہ کے ہی معنی دیا کرتا ہے۔

اس کی شرح میں امام شمس الدین احمد بن سلیمان، عرف علامہ ابن کمال باشا علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں " صَبَّارٌ " ای کثیر الصبر۔ یعنی صَبَّار کے معنی ہیں " بہت صبر کرنے والا " (الحنیفہ شرح مراح الارواح صفحہ ۱۲)

اور الفلاح شرح مراح الارواح میں مزید واضح کر کے لکھتے ہیں

فیجیئ علی وزن فَعَّال۔ بفتح الفاء وتشدید العین نحو صَبَّار ای کثیر الصبر (الفلاح ص ۱۰۹)

یعنی اسم فاعل " فَعَّال " کے وزن پر ف کی زبر اور عین کی شد کے ساتھ، مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ جیسے صَبَّار، فَعَّال کے وزن پر، بہت صبر کرنے والا۔

لہٰذا "تَوَّاب" بھی اسم فاعل، مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کے معنی ہیں "بہت توبہ قبول کرنے والا"۔ امام قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں جو "تفسیر بیضاوی" کے نام سے مشہور ہے اور درسِ نظامی میں شامل ہے لکھتے ہیں۔

"اَلتَّوَّابُ" الرجّاع علی عبادہٖ بالمغفرۃ او الّذی یکثر اعانتھم علی التوبۃ"

(بیضاوی ج ا صد۵ مع القرآن)

یعنی "تَوَّاب" کے معنی ہیں، اپنے بندوں پر بخشش کے ساتھ بہت رجوع کرنے والا یا وہ ذات جو توبہ پر بندوں کی بہت مدد کرے"

نیز تفسیر بیضاوی کے شارح علامہ امام شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

قال الامام، المراد من وصف اللہ تعالیٰ بالتوبۃ بالتَّوَّاب، المبالغۃ فی التوبۃ"

یعنی امام صاحب نے فرمایا کہ یہ جو لفظ تَوَّاب کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی صفت کی جاتی ہے اس سے مُراد توبہ (قبول کرنے) میں مبالغہ ہے۔

(شیخ زادہ شرح بیضاوی ج ا صد ۲۷۱)

لیجئے، مفسرین کرام بھی یہی فرما رہے ہیں کہ "تَوَّاب" کے معنی میں مبالغہ ہے۔ اس لئے اس کا معنی ہوگا۔ "بہت توبہ قبول کرنے والا"، نہ کہ "توبہ قبول کرنے والا"۔ لہٰذا دلائل کی روشنی میں "تَوَّاب" کے معنی "بہت توبہ قبول کرنے والا" ہوئے۔ اس کے برعکس اس کا معنی "توبہ قبول کرنے والا" کرنا، قرآن کریم کے معنوں میں کمی یا تحریف کرنا ہے۔" جس کا پروفیسر صاحب نے ارتکاب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب، صرف ونحو (عربی گرامر) سے ضرورت کی حد تک بھی واقف نہیں ہیں۔ اس کے باوجود جناب کا یہ دعویٰ کہ میں نے درسِ نظامی مکمل پڑھا ہے اور یہ دعویٰ بھی کہ انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، دین کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے"

یکائی پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو دین کی خدمت سونپیں اور قرآن وسنت کی تعلیم و تشریح کا حکم دیں جو عربی زبان کے قواعد تک سے صحیح طور پر شناسا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک پیش گوئی:

اس موقع پر مجھے صحابیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک پیش گوئی یاد آئی ہے جسے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔

سَتَجِدُوْنَ اَقْوَامًا یزعمون انہم یدعونکم الی کتاب اللہ وقد نبذوہ وراء ظھورھم۔ الخ
(سنن الدارمی ج ۱ ص ۵۰)

تم آنے والے زمانہ میں کچھ لوگوں کو پاؤ گے جن کا دعویٰ ہوگا کہ وہ انہیں اللہ کی کتاب (قرآن) کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا ہوگا۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۵۰)

یعنی وہ خود قرآن کے علوم سے ناواقف اور روحِ عمل سے دور ہوں گے لیکن وہ تمہارے سامنے اپنے آپ کو قرآن کا عالم و مفسر ظاہر کریں گے۔

جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی کی معنوی تحریفِ قرآن

قارئین! اگرچہ راقم کا مقصد صرف جناب پروفیسر طاہر القادری کی معنوی تحریفِ قرآن کی نشان دہی کرنا ہے۔ تاہم ضمنی طور پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اسی قسم کی معنوی تحریفیں کچھ اور لوگوں نے بھی کی ہیں۔ ان میں سے علماء دیوبند کے بزرگ جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی بھی ہیں، ان کا ترجمۂ قرآن بھی اس قسم کی تحریفوں پر مشتمل ہے۔ محمود الحسن صاحب

"اِنَّہٗ كَانَ تَوَّابًا" کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں "بے شک وہ معاف کرنے والا ہے" محمود الحسن صاحب نے غلطی یا معنوی تحریف یہ فرمائی ہے کہ "تَوَّاب" کا معنی "معاف کرنے والا" کر ڈالا۔ یعنی توبہ کا معنی معافی سے کر گئے اور یہ بات عربی کی معمولی سی سمجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ لفظ "تَوَّاب" توبہ سے ہے اور معاف کرنے والا، "عفو" سے ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام "عَفُوٌّ" آتا ہے۔ اور "عَفُوٌّ" کے معنی "درگذر کرنے اور معاف کر دینے کے ہیں۔ توبہ اور عفو میں فرق یہ ہے کہ توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں اور تواب اس کو کہیں گے جو رجوع لانے والے بندے کے رجوع (توبہ) کو بہت ہی قبول کرنے والا ہو۔ اس کے معنی میں بندے کا رجوع لانا شامل ہے۔ "عفو" کے معنی درگذر کرنے اور معافی دے دینے کے ہیں۔ خواہ بندے کے رجوع لانے کے بعد یا رجوع لانے سے پہلے ہی از خود معاف کر دے۔ مثلاً کئی ایک گنہگار توبہ کے بغیر مر جاتے ہیں اس کے باوجود ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے۔ تو یہ اس کی شانِ عفو کا مظاہرہ ہوگا۔ لیکن اس کی شانِ تواب کا مظاہرہ اس وقت ہوگا جب کوئی بندہ دنیا میں ہی اپنی غلطی پر نادم ہوا اور آئندہ غلطی نہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے معافی کا خواستگار ہوا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ جب دونوں یعنی تواب اور عَفُوٌّ کے معنی ایک دوسرے سے مختلف قرار پائے تو ان میں سے کسی بھی ایک کے معنی کی جگہ دوسرے کے معنی کو رکھ دینا غلط اور تحریفِ معنوی ہے۔

تحریف نمبر ۲

پروفیسر طاہر القادری کی، تحریفِ قرآن کریم کی ایک اور بدترین بلکہ بدترین سے بھی بدترین مثال ملاحظہ فرمایئے۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۲ پر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۹ کا ایک حصہ لکھتے ہیں اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔ (بقرہ ۸۹)

(ترجمہ) اور اس سے پہلے وہ اسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے مگر جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان کے منکر ہو بیٹھے۔

اس ترجمہ کو غور سے ملاحظہ فرمایئے اور پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ بھی مدِنظر رکھیے۔

"منہاج القرآن نے تہیّہ کیا ہوا ہے کہ عہدِ حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق کتاب وسنت کی تعلیمات کی ایسی توجیہہ اور تشریح وتعبیر کی جائے جو قدیم سے مطابقت رکھتے ہوئے آج کے مسائل کا قابلِ عمل حل اُمتِ مسلمہ کے سامنے رکھ دے"۔

(ماہ نامہ منہاج القرآن ماہِ اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۱)

لیجئے قرآن وسنت کی جدید تعبیر کا نمونہ دیکھئے اور اس دور کے مفسرِ قرآن پر قوم جو لاکھوں روپے نثار کر رہی ہے اس کا ایک ثمرہ بھی پایئے۔ سبحان اللہ! کیا ہی ترجمہ فرمایا "مگر جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر

ہو بیٹھے۔" اس میں " نہ پہچانا اور " دو غلطیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تحریف قرآن کریم کی بدسے بدترین مثال ہے۔ ایک تو ترجمہ اُلٹا کیا گیا ہے کیونکہ مثبت کو منفی بنادیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

" تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا (نبی و رسول) اس سے منکر ہو بیٹھے۔" (کنزالایمان، اعلیٰ حضرت)

حقیقت حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل کتاب آپ سے متعلق اپنی اپنی کتابوں میں بہت کچھ پڑھ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ کریمہ، سابقہ کتابوں میں مذکور تھے اور اس قدر تفصیل سے مذکور تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل اچھی طرح جانتے پہچانتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے اور خود قرآن کریم میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ط (بقرہ ۱۴۶)

" جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔"
(بقرہ ۱۴۶) (کنزالایمان اعلیٰ حضرت)

اس آیت سے واضح ہے کہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور اس جان پہچان کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو بیٹھے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے پہلی آیت کا ترجمہ اُلٹا کر کے کلامِ الٰہی کو آپس میں ٹکرا دیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی نہ ہو۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

کیونکہ خود قرآن کریم فرما رہا ہے کہ

وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ — اور اگر وہ (قرآن) غیرِ خدا کے پاس

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (النساء ۸۲) سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

یعنی اگر یہ غیر خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ٹکراؤ ہوتا، لیکن اس میں کوئی تضاد نہیں لہٰذا یقیناً خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔ مگر پروفیسر صاحب کلامِ الٰہی کا من گھڑت ترجمہ کرکے، اس کے درمیان تضاد پیدا کر رہے ہیں۔ تاکہ دشمنانِ اسلام ایک عرصہ کے بعد ان کے متضاد ترجمہ کے ذریعے قرآنِ کریم کی آیتوں کے درمیان تضاد و اختلاف کا ثبوت پیش کرسکیں۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ کس جسارت سے یہ ترجمہ فرما رہے ہیں۔

"جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر ہو بیٹھے۔"

اس میں ایک تو مثبت کا ترجمہ منفی سے کر ڈالا۔ پھر اس میں لفظ "اور" اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ جبکہ قرآنِ کریم تو اہلِ کتاب کو اس بات پر زیادہ ہی مجرم قرار دے رہا ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے نبی کے منکر ہو بیٹھے۔ مگر پروفیسر صاحب "ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر ہو بیٹھے" ترجمہ کرکے نہ صرف خدا تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلا رہے ہیں۔ بلکہ اہلِ کتاب کی صفائی پیش کرکے، ان کے وکیلِ صفائی بن گئے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

پروفیسر طاہر القادری "ما" موصولہ اور "ما" نافیہ میں فرق تک نہیں جانتے

اس سے واضح ہوگیا کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب عربی گرامر سے اس حد تک ناواقف ہیں کہ "ما" موصولہ اور "ما" نافیہ کا فرق تک نہیں جانتے۔ کیونکہ انہوں نے کلامِ خداوندی میں واقع عبارت "مَا عَرَفُوْا" میں "ما" کو نفی کا سمجھ لیا۔ پھر

دیکھا کہ اس سے ترجمہ ناقابلِ فہم بن جاتا ہے، لہٰذا اسے قابلِ فہم بنانے کے لئے ایک اور معنوی تحریف کر ڈالی کہ اس میں لفظ "اور" کا اضافہ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حالانکہ یہ "ما" موصولہ ہے۔ نافیہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ امام نسفی فرماتے ہیں۔

"ما" موصولة" (تفسیر مدارک ج ۱ صفحہ ۶۱)۔

یعنی لفظ "ما" موصولہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ما موصولة، فاعل جاء، والاٰیة محذوف ای ما عرفوه، یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم عرفوه بنعتہ فی التوراة۔

ما موصولہ ہے۔ جآء فعل کا فاعل ہے اور آیت میں حذف ہے۔ یعنی جسے وہ پہچانتے تھے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ وہ آپ کی تورات میں واقع تعریف سے آپ کو پہچانتے تھے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ صفحہ ۹۵)

امام علاء الدین خازن اپنی تفسیرِ خازن میں فرماتے ہیں کہ

ما عرفوا ای الذی عرفوه یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ عرفوا نعتہ وصفتہ وانہ من غیر بنی اسرائیل۔

(خازن ج ۱ صفحہ ۸۲)

ان کے پاس وہ آگیا جسے وہ پہچانتے تھے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وہ آپ کی تعریف و توصیف کو (توراۃ کے ذریعے) جانتے تھے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ آپ بنی اسرائیل سے نہ ہوں گے۔

اسی طرح دیگر تفاسیر میں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابی السعود ج ۱ صفحہ ۱۲۹ و تفسیر روح المعانی ج ۱ صفحہ ۳۲۔ لیکن دورِ جدید کے مفسر کو ان تفاسیر سے کیا واسطہ وہ تو علماء

محققین وائمہ مجتہدین کو اپنا فریق مخالف قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند ماننے سے قطعاً انکار کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر طاہر القادری صاحب کا وہ خطاب جو انہوں نے ۱۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کو میاں محمد شریف صاحب کی کوٹھی واقع ماڈل ٹاؤن میں علماء کے اجتماع میں ارشاد فرمایا۔ اس کی کیسٹ جامعہ نظامیہ، جامعہ نعیمیہ و جامعہ غوثیہ لاہور میں موجود ہے۔

جناب طاہر القادری کی کیا بات ہے۔ یہ تو ائمہ دین، مجتہدین و فقہاءِ دینِ متین کی کرامت ہے کہ جو شخص ان کے راستہ کو چھوڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے ذلت کے گڑھے میں پھینکے بغیر نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا عورت کی دیت اور شہادت وغیرہ ایسے اجماعی مسائل کا انکار اور کلامِ الٰہی کی معنوی تحریف کرنے کے بعد پروفیسر صاحب اور آنکھیں بند کر کے ان کا ساتھ دینے والے حضرات خدا کے حضور کیا جواب دیں گے؟

جب سرِ محشر وہ پوچھیں گے بُلا کے سامنے

کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

(نوٹ، راقم نے طاہر القادری کی جس کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" سے یہ حوالے نقل کئے ہیں اس کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو ماہِ نومبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا جس کی پروف ریڈنگ ان کے منہاج القرآن کے مفتی و صدر مدرس جناب مولانا حافظ محمد خاں نے فرمائی راقم نے جناب طاہر کے بہت ساتھیوں کو یہ حوالہ دکھایا اور ان سے گزارش کی کہ آپ لوگ ایسے شخص کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کر رہے ہیں جو قرآن کا صحیح ترجمہ تک نہیں جانتا۔ عربی گرامر تک سے ناواقف ہے اور اس لئے قرآن و سنت اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر رہا ہے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے طاہر صاحب کو یہ حوالہ دکھایا۔ جس پر انہوں نے کہا اچھا ہم تصحیح کر کے دوبارہ چھاپتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے ایک اور نئے ایڈیشن کے ساتھ صحیح کر کے شائع کیا ہے۔ مگر اس طرح کرنے سے طاہر صاحب کی

تحریفِ قرآن کریم نمبر ۳
ایک اور بد ترین مثال

جناب طاہر القادری نے قرآنِ کریم کی جو معنوی تحریف کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی ایک اور بدترین مثال ملاحظہ فرمائیں۔ درج ذیل آیت پھر اس کا جو ترجمہ فرماتے ہیں۔

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ (ترجمہ) اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اجرت نہیں لیتا۔

(سورۃ المؤمنون : ۸۸)

(تسمیۃ القرآن صفحہ ۱۰۱)

طاہر القادری صاحب اس تسمیۃ القرآن کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

"میں اپنی زیرِ تالیف تفسیر منہاج القرآن" کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جزو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بطورِ ہدیہ پیش کرتا ہوں۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں کوئی بھی ہدیہ پیش کرنے والا کسی طرح کا ہدیہ پیش کرے تو عقیدت و محبت اور اس بارگاہ کی عظمت و جلالت کی نسبت سے ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وہی ہدیہ پیش کرے جس کے پیش کرنے کی اس میں اہلیت اور لیاقت ہو۔ ورنہ وہ ہدیہ پیش کرنا نہ ہوگا بلکہ لے بے باکی اور جسارت و جرأت بلکہ اس بارگاہ بے کس پناہ کے حضور بے ادبی اور گستاخی متصور ہوگی۔

اور جناب طاہر القادری کا اس کتاب کا ایک ایک حرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنا جب کہ وہ اس کی اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتے بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب قرار پاتا ہے۔ اور نہ صرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا یہ کلام مقدس ہے۔ اس کی شان میں اور خود کتابِ مقدس قرآنِ کریم کی شان میں بھی گستاخی قرار پاتا ہے اور میرے خیال میں اس گناہ میں وہ تمام سرمایہ دار بھی شامل ہیں جو اپنے سرمایہ کو اس نااہل کے اشاروں پر پانی کی طرح بہاتے پھر رہے ہیں ان سے بھی اس کا مواخذہ ہو گا۔

کس قدر غضب کی بات ہے کہ یہ شخص قرآن کے نام پر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور ان تک قرآنی تعلیمات کو مسخ کر کے پہنچا رہا ہے۔ یہ ترجمہ؟

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اُجرت نہیں لیتا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ترجمہ، خدا تعالیٰ پر بہتان اور اسی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر بہتان اور قرآنِ کریم کی بدترین تحریف ہے یہ ترجمہ پڑھ کر صاحبِ علم کا دماغ چکرا جائے۔ یہ عجیب و غریب معنی ومفہوم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ وہاں تک کسی صحابی کے ذہن کی رسائی ہوئی اور نہ ہی آئمہ مجتہدین و محدثین ومفسرین کی سمجھ شریف میں یہ معنی آئے جو نام نہاد منہاج القرآن کے نام نہاد مفکر و مجتہد کی عقلِ عیار میں سمائے۔

آئیے! امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا ترجمہ شریف بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا"۔

(کنزالایمان اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

علمِ صرف کا ایک ادنیٰ اور مبتدی درجہ کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ آیتِ کریمہ میں لفظ "یجیر" فعل مضارع معروف مثبت ہے اور یہ بابِ افعال سے ہے۔ اس کا ماضی " اَجَارَ " یعنی اس نے پناہ دی اور اس کا مضارع ہے "یُجِیْرُ" یعنی وہ پناہ دیتا ہے یا دے گا۔ اور اس کا مضارع منفی معروف

"لَا یُجِیْرُ" ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیتا یا نہیں دے سکتا۔ اور اس کا مجہول "لَا یُجَارُ" ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیا جاتا۔ لیکن جب اس کے بعد اس کا صلہ لفظ "عَلیٰ" آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف پناہ دینا۔ لہٰذا "وَھُوَ یُجِیْرُ" کے معنی ہیں اور وہ پناہ دیتا ہے اور "وَلَا یُجَارُ علیہ" کے معنی ہیں اور اس کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا یا اس کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی" اور اس کا اسمِ فاعل "مُجِیْرٌ" آتا ہے۔ یعنی پناہ دینے والا اور اس کا فعل امر "اَجِرْ" ہے یعنی پناہ دو۔

اور اس کا مادہ جوار ہے یعنی یہ اجوف واوی ہے "اَجْوَرْ" مہموز الفاء نہیں ہے لیکن قربان جائیے پروفیسر علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے جناب طاہر القادری پر جو قادری کیا ہیں قادریت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہی ہیں۔ ان کے تراجم آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تفاسیر قرآن تو درکنار ترجمۂ قرآنِ کریم بھی نہیں پڑھا۔ اور جو تراجم احادیث اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف علم حدیث سے بھی بالکل کورے ہیں۔ موصوف کی دوسری غلطیوں کے جو انبار لگے ہوئے ہیں ان سے قطع نظر یہی ایک غلطی ان کے سرپرستوں، معاونین اور رفقاء کی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے اگر انہیں اس شخص سے محض دین کی وجہ سے تعلق ہے تو اس اتمامِ حجت کے بعد جو راقم کی طرف سے کی جا رہی ہے اس شخص کا تعاون نہ صرف چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہیئے بلکہ نام نہاد منہاج القرآن کے لئے ۱۶۲ کنال قطعۂ اراضی بھی اس نااہل سے واپس لے لینا چاہیئے۔ بلکہ جملہ مراعات جو علم کے نام پر اسے دے رکھی ہیں بلا تاخیر واپس لے لینی چاہئیں۔ تاکہ قرآن و سنت کی تحریف اور دین کی تعلیمات کو مسخ کرانے کے گناہ میں وہ شامل نہ ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری اس بے لاگ تحقیق و تبصرہ سے اربابِ انصاف حقائق کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائے گا
اُمید واثق ہے حال کھُل ہی جائے گا

آمدم برسرِ مطلب، جناب طاہر نے قرآنِ کریم کے لفظ " یُجِیْرُ " کو " اجر " سے ماخوذ سمجھ لیا۔ اس لئے اسی کتاب " تسمیۃ القرآن " کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ کا اجیر و معطی ہونا اس حدیث سے کتنا واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا " اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی "

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

جناب نے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں ایک " اَجِیْرٌ " نئے نام کا اضافہ فرما دیا یہ ادارہ منہاج القرآن کی نئی دریافت اور مفکرِ اسلام کی اجتہادی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک نئے نام " اَجِیْرٌ " کو ڈھونڈ نکالا۔ اب تک تو تمام اہلِ اسلام " اَجِیْر " کے معنی اجرت لینے والے اور مزدور کے سمجھتے رہے۔ لیکن اب یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی قرار پا گیا۔ جبکہ یہ صاحب اس کی پہلے نفی کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے اُجرت لے پھر اب یہ اس کا نام بھی قرار پا گیا۔

لاحول ولاقوۃ الاباللہ

جناب طاہر کا قرآنِ کریم کی آیت " وَھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ " کا ترجمہ اس طرح کرنا " اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اُجرت نہیں لیتا۔ " اَجِیْر " جس کے معنی مزدوری لینے والے اور مزدور کے ہیں، کو اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی میں شامل کرنا اور اسے " مُعْطِی " کا مترادف ٹھہرانا، بدترین جہالت بھی ہے اور جناب کے قرآن و حدیث سے قطعاً ناواقف ہونے کا لاجواب ثبوت بھی۔ کیونکہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم سے ثبوت:-

۱۔ یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ ترجمہ: (ایمان لاؤ) کہ وہ تمہارے

وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (سورۃ احقاف آیت ۳۱) — گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔

اس میں لفظ "یُجِرْ" دراصل "یُجِیْرُ" تھا۔ جواب امر میں فعل مضارع واقع ہو تو اس پر جزم آتی ہے۔ لہٰذا التقائے ساکنین ہوا جس کے نتیجے میں یا گر گئی۔ "یُجِرْ" اور "یُجِیْرُ" کا ایک ہی معنی ہے یعنی بچائے گا اور پناہ دیگا

۲۔ وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ۔ (سورۃ المومنون ۸۸) — اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جا سکتی۔

۳۔ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (سورۃ الملک ۲۸) — پس کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے سکتا ہے۔

جناب طاہر صاحب کے ادارہ منہاج القرآن کے فیضان کی روشنی میں شاید اس کا ترجمہ یوں ہو گا۔ "پس کافروں کو دردناک عذاب سے کون اُجرت دے سکتا ہے"۔

۴۔ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ۔ (سورۃ الجن ۲۲) — کہہ دیجئے مجھے اللہ سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا (یا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

۵۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ۔ (سورہ توبہ ۶) — اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجئے۔ (حتیٰ کہ وہ اللہ کے کلام کو سُنے)

اس میں "اَجِرْ" کے معنی ہیں"

یہ پانچ مثالیں قرآن کریم سے عرض کی ہیں جن سے واضح ہے کہ "یُجِیْرُ" کے معنی اُجرت دینے کے نہیں، پناہ دینے کے ہیں۔ لیکن طاہر صاحب کے حافظہ میں یہ آیتیں نہیں تھیں۔ کیونکہ انہوں نے ترجمۂ قرآن پڑھا ہی نہیں ورنہ ایسی غلطی

ممکن ہی نہ تھی۔

احادیثِ مبارکہ سے ثبوت

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عمار بن یاسر و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مناقب میں ہے۔

اَلَیْسَ فِیْکُمُ الَّذِیْ اَجَارَہُ اللّٰہُ مِنَ الشَّیْطَانِ یعنی علیٰ لسان نبیہ صلی علیہ والہ وسلم۔
(صحیح البخاری ج ۱ صفحہ ۵۲۹)

(ترجمہ) کیا تم میں وہ شخص (عمار بن یاسر) نہیں ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی یعنی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر۔

اس حدیث میں لفظ "اجار" "یُجِیْرُ" کی ماضی ہے، جس کے معنی پناہ دینے کے ہیں اجرت دینے کے نہیں لیکن جناب طاہر القادری کی تحقیق جدید کی رو سے اس کا معنی ہوگا "جسے اللہ نے شیطان سے اُجرت دی" لاحول ولاقوۃ۔

۲۔ اور یہی لفظ "یُجِیْرُ" جو قرآنِ کریم میں آیا ہے، حدیثوں میں بکثرت وارد ہوا۔ اس کے معنی کہیں بھی اجرت دینے کے نہیں آتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ شریف میں ہے۔

وَیُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَدْنَاھُمْ وَیَرُدُّ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَقْصَاھُمْ الخ
(سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۹۷ الدیات)

اور مسلمانوں میں سے کمتر درجہ کا شخص ان کے خلاف پناہ دے سکتا ہے اور ان کا بعید ترین شخص ان پر مالِ غنیمت کو لوٹاتا ہے۔

اس حدیث میں لفظ "یُجِیْرُ" وارد ہوا جس کے معنی پناہ دینے کے ہیں لیکن طاہر صاحب اس سے کورے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی جناب کا اجتہاد کرنے

کا شوق بے چین کئے ہوئے ہے۔

۳۔ اور صحیح ترمذی میں ہے۔

وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (صحیح ترمذی ج ا صفحہ ۱۹۹) اور شہید کو قبر کے عذاب سے پناہ دی جاتی ہے۔

لیکن منہاج القرآن کے نام نہاد مجتہد و مفکر کے نزدیک تو اس حدیث کے معنی یوں ہوں گے " اور شہید کو قبر کے عذاب سے اجرت دی جاتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ دیدہ دانستہ قرآن کریم کے ایک حرف کا غلط معنی کہنے پر بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوتے ہیں اور جو شخص قرآن کریم کا ایک لفظ ہی نہیں، ایک آیت کا ہی نہیں بلکہ متعدد آیات کے ترجمے غلط کرکے دنیا کو اپنا مفسر قرآن ہونا باور کرائے اور ان کتابوں کی لاکھوں روپے آمدنی بنائی جاتی ہو، وہ کتنا بڑا مجرم ہوگا۔ ایسا شخص تو امداد و اعانت کا نہیں کوڑوں کا مستحق ہے۔

سنا ہے کہ ان کے ایک دوست نے جو خیر سے ان کی طرح ڈاکٹر مگر علم دین سے نرے کورے ہیں اس کے باوجود انہیں پیر طریقت کہلانے کا شرف بھی حاصل ہے انہیں خوشخبری سنائی ہے جسے منہاج القرآن نے جناب طاہر صاحب کی مدح سرائی میں چھاپ بھی دیا ہے کہ انہیں مدینہ شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ تم منہاج القرآن جاؤ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بقول حضرت علامہ ا ۱۲۰ مدظلہ العالی " ایک ڈاکٹر کے دوسرے ڈاکٹر سے دنیوی مفادات وابستہ ہیں بالخصوص رائے ونڈ روڈ کے کنارے پر واقع قطعہ اراضی کا معاملہ، جس کے مقدمات ڈاکٹر صاحب کے خلاف عدالت میں زیر سماعت ہیں۔ آخر ان سے جان چھڑانے پھر لاکھوں سے کروڑوں کمانے کے لئے انہیں ڈاکٹر طاہر قادری کے ذریعے اقتدار اعلیٰ جو جناب

کے اشارے اور سفارش پر گھومتا ہی نہیں، ان کی گاڑی کا دروازہ بھی اپنے دستِ اعلیٰ سے کھولتا ہے، تک رسائی اور سفارشِ خاص کی ضرورت ہے"۔

قارئین! پریشان نہ ہوں۔ ابھی تو ڈاکٹر صاحب کو ڈاکٹر طاہر صاحب کے حق میں وہ پیش گوئی پہنچی ہے جب ان کے کام نکلنا شروع ہوئے۔ اس وقت خدا جانے ڈاکٹریوں کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا؟

ابھی سے اہلِ دانش کیوں پریشاں متکلم ہیں
ابھی شرحِ جنوں کی بات ہے محدود عنواں تک

جیسے ڈاکٹر طاہر قادری کے قرآن و سنت کے معنوں میں تحریفات اور فقہی مسائل میں غلط بیانات کے واقعات خود ڈاکٹر طاہر قادری کی بشارتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ یوں ہی دوسرے ڈاکٹر صاحب کے بیانات کی بھی تکذیب و تغلیط کرتے ہیں۔

اب دونوں ڈاکٹر صاحبان کے بارے میں دانشمندانِ اہلسنت کا تأثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

جنوں زائل ہوا، ہوش آگیا، صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

تحریف نمبر ۴

پروفیسر صاحب اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۲۹ پر قرآن کی سورۃ انفال کی آیت ۲۴ لکھتے اور ترجمہ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ط	(ترجمہ) اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں تو تم فوراً جواب دیا کرو۔

(الانفال ۲۴)

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں بیک وقت دو غلطیاں کر ڈالیں ایک تو یہ کہ " لِمَا يُحْيِيكُمْ " کا ترجمہ چھوڑ دیا، شاید موصوف اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ اور دوسری تحریف یہ فرمائی کہ آیت کریمہ میں واقع لفظ "دعا" کو تثنیہ کا صیغہ سمجھ کر اس کا ترجمہ تثنیہ والا کر لیا۔ اور غالباً، الف کی وجہ سے دھوکہ کھا گئے کیونکہ تثنیہ کے آخر میں بھی الف ہوتا ہے لیکن جناب نے چونکہ علم صرف (عربی گرامر) پڑھی ہی نہیں اس لئے انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ باب دعا، یدعو، ناقص وادی ہے اور اس کے ماضی کا تثنیہ دعا نہیں، " دَعَوَا " آتا ہے اور یہ باتیں تو اساتذہ کرام دینی مدرسوں کے مبتدی طلبہ کو زبانی یاد کراتے ہیں۔ چنانچہ صرف کی مشہور کتاب "علم الصیغہ کے صفحہ ۵۲ پر گردان یوں لکھی ہے۔ دَعَا، دَعَوَا، دَعَوْا، تا آخر

چونکہ پروفیسر صاحب نے "دعا" کو تثنیہ کا صیغہ سمجھ کر زبردست غلطی کھائی۔ اس لئے ترجمہ بھی غلط کر ڈالا کہ "جب تمہیں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں۔" لاحول ولا قوۃ۔ حالانکہ "دعا" صیغہ واحد مذکر ہے اور اس میں " هُوَ " ضمیر مرفوع متصل، فاعل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ چنانچہ مفسرین بھی یہی لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو، علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

(اذا دعاکم) ای الرسول — ترجمہ: جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں۔

(روح المعانی ج ۹ صفحہ ۱۹)

اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں

"اذا دعاکم" ای الرسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم — (ترجمہ) جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں۔

(تفسیر زاد المسیر ج ۲ صفحہ ۳۳)

اور امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ

(اذا دعاکم) الرسول، افرد الضمیر لما ذکرنا ولان دعوۃ اللہ یسمع من الرسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم — اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں۔ ضمیر کو مفرد کیا اس کی وجہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا بلاوا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنا جاتا ہے

(تفسیر مظہری ج ۴ صفحہ ۶۰)

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو گرامر کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرتا ہے۔

"جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے۔"

(کنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت)

ناظرین، اس بات کو بھی ساتھ ساتھ ذہن شریف میں رکھیں کہ پروفیسر صاحب نے قومی ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادارہ منہاج القرآن کے قائم کرنے اور دین، امت، سنت کی خدمت اور اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنے کا مجھے حکم فرمایا اور اس کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی"۔ اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کی عربی دانی اور قرآن فہمی کا جائزہ

بھی لیتے چلئے کہ جناب نے قرآن کریم کی عبارت میں واقع لفظ " دعا " کو کچھ سے کچھ سمجھ لیا اور اس کا معنی بھی کچھ سے کچھ کر ڈالا۔ اس کے بعد انصاف سے کہیئے کہ کیا ان کی بشارتیں اور ان کے دعوے صداقت پر مبنی ہو سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو وہ ذمہ داری سونپیں جس کا وہ اہل نہیں ہے۔

لہذا طاہر صاحب کا یہ دعویٰ ، دعویٰ نامعقول ہے جسے کوئی عقلمند تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوگا ؎

کفر سے دعویٰ اسلام کی سازش کیسی
اے فلک! کیا یہ ترا رنگ یہ گردش کیسی

تحریف قرآن نمبر ۵

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآنِ کریم کی معنوی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ، پر سورۃ "والعصر" کے درج ذیل حصے :-

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"ترجمہ" اور جنہوں نے حق بات کی یا حق کا ساتھ دیا اور پھر اس پر صبر کے ساتھ قائم رہے"

پروفیسر صاحب نے اس میں تین تحریفیں کی ہیں۔

نمبر ۱:- "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کا ترجمہ غلط کیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تاکید یا وصیت کی"

نمبر ۲- ترجمہ میں اردو کے لفظ "پھر" کا بلا وجہ اضافہ کیا اور نہ سمجھے کہ لفظ "پھر" دو چیزوں کے درمیان ترتیب مع تاخیر کے لئے آتا ہے اور یہاں "واؤ" ہے جو نہ ترتیب کے لئے ہے اور نہ ہی تاخیر کے لئے۔ پروفیسر صاحب نے منشا۔ و مرادِ الٰہی کے برعکس ترجمہ کر کے قرآنِ کریم کی بدترین تحریف معنوی کر ڈالی۔

نمبر ۳:- "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا ترجمہ بھی غلط کیا جب کہ اس کا صحیح معنی یہ ہے "اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت فرمائی"

صحیح ترجمہ :-

اور اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی" (ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی)

قارئین! اس آیت میں لفظ "تَوَاصَوْا" فعل ماضی ہے اور اس کا مصدر "تواصی"

باب تفاعل ہے۔ عربی گرامر کے اعتبار سے "باب تفاعل" میں دو شخص مل کر کسی کام کو کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک فاعل بھی ہوتا ہے اور مفعول بھی۔ مثلاً "تضارب زَیدٌ وعمرو" زید اور عمرو نے ایک دوسرے کو مارا اور تَقَاتَلَ شَرِیفٌ وخالدٌ، شریف اور خالد آپس میں یا ایک دوسرے سے لڑے اور صاحب لسان العرب اسی لفظ کے معنی عربی لغت کی رو سے لکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"وتَواصی القوم ای اَوصٰی بَعضُھُم بعضاً" (لسان العرب ج ۱۵ صـ ۳۹۴)

"قوم نے تواصی کی" یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی۔ (لسان العرب ج ۱۵ صـ ۳۹۴)

اور تفسیر رُوح المعانی میں ہے۔

ای وصی بعضھم بعضا (ج ۳۰ صـ ۲۲۹)

یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تاکید و وصیت کی۔

قارئین، آپ نے دیکھا کہ آیت کریمہ میں واقع لفظ "تَوَاصَوا" فعل ماضی ہے اور ماضی مصدر سے بنتا ہے لہٰذا ماضی میں اس کے مصدری معنی ضرور موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا صاحب لسان العرب نے "تَوَاصَوا" کا مصدر "تَوَاصِی" لکھ کر اس کے معنی کی خصوصیت کو بیان فرما دیا کہ اس کے معنی ہیں۔ قوم کا یا لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرنا یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ، وصیت کے فعل میں شریک ہیں۔ سب نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تاکید و وصیت کی۔ لیکن طاہر القادری صاحب عربی گرامر سے کما حقہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس معنوی خصوصیت سے بے خبر رہے اور ایسا ترجمہ کیا جس سے آیت کریمہ میں واقع لفظ "تواصوا" کی وہ معنوی خصوصیت ہی باقی نہیں رہی جو باب "تفاعل" کی رُوح تھی یعنی دو شخصوں کی ایک فعل میں مذکورہ طریقے سے شرکت۔ اس طرح موصوف آیت مذکورہ کا غلط ترجمہ کر کے تحریف قرآن کے مرتکب ٹھہرے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

تحریف قرآن نمبر۶

پروفیسر طاہر القادری کی معنوی تحریفِ قرآن کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو وہ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۴۲ پر سورۃ بقرہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ط (البقرہ ۳۸)

(ترجمہ) پس جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آجائے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے دنیا و آخرت میں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ کوئی غم۔

اِنْ کا ترجمہ اِذَا سے کر ڈالا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں اِن "شرطیہ کا ترجمہ" اذا "سے کر ڈالا۔ کیونکہ جب " اذا " کا ترجمہ بنتا ہے۔" اِن" کا نہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں "اگر" کی بجائے "جب" استعمال کر کے قرآنِ کریم کے نازل کرنے والے خدائے قدوس کی مراد و منشا کو ہی بدل ڈالا۔ اسی کا نام قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔ یعنی کلامِ الٰہی کا معنی یا تفسیر اس کی منشا کے خلاف کرنا۔

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ "پس اگر یا پھر اگر" ہے۔ امامِ اہلِ سنت کا ترجمہ ملاحظہ ہو

" پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے۔"

(کنزالایمان، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

باقی تراجم بھی دیکھ لیجئے، کہ ان میں، "پس جب" ہے یا "پس اگر" اور "پھر اگر" بہر صورت پس جب کا ترجمہ غلط اور قرآن کے معنی کی تحریف ہے۔ کیونکہ "جب" لفظِ "اذا" کا ترجمہ ہے۔ اِنْ اور اِذَا کے معنوں میں بڑا فرق ہے۔ مختصر المعانی میں ہے۔

فان واذا تشتركان في الاستقبال بخلاف لو وتفترقان بالجزم بالوقوع وعدم الجزم به.
(مختصر المعاني صفحہ ۱۰۱)

(ترجمہ) پس اِنْ اور اِذَا استقبال میں مشترک ہیں "لو" کے خلاف اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں وقوع شرط کے یقینی اور غیر یقینی ہونے کے اعتبار سے۔

اور کلام الٰہی کا معاملہ تو اس قدر اہم اور نازک تر ہے کہ معمولی سی غلطی یا کمی بیشی بھی معنی کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے اس لئے اس کا ترجمہ کرتے وقت ایک ایک لفظ کے لانے میں انتہائی احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر امت کے خود ساختہ مفسر کو توفیق کہاں؟ انہیں تو لیڈر بن جانے اور سستی شہرت کمانے کے شوق نے سراپا اضطراب بنا دیا ہے۔ خود ساختہ علامہ۔ قرآن پاک کی تفسیر کی بنیادی کتاب تک سے بے خبر ہیں جو اساتذہ کرام درس نظامی کے طالب علموں کو عام طور پر پڑھاتے ہیں۔ یہ تفسیر، تفسیر جلالین ہے جو درس نظامی کے نصاب میں سالہا سال سے شامل ہے اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ جس نے یہ تفسیر پڑھی ہوگی وہ ایسا غلط ترجمہ ہرگز نہ کرے گا۔ خود ساختہ علامہ و مفسر اس قدر بھی نہیں جانتے کہ لفظ " فَاِمَّا " دراصل کیا تھا۔ اگر جانتے ہوتے تو تحریف قرآن کریم کے مرتکب نہ ہوتے۔ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔

" فَاِمَّا " فيه ادغام نون إن الشرطية في ما الزائدة.
(تفسیر جلالین (طبع لبنان)، صفحہ ۱)

" فَاِمَّا " میں مازائدہ کے اندر ان شرطیہ کے نون کا ادغام ہے۔

صاحب تفسیر جلالین یہ بتاتے ہیں کہ اصل عبارت یوں تھی " فَاِنْ مَا " " فا " کے بعد " اِنْ " شرطیہ ہے اور لفظ " ما " زائدہ ہے۔ اِن شرطیہ کو مازائدہ میں مدغم کیا گیا تو " فَاِمَّا " ہو گیا۔ لیکن معنی کرتے ہوئے حرف مدغم " اِنْ " شرطیہ کو

ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن خود ساختہ مفسر نے یہ کتاب پڑھی ہی نہیں اس لئے انہوں نے ترجمۂ قرآن غلط کر کے اس کی معنوی تحریف کر ڈالی۔ (معاذ اللہ)

تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں

(إِمَّا) مركبة من ان الشرطية و (ما) الزائدة للتاكيد (روح المعاني ج ۱ صفحہ ۲۳۱)	(إِمَّا) إِنْ شرطیہ اور (ما) زائدہ برائے تاکید سے مرکب ہے۔

اسی طرح تمام تفاسیر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور قرآن کریم کے اُردو ترجموں میں بھی إِنْ شرطیہ کا معنی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اور علامہ آلوسی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقام میں "إِنْ" شرطیہ جس کے معنی اگر کے ہیں کے استعمال میں نکتہ یہ ہے۔ کہ جس بات کو شرطیہ یعنی "اگر" کے لفظ سے بیان کیا جائے اس کا عمل میں آنا وجوبی و ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں شک ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر "اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے" اس حقیقت کا اظہار فرما دیا کہ بندوں کو عقل و شعور کی نعمت عطا کرنے کے بعد ان کے لئے آسمانی ہدایت بھیجے گا تو یہ اس کا فضل محض ہو گا۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱ صفحہ ۲۳۹)

جب ترجمہ میں لفظ "اگر" استعمال نہ ہو گا تو یہ نکتہ حاصل نہ ہو گا۔ مگر خود ساختہ مفسر کو علمی نکات کی ہوا تک نہیں لگی۔ انہیں تو ماشاء اللہ اس دور کا سب سے بڑا مفکر و مصنف بننے کا شوق ہے۔ اس لئے صحیح یا غلط دھڑا دھڑ کتابیں لکھے جا رہے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔

والمعنى ان يأتينكم منى هدى الخ۔ (تفسیر بیضاوی ج ۱ صفحہ ۵)	اور معنی یہ ہے کہ اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے۔

لیجئے۔ امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے حرف "اِنْ" کا صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر فرما کر پروفیسر طاہر القادری صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ کی جعلیت اور تحریف کو واضح ڈالا۔

مزید ایک حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بیضاوی کی شرح شیخ زادہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں (بخوف طوالت اس کے اردو مفہوم پر اکتفاء کیا جاتا ہے)

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ کی مراد یہ ہے کہ بظاہر یہ مقام "اِذَا" کا ہے جس کے معنی "جب" کے بنتے ہیں۔ "اِنْ" شرطیہ کا مقام نہیں جس کے معنی "اگر" کے ہیں۔ کیونکہ "اِنْ" (شرط) کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ احتمالی اور مشکوک معنوں میں استعمال ہو اور "اِذَا" ظرفیہ جس کے معنی "جب" کے ہیں کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ قطعی اور یقینی وقوع پذیر معنوں میں استعمال ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا آنا اگرچہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ تعالےٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا یقینی وقوع پذیر امور میں سے ہے اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا اور اسے مقدر فرمادیا اور اس کا وعدہ خلاف نہ ہوگا اور اس کی تقدیر خطا نہ ہوگی۔ تو یہ مقام "اِذَا" کا تھا جس کے معنے "جب" کے ہوتے ہیں پھر کلمہ شک "اِنْ" کو کیوں لایا گیا جس کے معنی "اگر" کے ہیں؟ تو قاضی بیضاوی نے اس سوال کا جواب دے دیا کہ کلمہ شرط "اِنْ" لانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا فی ذاتہ احتمالی اور مشکوک ہے عقل کی رو سے اللہ تعالےٰ پر واجب نہیں تھا کہ وہ ہدایت بھیجے۔ لیکن اس کا ہدایت کے بھیجنے کی بندوں

کو اُمید دلانا، اس کے فضلِ محض پر مبنی ہے۔

(بیضاوی و شیخ زادہ ج ۱ صفحہ ۲۷۳)

ناظرینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مفسرینِ قرآنِ کریم کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف پر کس قدر غور فرماتے۔ اور علوم قرآن میں غوطے لگا کر کس قدر قیمتی جواہر نکال لیتے ہیں اس کا نام فہمِ قرآن ہے۔ وہ فہمِ قرآن نہیں جس کے پروفیسر صاحب مدعی بنے ہوئے ہیں بلکہ پروفیسر صاحب کا فہمِ قرآن دراصل تحریفِ قرآن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ؎

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

تحریف نمبر ۷

پروفیسر صاحب نے قرآن کریم کی جو معنوی تحریفیں کی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنی کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۹ پر سورۃ حج کی آیت ۵۶ لکھ کر اس کا ترجمہ کیا۔

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ (الحج ۵۶) (ترجمہ) آج کے دن بادشاہی صرف اللہ کی ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اس میں موصوف نے دو تحریفیں کی ہیں۔

۱۔ "یَوْمَئِذٍ" کا معنی "آج کے دن" سے کیا جو بالکل غلط اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ جب کہ اس کے معنی "اس دن" کے ہیں "آج کے دن" کے لئے عربی میں "اَلْیَوْمَ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جسے عربی زبان پر معمولی سی واقفیت بھی ہو وہ بھی ایسی فحش غلطی نہیں کرے گا۔

۲۔ دوسری تحریف یہ فرمائی کہ "بَیْنَهُمْ" کا معنی "تمہارے درمیان" سے کیا حالانکہ عربی کی معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ "بَیْنَهُمْ" "بین هُمْ" غائب کی ضمیر ہے، حاضر کی نہیں، حاضر کے لئے ہوتا تو "بَیْنَکُمْ" ہوتا جس کے معنی "تمہارے درمیان" کے ہیں۔ موصوف نے "بَیْنَهُمْ" کا معنی "بینکم" سے کر کے قرآن کریم کا نہ صرف جاہلانہ معنی کیا ہے بلکہ اس کلام مقدس کے تقدس کا بھی مذاق اڑایا اور اس کی تحریف معنوی کر ڈالی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

سچ ہے اللہ تعالیٰ آئمہ دین کو اپنا فریق ٹھہرانے اور ان کے حوالوں کو سند نہ ماننے والوں کے سینے میں علوم قرآن کے انوار روشن نہیں فرماتا۔ یاد رہے کہ پروفیسر صاحب "عورت کی دیت" کے مسئلہ پر ایک مذاکرہ کے دوران واضح فرما چکے ہیں کہ "فقہاء کرام و آئمہ

اہلسنت میرے فریق ہیں میں ان کے حوالوں کو سند تسلیم نہیں کرتا :
(مذاکرہ ۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کیسٹ موجود ہے .

جو شخص عربی زبان سے کما حقہ واقف نہ ہو ، علوم قرآن وسنت اور فقہ کی روح سے بے خبر ہو ، اس کا قرآن کی تفسیر کرنا اور حدیث وفقہ کی تشریح و تحقیق کرنا . قیامت کو دعوت دینے کے مترادف ہے ۔

مَنْ لَّمْ يَكُنْ لِلْوِصَالِ اَهْلاً
فَكُلُّ طَاعَاتِهٖ ذُنُوْبٌ

(ترجمہ ، جو شخص قرب ووصال کی اہلیت نہ رکھتا ہو
اس کی تمام نیکیاں گناہ ہیں ۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہے ۔
"بادشاہی اس دن اللہ ہی کی ہے وہ ان میں فیصلہ کر دے گا "
(اعلیٰ حضرت بریلوی ؒ)

تحریفِ قرآن نمبر ۸

پروفیسر صاحب کی تحریفات کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنے رسالہ "حصولِ مقصد کی جدوجہد میں نتیجہ خیزی کی ضمانت" کے صفحہ ۵ پر سورہ حجر کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر ۱۵- ۹۹)

(ترجمہ، اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی میسر آجائے۔

پروفیسر صاحب نے آیت کریمہ کے نہایت ہی واضح اور روشن و مسلّم معنوں کو ایسے بھنور میں ڈال دیا کہ اسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھے ہوں گے۔

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

"اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی کی ضمانت میسر آجائے"

پروفیسر صاحب کی تمام تقریریں اور تحریریں ابوالکلام آزاد، غلام احمد پرویز، مودودی صاحب اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تقریروں اور تحریروں کے اقتباسات ہیں اور بعض اوقات تو اپنے استادوں کے ہی رٹے ہوئے الفاظ من و عن لاکر سامعین اور قارئین پر اپنے علم کا رعب جماتے ہیں۔ چنانچہ یہ دو الفاظ "معروضی کامیابی" اور "نتیجہ خیزی کی ضمانت" بھی ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کے مضامین میں بارہا پڑھے اور خود ان سے سُنے گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب، انہی کے ایجاد کردہ ناقابل فہم الفاظ، ترجمہ قرآن میں بے محل و بے موقع استعمال فرما کر کلام الٰہی کے معنی و مفہوم پر اجنبیت کا رنگ چڑھا رہے ہیں اور یہ ترجمہ بھی بلاشبہ کلام الٰہی کی تحریف کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ موصوف نے آیت کریمہ میں

دانی لفظ" الیقین " کے معنی ضمانت " کے کئے ہیں ۔ خواہ اس کا تعلق معروضی کامیابی سے ہو یا " نتیجہ خیزی " سے ، یقین کے معنی ضمانت کے عربی زبان میں کہیں بھی نہیں آتے پروفیسر صاحب کا بیان کردہ معنی قرآن کی تفسیر بالرای کے زمرے میں آتا ہے اور تفسیر بالرای کرنے والے کو حدیث میں دوزخی فرمایا گیا ہے ۔ جب کہ یہاں " الیقین " کے معنی موت ہی کے ہیں ۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے ۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ، قال سالم ، الموتُ
(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۸۳)

اور اپنے رب کی عبادت کرو تاوقتیکہ تمہارے پاس یقین آجائے ۔ حضرت سالم نے فرمایا " موت " آجائے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک تم پر فرض ہے جب تک موت نہ آجائے یہ حضرت سالم ، سیدنا عبد اللہ بن عمر کے بیٹے اور سیدنا عمر فاروق کے پوتے ہیں (رضی اللہ عنہم) امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے کہ یقین سے مراد موت ہے پھر لکھتے ہیں ۔

الیقین ھو الموت لانه امر متیقن والی ان قال . المراد واعبد ربك فی جمیع زمان حیاتك ولا تخل لحظة من لحظات الحیاة من العبادات (ارشاد الساری ج ۷ صفحہ ۱۹۵)

یعنی یقین موت ہی ہے کیونکہ وہ ایک یقینی چیز ہے ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں : مراد یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام اوقات میں اپنے رب کی عبادت کرو اور زندگی کے لمحات میں سے کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں ہونا چاہیئے ۔

[illegible] نیز قرآن مجید اپنے بعض الفاظ کریمہ کی بعض اوقات خود ہی تفسیر بیان فرما دیتا ہے اس لئے ایک مترجم و مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب کسی لفظ کا معنی یا تفسیر بیان کرنے لگے تو یہ دیکھ لے کہ آیا یہ لفظ قرآن مجید میں کسی اور مقام پر بھی آیا ہے ؟ اگر آیا ہے

تو وہاں اس کا معنی کیا ہے ؟ ۔ یہی لفظ "الیقین" اسی انداز میں دوسری جگہ سورۃ مدثر میں بھی آیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ط حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۔	اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہمیں موت آئی ۔

(المدثر ۴۶ ، ۴۷)

یہ کافروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کہیں گے کہ "ہم نماز نہ پڑھتے تھے (۴۳) اور مسکین کو کھانا دیتے تھے (۴۴) اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکر کرتے تھے (۴۵) اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے (۴۶) یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی (۴۷) ۔

قارئین ! ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں "الیقین" کے آنے سے موت کا آنا مراد ہے اور امام ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ م ۳۱۰ھ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں : ۔

یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم واعبد ربك حتی یأتیك الیقین الموت الذی ھو موقن بہ	یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ اپنے رب کی عبادت کریں تا وقتیکہ آپ کے پاس یقین آ جائے یعنی موت ، جو یقینی (آنے والی) ہے

پھر امام ابن جریر فرماتے ہیں ، حضرت سالم بن عبد اللہ ، حضرت مجاہد ، حضرت قتادہ حضرت حسن اور حضرت امام ابن زید رضی اللہ عنہم اجمعین ، تابعین کرام رائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے ۔ پھر یہی امام اسی معنی کی تائید کے سلسلے میں اپنی تین مختلف سندوں کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

فقد جاءه الیقین و واللہ انی ارجو لہ الخیر — پس اس کے پاس یقین آگیا (موت آگئی) اور خدا کی قسم میں (واللہ سے) اس کے لئے بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۴ ص ۵۲)

افسوس کہ مفسرِ قرآن ہونے کے دعوی دار، قرآنِ حکیم کی تفسیر کرنے سے پہلے اپنے علم کی تکمیل کر لیتے اور کسی مستند و محقق عالم قرآن و سنت سے باقاعدہ قرآن کی تفسیر پڑھ لیتے۔ لیکن انہوں نے باضابطہ و باقاعدہ درسِ نظامی پڑھے بغیر عربی کی معمولی سی اور غلط سلط شدبدھ حاصل کر کے اپنے ذمہ وہ عظیم الشان کام لے لیا جس کے وہ اہل نہ تھے اس لئے وہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی صحیح تفسیر و تشریح کر لے کی بجائے غلط تعبیر و توجیہہ کر کے خود بھی بھٹکے پھر رہے ہیں اور سادہ لوح عوام کو بھی بھٹکاتے جا رہے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

بے دینوں سے ہمنوائی

قارئین! پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس آیت میں "الیقین" معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی" کی ضمانت۔ مراد لے کر دراصل ان بے دینوں کی ہمنوائی زبانی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ "الیقین" سے مراد، موت نہیں بلکہ معرفت ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک فرض ہے۔ جب تک کہ اس کی معرفت حاصل نہ ہو۔ بس جب اس کی معرفت حاصل ہو گئی، عبادت، فرض نہ رہی پروفیسر صاحب کے معنی کے مطابق، تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ کی عبادت، اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی کی ضمانت میسر نہ آجائے۔ یعنی پروفیسر صاحب کی تحریک منہاج القرآن (جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے ہیں)، کامیابی کی ضمانت سے ہمکنار ہو جائے۔ پس جب تحریک منہاج القرآن کامیابی کی ضمانت سے ہمکنار ہو جائے گی

اس وقت پروفیسر صاحب اور ان کے رفقاء پر عبادت بھی فرض نہ رہے گی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) حالانکہ عبادتِ الٰہی اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ عقل وشعور کے ساتھ زندگی باقی ہے۔ اس سلسلے میں امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کی بھی سنیے۔

ویستدل بها علی تخطئة من ذهب من الملاحدة الی ان المراد بالیقین المعرفة فمتی وصل احدهم الی المعرفة سقط عنه التکلیف عندهم وهذا کفر وضلال وجهل فان الانبیاء علیهم السلام کانوا هم واصحابهم اعلم الناس بالله واعرفهم بحقوقه وصفاته وما یستحق من التعظیم وکانوا مع هذا اعبد واکثر الناس عبادة ومواظبة علی فعل الخیرات الی حین الوفاة وانما المراد بالیقین ههنا الموت (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صـ ۵۶۰)

اور اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ بے دینوں کا یہ مذہب غلط ہے کہ یقین سے مراد معرفت ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی جب معرفت تک پہنچ جاتا ہے تو عبادات (فرائض) اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ کفر وگمراہی اور جہالت ہے۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ سب لوگوں سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا علم رکھتے اور اس کے حقوق وصفات اور جس تعظیم کا وہ حقدار ہے کے زیادہ جاننے والے پہچاننے والے تھے اور اس کے باوجود وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار اور سب سے بڑھ کر دائمی طور پر وقتِ وفات تک نیکیاں کرنے والے تھے اور یقین سے مراد یہاں موت ہی ہے۔

الحمد للہ! امام ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے واضح فرما دیا ہے کہ یہاں "یقین"
سے مراد موت ہی ہے اور اس کے علاوہ دوسرا معنی، معرفت (یا بقول پروفیسر
عبدالقادری صاحب معروضی کامیابی و نتیجہ خیزی کی ضمانت)، کرنا کفر و گمراہی اور
جہالت ہے۔ بزرگانِ دین بالکل سچ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے راستے سے بھاگنے
والا آخر ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں گر کر رہتا ہے۔ اور اس کی متاعِ ایمان
کی خیر نہیں ہوتی ؎

دیکھ لو روئے رنگِ ناکامی
یہ نہ پوچھ کہ بیکسی کیا ہے؟

تحریف قرآن کریم نمبر ۹

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۵۲ پر یہی فرماتے ہیں

یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ ‏ تمہارے رب نے پانچ ہزار مسلح
بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ ‏ فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی۔

(آل عمران ۱۲۵)

"مدد فرمائی" ترجمہ، ماضی ہے جب کہ "یُمْدِدْ" فعل مضارع ہے جس کے معنی ہیں "تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔"

اور دوسری غلطی یہ کی کہ "مُسَوِّمِیْنَ" کے معنی "مسلح" سے کیا جو بالکل غلط اور تحریف کی حد تک غلط ہے اس کے معنی "نشانی والے یا نشانی لگانے والے" کے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "نشان والے" سے اس کا ترجمہ فرمایا ہے پھر لفظ "مسلح" لام کی فتح (زبر) کے ساتھ اسم مفعول استعمال ہوتا ہے جب کہ "مُسَوِّمِیْنَ" اسم مفعول نہیں بلکہ اسم فاعل ہے۔ جناب والا نے اس معمولی سی بات پر بھی غور نہیں فرمایا، جس کا تعلق گرامر سے ہے اور وہ کیسے فرماتے جب کہ انہوں نے گرامر پڑھی ہی نہیں ایسی صورت میں ترجمہ کا حشر یہی ہو گا جو جناب فرما رہے ہیں ؎

اللہ! یہ فضائے گلستاں کو کیا ہوا؟
میرے لہو کا رنگ، نہ سُرخی بہار کی

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر:۱

جناب طاہر القادری کی قرآنِ کریم کی معنوی تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:
موصوف اپنی کتاب "اسلامی فلسفۂ زندگی" کے صفحہ ۳۹ پر سورۃ النجم کی آیت ۳۲ لکھ کر اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (النجم ۳۲)

تم اپنی جانوں کی صفائی اور پاکیزگی کی قسم نہ کھاؤ وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ پاکیزہ ہے۔

ترجمہ میں طاہر صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں
۱۔ ایک یہ کہ ترجمہ میں آیت کریمہ کا موضوع ہی بدل ڈالا۔ کیونکہ آیت کریمہ کا موضوع ہے "اپنے منہ اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور خود سرائی کی ممانعت" لیکن محترم طاہر القادری صاحب نے اس کا غلط ترجمہ کر کے اس کا موضوع ہی بدل دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے ترجمہ میں "قسم نہ کھاؤ" کے الفاظ اپنی طرف سے زائد کر دیئے ہیں۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیز گار ہیں۔" (کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ اپنے منہ اپنی پاکیزگی کا اظہار نہ کرو۔ لیکن موصوف نے اس میں "قسم نہ کھاؤ" کی عبارت بڑھا کر اس کے موضوع و مفاد کو ہی بدل ڈالا۔ طاہر صاحب کے ترجمہ کو پڑھنے والا یقیناً یہی سمجھے گا کہ اس آیت میں صرف قسم کھا کر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی ممانعت ہے اور قسم کھائے بغیر ممانعت نہیں ہے۔ گویا ممانعت کا تعلق صرف قسم کے ساتھ ہے جب کہ کلام الہٰی کا ہرگز یہ مفاد نہیں ہے۔ ایسا ترجمہ تحریف کلام الہٰی قرار پاتا ہے۔
۲۔ دوسری غلطی یہ کی کہ لفظ "اِتَّقٰی" کو اسم تفضیل سمجھ لیا اور اس کا معنیٰ بھی

"زیادہ پاکیزہ" سے کیا۔ حالانکہ یہ فعل ماضی ہے۔ جس کے معنی میں صرف پرہیز گاری کا مفہوم ہے، "زیادہ پرہیزگاری یا زیادہ پاکیزگی" ہرگز نہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے اس کے ترجمہ میں "زیادہ" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ جناب طاہر صاحب کو غالباً اس لئے مغالطہ لگا ہے کہ لکھنے میں دونوں کی صورت ایک ہی ہے۔ یعنی ماضی اور اسم تفضیل دونوں ایک ہی شکل "اتقی" میں لکھے جاتے ہیں لیکن دونوں کے پڑھنے کا انداز مختلف ہے۔ اسم تفضیل کو الف کی زبر اور تا کی جزم سے پڑھا جاتا ہے اور ماضی کو الف کی زیر اور تا کی شد اور زبر سے۔ اور یہاں اسی دوسری صورت میں یعنی فعل ماضی سے پڑھا گیا ہے اور سورۃ واللیل میں "الاتقی" پہلی صورت میں یعنی اسم تفضیل سے پڑھا گیا ہے۔ پھر ایسے موقع پر ایک ایسے شخص کو جو عربی گرامر سے واقف ہو اور قرآن کا علم بھی رکھتا ہو اسے مغالطہ نہیں لگ سکتا اور اگر مغالطہ لگ جائے جیسے طاہر صاحب کو لگا تو سمجھ لیجئے بلکہ یقین کر لیجئے کہ ایسا شخص عربی گرامر اور قرآنی علوم سے قطعاً بے بہرہ اور بالکل نابلد ہے لہٰذا اسے اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن حکیم کی تفسیر لکھے یا حدیث و تصوف کا شارح بنے کیونکہ اس میں ان خدمات کی انجام دہی کی اہلیت ہی نہیں ہے اور اس حدیث کے مصداق یہی لوگ ہیں کہ "بہت سے قرآن کے پڑھنے والے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کر رہا ہوتا ہے (حدیث) ؎

کہتی ہے قرآن کی عظمت اُن سے
تم کیا ہو، تمہاری ہستی کیا ہے

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۱

تحریفِ قرآنِ کریم کے ماہر جناب علامہ طاہر "اجزائے ایمان" کے صفحہ ۵۶ حصہ دوم میں درج ذیل آیت اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ ارشاد فرماتے ہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ
(القیامہ ۷۵ آیت ۱۷/۱۸)

بے شک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا۔ جب ہم اس کو پڑھوا چکیں تو آپ اس کے پڑھے ہوئے کی پیروی کیجئے۔

اس میں جناب طاہر نے "قُرْاٰنَهٗ" کا معنی کیا ہے "اس کا پڑھوانا" اسی طرح موصوف نے "قَرَاْنٰهُ" کا معنی کیا ہے "پڑھوا چکیں"۔

عربی زبان میں "قَرَأَ" "یَقْرَءُ" کے معنی پڑھنے کے تو آتے ہیں مگر "پڑھوانے" کے ہرگز نہیں آتے لیکن طاہر صاحب نے یہاں "قَرَءَ" کے معنی پڑھوانے کے کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے عربی زبان کے عام الاستعمال الفاظ کے معنی تک سے بے خبر ہیں۔

صحیح بخاری کی شرح "الکواکب الدراری" میں امام کرمانی اور عمدۃ القاری میں امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

"(فَاِذَا قَرَءْنٰهُ) جعل قراءۃ جبریل قراءتہ"
(شرح صحیح بخاری للکرمانی ج ۱ ص ۴۸ د
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۰)

"فَاِذَا قَرَءْنٰهُ" میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی قرأت کو اپنی قرأت قرار دیا

یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا۔ قراءۃ (پڑھنے) کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ یعنی یوں فرمایا "پس جب ہم اسے پڑھ چکیں"۔ لیکن اگر

عابر القادری کے معنی "پڑھوا چکیں" کو دیکھا جائے تو اس میں پڑھنے کی نسبت براہ راست حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہے۔ مگر امام المحدثین امام کرمانی و عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرما رہے ہیں کہ "قرء" فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "پس جب ہم اسے پڑھ چکیں"

اور اسی طرح امام قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ

(فاذا قرأناہ) بلسان جبریل علیک۔ — پس جب ہم اسے جبریل کی زبان سے تم پر پڑھیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔

(ارشاد الساری ج۱ صفحہ ۶۲)

اگر یہاں فعل قراءۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہوتی بلکہ جبریل علیہ السلام کی طرف ہوتی تو لفظ "بلسان جبریل" لانے کی ضرورت نہ تھی۔

نیز شیخ الاسلام شاہ نور الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تیسیر الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

(فاذا قرءناہ) وقتیکہ بخوانیم قرآن رابزبان جبریل (ج ۱ صفحہ ۱۱) — پس جب ہم قرآن کریم کو جبریل کی زبان سے پڑھیں۔

فارسی دان حضرات تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ "بخوانیم" کے معنی کیا ہیں "ہم پڑھیں" یا "پڑھوائیں"؟

محقق ملت و محدث اہلسنت و فقیہ امت علامہ سید غلام جیلانی شاہ صاحب میرٹھی علیہ الرحمۃ بشیر القاری شرح بخاری میں اس کا اردو ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه — بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ

چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی
اتباع کرو۔
(بشیر القاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ طبع دہلی)

لیجیے۔ کیا اب بھی کوئی شک کی گنجائش باقی رہ گئی؟ ہرگز نہیں۔ محدث میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے لفظ " قُرْاٰنَهٗ " کا ترجمہ فرمایا " اس کا پڑھنا " جبکہ طاہر القادری نے اس کا ترجمہ کیا " اس کا پڑھوانا "۔ پھر محدث صاحب علیہ الرحمۃ نے " فَاِذَا قَرَاْنٰهُ " کا ترجمہ فرمایا " پس جب ہم اسے پڑھ چکیں " جبکہ طاہر القادری نے اس کا ترجمہ کیا " پس جب ہم اسے پڑھوا چکیں "۔

اور آخر میں امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا مرشدنا الشاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا بھی ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

" بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب
ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔"
(کنز الایمان سورۂ قیامت)

اعلیٰ حضرت نے بھی " قَرَءَ " کا معنی پڑھنا فرمایا۔ لیکن طاہر صاحب کا کیا ہوا معنی " پڑھوانا " عربی زبان سے ہٹ کر، دین و ایمان کی بربادگاہ " منہاج القرآن " کا نام نہاد فیضان ہے جس کی کوئی اصل ہے نہ بنیاد۔

قارئین! کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ جس شخص کو قرآن کریم میں واقع بلکہ عربی زبان میں عام الاستعمال " قراءۃ " کا صحیح معنی کرنا نہیں آتا اور وہ اس کا معنی پڑھنے کی بجائے پڑھوانے کا کرتا ہے وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسے دین کی خدمت اور شریعت کی تجدید کے لئے چن لیا ہے اور کشتی امت کا واحد ناخدا ٹھہرایا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اب کشتیٔ امت کے خود ساختہ ناخداکو دیکھئے کرامت کی کشتی کو قرآن وسنت کے غلط معانی کے بھنور میں کیسے ڈالے جارہا ہے۔ ان تحقیقی اور مبنی بر دلائل حوالہ جات سے ہر اہل علم کا ذہن رسا اس حقیقت کو پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ صاحب جو مفکر اسلام وغیرہ کہلاتے پھر رہے ہیں۔ قرآن وسنت کے بنیادی علم یعنی عربی زبان اور عربی لغت تک سے ناواقف ہے ؎

رنگ وبو سے بے خبر، بیگانہ شانِ بہار
اے تری قدرت کہ یہ بھی ہیں نگہبانِ بہار

تحریف قرآن کریم نمبر ۲۰

اسی کتاب "اجزائے ایمان" کے حصہ دوم کے صفحہ ۱۵۴ پر درج ذیل آیت اور ترجمہ فرماتے ہیں

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ
(زمر۔ آیت ۷۵)

اور آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد خدا کی تسبیح کرتے دیکھیں گے۔

اس میں لفظ "حَآفِّيْنَ" کا ترجمہ غائب کر گئے۔ جس کے معنی حلقہ کئے ہوئے کے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں" اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کئے۔ اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اس کی پاکی بولتے"

طاہر صاحب کے ترجمہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے عرش کے آس پاس خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ لیکن کس حالت میں؟ اس کو قرآن کریم نے تو بیان کر دیا لیکن جس مفکر اسلام اور خود ساختہ مفسر قرآن نے اسے لائق بیان ہی نہ سمجھا۔ البتہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "حافین" کا ترجمہ کرکے ترجمہ کرنے کا حق ادا کر دیا۔

تحریف قرآن کریم نمبر ۱۲

اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۳ پر سورۂ الاعراف کی آیت ۱۹۰ اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں

جعلا لہٗ شرکاء فیما اٰتٰھما فتعٰلی اللہ عما یشرکون۔ تو وہ اس کے خلق میں شریک ٹھہرانے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ شریک کئے جانے سے بلند و بالا ہے۔

اس میں تین غلطیاں فرمائیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ "فیما اٰتٰھما" کا معنی "خلق میں" کر ڈالا جب کہ اس کے صحیح معنی "اس کی دی ہوئی یا اس کی عطائیں" ہیں۔ پھر "اس کے خلق میں شریک ٹھہرانے لگے" کے ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ شریک ٹھہرانے والوں نے کتنے شریک ٹھہرائے۔ ایک یا ایک سے زیادہ۔ جب کہ قرآن میں لفظ "شرکاء" جمع ہے معنی ایسا ہوتا جس سے لفظ کا جمع ہونا واضح ہوتا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ "فتعٰلی اللہ" کا معنی "حالانکہ" کے ساتھ کر کے اس کو جملہ حالیہ بنا ڈالا۔ جب کہ یہ جملہ حالیہ نہیں ۳۔ تیسرے یہ کہ "یشرکون" کا ترجمہ کیا "شریک کئے جانے" یعنی اسے فعل مجہول بنا ڈالا۔ جب کہ یہ فعل مضارع معروف ہے۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے جو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے

"انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی (شریک) ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے (یعنی اللہ برتر ہے) ان کے شریک ٹھہرانے سے۔"

تحریف قرآن کریم نمبر ۱۳

علم شعر کی نفی

جناب طاہر القادری نے آیت کریمہ

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" (سورۂ یٰسین آیت ۶۹)

کا یہ ترجمہ کر کے کہ

" اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر نہیں سکھائے نہ وہ ان کے شایانِ شان تھے " (اجزائے ایمان حصہ دوم ص ۴۳)

چار غلطیاں فرمائی ہیں جو تحریف کے ضمن میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ " وما علمناہ الشعر" کا ترجمہ کیا " اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر نہیں سکھائے " اس سے علم شعر کی نفی لازم آتی ہے یعنی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کا علم نہیں دیا، چنانچہ دیو بندیوں، وہابیوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہیں دیا، فلاں کا نہیں دیا حتیٰ کہ کہتے ہیں شعر کا علم بھی نہیں دیا اور اس کی دلیل میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کا ترجمہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ جیسے جناب طاہر القادری نے کیا۔ لیکن اس کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی

" اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے "

(کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ شروع سے لے کر آخر تک بحمدہٖ تعالیٰ قرآن کریم کی باہمی تفسیر و سنت و اجماع و ائمہ تفاسیر اور مسلک حق اہلسنت و جماعت کے تقاضوں پر مکمل پورا اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا

ما ئے ۔ آمین ثم آمین۔

غور فرمائیے "شعر کہنا نہ سکھلایا" کہنے کی تعلیم کی نفی کی جا رہی ہے۔ نفس شعر کے علم کی نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ کونسا کلام شعر ہے اور کونسا شعر نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شعر پڑھنا چاہتے تو اس انداز میں نہیں پڑھ سکتے تھے جس انداز میں شاعر لوگ اس کے اوزان کے لحاظ سے پڑھتے یا کہتے ہیں۔ تفاسیر میں بھی یہی ہے۔ چنانچہ مدارک التنزیل شریف میں ہے۔

"ای وما علمنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول الشعراء الخ (ج ۴ ص ۱۲)

یعنی "ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کا کہنا نہیں سکھلایا۔"

اسی طرح تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں "گفتن شعر" یعنی شعر کہنا یا شعر پڑھنا نہیں سکھلایا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفس علم کی نفی لازم نہیں آتی جب کہ طاہر صاحب کے ترجمہ سے "علم" کی نفی لازم آتی ہے۔

امام نسفی و علامہ حسین کاشفی اور اعلیٰ حضرت علیہم الرحمۃ نے "الشعر" کو مصدر قرار دے کر اس کا یوں معنی کیا اور بلاشبہ یہ ہے بھی مصدر ہے۔ چنانچہ منجد میں ہے شَعَرَ يَشْعُرُ شِعْراً وشَعْراً "لہٰذا آیت کریمہ میں لفظ "الشعر" مصدر واقع ہے جس کے معنی شعر کہنے کے ہیں۔ جس پر نفی واقع ہوتی یعنی ہم نے انہیں شعر کہنا نہیں سکھلایا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر نہیں سکھائے" ترجمہ کیا جو غلط ہے۔ "شعر" جمع نہیں کہ اس کے لئے "سکھائے" کہا جائے یہ تو مفرد ہے اس لئے اس کی بجائے "سکھایا" کہنا چاہیئے۔

اور طاہر صاحب نے تیسری غلطی یہ فرمائی کہ "وما ینبغی لہ" کا ترجمہ یوں کیا "وہ ان کے شایان شان تھے"۔ اس میں موصوف نے لفظ "واو" کا ترجمہ

"اور" چھوڑ دیا۔ کلام الٰہی کے ساتھ یہ لاپروائی جہالت ہی نہیں بدبختی بھی ہے اور چوتھی غلطی یہ فرمائی کہ لفظ "تھے" لگا کر اسے ماضی بعید بنا دیا۔ حالانکہ قرآنِ کریم کا یہ لفظ "یَنْبَ عَنِی" نہ ماضی ہے اور نہ ماضی بعید، بلکہ یہ فعل مضارع ہے اور اس کا معنی ہمیشہ اور زندہ ان کی شان کے لائق ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ترجمہ فرمایا۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ طاہر صاحب کا دعویٰ کس قدر بڑا ہے کہ "انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کی خدمت کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے اور ادارہ منہاج القرآن قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم ادارہ منہاج القرآن بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا" اور استعداد کا یہ عالم کہ ترجمۂ قرآن تک نہیں آتا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے شخص کو دین کی خدمت سونپنے لگے تھے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کاش کہ آج کوئی صاحب درد ہوتا کوئی قرآنی تراجم اور قرآنی علوم سے اس طرح کھیلنے والے کو قوتِ بازو سے گرفت کرنے والا ہوتا۔ کوئی صدر الافاضل مراد آبادی کوئی محدث پاکستان حضرت سردار احمد ہوتا اور کوئی عبدالغفور ہزاروی جیسا غیور عقیدہ و مسلک ہوتا کوئی حضرت ابوالبرکات مفتی اعظم پاکستان اور علامہ احمد سعید کاظمی ہوتا۔ جن کے حضور جنابِ طاہر کی اغلاط و تحریفات اور ضلالات پر مبنی کتابیں، رسائل اور کیسٹیں پیش کی جاتیں اور ان کے قلم بے باک سے استفتاء ہوتا، پھر دیکھئے کہ جناب طاہر صاحب کیسے کھُل کھیلتے ہے

دورِ گُل ختم، قفس بند، نشیمن برباد
اب کہاں جاؤں ابہد دل کا جنازہ لے کر

تحریف قرآن کریم نمبر ۱۴

گمراہ کن ترجمہ

اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر درج ذیل آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (السجدۃ ۲۱)	اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں

یہ ترجمہ غلط بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ لفظ "وَلَنُذِيقَنَّهُمْ" میں لام اور نون مشدد تاکید کے لئے ہیں جن کے معنی ہیں "ضرور ہم انہیں چکھائیں گے"

مگر جناب حامد نے اپنے ترجمہ میں تاکید کے معنی ترک کر دیئے اور غیر تاکیدی معنی کر ڈالے اور اس میں گمراہ کن معنی یہ ہیں "شاید ہماری طرف لوٹ آئیں" پڑھے لکھے حضرات جانتے ہیں کہ لفظ "شاید" شک کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم شک سے پاک اور یقینی ہے۔ اس لئے آئمہ اہلسنت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں جب لفظ "لَعَلَّ" آجائے تو اس کے "شاید" کے ساتھ شک والے معنی نہیں کئے جائیں گے بلکہ یقین کے معنی کئے جائیں گے چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے

"ولعل للترجی والاطماع وھی من اللہ واجب"	یعنی لفظ "لعل" امید و توقع دلانے کے لئے ہے اور یہ کلام الٰہی میں واجب ہے یعنی یقینی معنی کے لئے ہے

و امام رازی فرماتے ہیں کہ

"یا کوئی ایسا معنی کیا جائے گا جس میں شک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو" (تفسیر امام رازی ج ۱۶ ص ۱۰۱-۱۰۲)

چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ ایک ایسا ترجمہ ہے کہ ان تمام تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اور ضرور ہم انہیں چکھائیں گے کچھ نزدیک کا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے جسے دیکھنے والا امید کرے کہ ابھی باز آئیں گے"

(کنز الایمان ص ۶۶۵)

تحریفِ قرآن نمبر ۱۵

وہابیوں والا معنیٰ

جنابِ موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۵ پر درج ذیل آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کیا

(البقرہ ۱۷۳)

اس میں ایک غلطی یہ کی گئی ہے کہ لفظ "اِنَّمَا" جو حصر کے لئے ہے کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے مضمون کلام الٰہی کا وہ تقاضا پورا نہیں ہوا جو لفظ "اِنَّمَا" سے متعلق تھا۔ نیز اس کے علاوہ جو موصوف نے "جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے" ترجمہ کیا ہے یہ اہلسنت کا ترجمہ نہیں بلکہ وہابیوں کا ترجمہ ہے جو کہتے ہیں کہ اولیاء کرام کے نام پر پالے ہوئے جانور اور ان کے نام کی نذر و نیاز حرام ہے اگرچہ انہیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اور حرام اس لئے ہے کہ اس سے پہلے اس پر غیر اللہ کا نام پکارا لیا یعنی غیر اللہ کی طرف اسے منسوب کیا گیا کہ یہ غوث پاک یا خواجہ اجمیر یا فلاں بزرگ (جس کا دنیا سے انتقال ہو گیا) کا بکرا ہے یا یہ غوث پاک کی گیارھویں کا کھانا ہے اس لئے وہ اپنے مسلک کو فروغ دینے کے لئے اس کا ترجمہ بھی یہی کرتے ہیں جو طاہر صاحب نے کیا۔

چنانچہ جناب مودودی صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں "اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو" (تفہیم القرآن ج ۱ صفحہ ۱۳۵) دیکھئے جناب طاہر اور مودودی کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اور

جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی ترجمہ کرتے ہیں" اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا" (ترجمہ محمود الحسن ص۳۲) یہ ترجمہ اور طاہری ترجمہ بالکل ایک سا ہے۔ اور جناب ابوالکلام آزاد اس کا ترجمہ کرتے ہیں" اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارا جائے" (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۲۲۵) یہ ترجمہ اور طاہری ترجمہ ایک سا ہے۔ اور تعجب کی بات ہے کہ طاہر صاحب کے ترجمہ سے یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ اس سے جانور مراد ہے، بلکہ ان کے الفاظ "جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔ ہر چیز کو شامل ہے۔ خواہ جانور ہو یا کھانا ہو کوئی اور چیز۔ جس پر بھی اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے گا۔ طاہر صاحب کے ترجمہ کے مطابق وہ چیز حرام ہو جائے گی۔ یہ ترجمہ وہابی حضرات کی اس غرض کو جس سے وہ بزرگوں کی نذر و نیاز کو حرام سمجھتے ہیں مکمل طور پر پورا کرتا ہے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ کلام الٰہی کا معنی و مقصود ہرگز یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا معنی و مقصود صرف یہ ہے کہ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے۔ کیونکہ لفظ" اُهِلَّ" اِهْلَالٌ" سے ہے اور اِهْلَالٌ کے معنی لغت کی رو سے آواز بلند کرنے کے ہیں۔ لیکن قرآن میں واقع" مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" یا "مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ" کے معنی ہرگز ہرگز کسی چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کے نام کو پکارنے کے نہیں ہیں جیسا کہ طاہر صاحب اور وہابیوں کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس کے معنی "جانور کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا" ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے" وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ هُوَ مَا ذُبِحَ لِلْآلِهَةِ" یعنی" ما اهل لغير الله به" کے معنی اس جانور کے ہیں جسے بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو (لسان العرب ج ۱۱ ص ۷۰۱) اور تفسیر خازن التنزیل میں ہے" ای ذبح للاصنام" (ج ۱ ص ۹۹) یعنی جسے بتوں کے لئے ذبح کیا گیا وہ حرام ہو گیا۔ دیکھئے طاہری ترجمہ اور وہابیوں کے ترجمہ کے مقابلہ

ہیں آئمہ اہلسنت کا ترجمہ کس قدر واضح اور مسلک اہلسنت کا مؤید ہے۔ اس لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا ترجمہ وہی کیا جو آئمہ اہلسنت نے کیا۔ ملاحظہ ہو۔

"اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا؛ (کنزالایمان ص۲۰)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ آئمہ اہلسنت کی تفاسیر سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے اور طاہر صاحب کا ترجمہ وہابی ترجمہ سے موافقت کر رہا ہے پھر بھی جناب کا دعویٰ ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مسلک کے حامل ہیں اور ناواقف و بے خبر لوگ ان کے دام تزویر میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ کاش کہ موصوف قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ کرتے وقت آئمہ تفاسیر کی تفاسیر کو مدنظر رکھتے اور ان کے مطابق ترجمہ کرتے مگر موصوف تو دیت کے سلسلے میں منعقد ہونے والے مذاکرہ میں فرما چکے ہیں کہ "آئمہ و فقہا اور مفسرین و محدثین ان کے فریق ہیں اور ان کا کوئی حوالہ بطور سند تسلیم نہیں کرتے"؛ ایسی صورت میں انہیں آئمہ کی تفاسیر کے دیکھنے کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی اس لئے موصوف خوف خدا سے عاری ہو کر قرآن و سنت کے من گھڑت تراجم و تشریحات کرنے میں مصروف ہیں اور اپنی شہرت کے مزید اضافہ کے لئے "کلام الٰہی کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور دولت کی ریل پیل کی بدولت عیش کے ساتھ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

یاروں کو فکرِ روزِ جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انہیں رہِ عیش و نشاط سے

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۶

جناب طاہر قادری صاحب اپنی کتاب "اسلامی فلسفۂ زندگی" کے صفحہ ۱۸۹ پر قرآن کریم کی سورۃ "اعلیٰ" کی آیت ۱۴، ۱۵ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ — بے شک وہ فلاح پا گیا جس نے

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ — نفس کو پاک صاف کر لیا پھر اپنے رب کے نام کو یاد کیا اور نماز پڑھی۔

حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے یہاں ترجمہ میں تین قسم کی تحریفیں فرمائیں ہیں۔

ایک یہ کہ "تَزَكّٰى" فعل لازم ہے جس کے معنی ہیں "ستھرا ہو گیا" لیکن جناب نے اس کا معنی فعل متعدی کا "زَكّٰى" کا کیا ہے یعنی "نفس کو پاک صاف کر لیا" اور یہ معنی جو پروفیسر صاحب نے کئے ہیں اس آیت کے نہیں ہیں یہ معنی دراصل سورہ شمس کی آیت نمبر ۹ کے ہیں اور وہ یہ آیت ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا — بے شک کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔

یہ جناب کے مفسرِ قرآن اور علامۂ زمان اور نابغہ عصر ہونے کی نشان ہے کہ لکھتے کوئی آیت ہیں اور ترجمہ کسی اور آیت کا لکھ ڈالتے ہیں ؎

بے گناہوں کو بھی پامال کئے جاتے ہیں
پاؤں رکھتے ہو کہاں اور کدھر پڑتا ہے

دوسری غلطی یہ کہ دوسری آیت کے شروع میں حرف واو کا معنی "پھر" کر ڈالا۔ حالانکہ اس کا معنی "اور" ہے۔

تیسری یہ کہ "فَصَلّٰى" میں حرف فا کا معنی "اور" کیا حالانکہ اس کا معنی "پھر" ہے

سبب کہ" اور" اور "پھر" میں بڑا فرق ہے" **فَصَلّٰی** "کے معنیٰ" پھر نماز پڑھی" سے جو فقہی مسئلہ نکلتا ہے وہ" اور نماز پڑھی" سے نہیں نکلتا۔ ہمارے فقہا" اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی" میں" رب کے نام لینے پھر نماز پڑھنے" سے یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ نماز کا جزو نہیں ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ

ان التکبیرۃ شرط لا	تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے۔
رکن للعطف بالفاء	نماز کا رکن نہیں کیونکہ حرف" فا" کے ساتھ
(روح المعانی ج ۳۰ ص۱۱۰ مطبوعہ مصر)	(نماز کا نام خدا پر) عطف ہے۔

تو جب یہاں وہی ترجمہ کیا جائے جو طاہر صاحب نے کیا ہے یعنی لفظ "پھر" کی بجائے لفظ" اور" کے ساتھ تو اس سے وہ فقہی مسئلہ اخذ نہیں ہوگا جو ہمارے آئمہ مجتہدین نے اخذ فرمایا۔ لیکن دور جدید کے خود ساختہ اور جاہل مجتہد ان فقہی باریکیوں سے کہاں واقف ہیں جو اسلاف کے علم و تحقیق کا ہی حصہ ہیں یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ آج حکومت کی بے جواز پشت پناہی اور دولت مند ناسمجھ عوام کے بے پناہ مالی تعاون سے ایک ایسا شخص جو" نیم ملا۔ خطرۂ ایمان" کا مصداق ہے۔ قرآن و سنت اور فقہی علوم کو بڑی بے باکی اور جسارت سے اپنے جاہلانہ اجتہاد اور احمقانہ تحقیق کا تختہ مشق بنائے ہوئے ہے۔

علم دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضرِ راہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں ان دنوں

تحریفِ قرآن حکیم نمبر ۱۷

جناب طاہر القادری صاحب اپنی کتاب اجزائے ایمان حصّہ دوم اشاعت دوم اکتوبر ۱۹۸۴ء کے صفحہ ۱۰ پر قرآنِ کریم کی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۳ پھر اس کا درج ذیل ترجمہ فرماتے ہیں۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ؕ — تاکہ جن امور میں لوگ باہم اختلاف کرتے تھے، ان میں ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔

اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ لفظ "لِيَحْكُمَ" فعل مضارع معروف (ACTIVE VOICE) ہے لیکن جناب طاہر صاحب نے اس کا ترجمہ اس کے برعکس فعل مجہول (PASSIVE VOICE) کا کر ڈالا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے"۔ (کنزالایمان اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فعل معروف کا فعل معروف سے ہی ترجمہ فرمایا ہے اور اسی ترجمہ میں فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی۔ کیونکہ جب اس کا ترجمہ فعل معروف کا کریں گے "وہ فیصلہ کردے" تو ترجمہ پڑھنے والے کے ذہن میں سوال آسکتا ہے کہ وہ ہستی کون سی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ تو ایک تجسس اور طلب کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی تجسس اور طلب ہی ہے جس کی بدولت انسان پر علوم کے دروازے کھلتے ہیں تو تجسس کے بعد وہ یہ جواب پائے گا کہ یہ فیصلہ کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ کی ہستی بھی ہو سکتی ہے۔ نبی بھی ہو سکتے ہیں اور کتابِ الٰہی بھی مراد لی جاسکتی ہے تو اس انکشاف سے قاری کے ذہن میں قرآنِ کریم کی معنوی وسعتوں کا جو نقش ثبت ہوگا۔ اس سے قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے بارے میں اس کی قوتِ یقین و ایمان میں وہ اضافہ ہوگا کہ اس کا احساس کسی دینی علم والے کو ہی ہو سکتا ہے اور یہ صورتِ حال اس وقت پیدا نہ ہوگی

جب اس کا ترجمہ مضارع مجہول سے کیا جائے جیسا کہ طاہر صاحب نے کیا۔ لیکن اس کے بعد موصوف نے بطور تشریح لکھا ہے ۔

"مطلب یہ ہے کہ ان اصولوں اور قوانین کی روشنی میں انبیاء
ان نزاعات کو نپٹا سکیں۔ جنہوں نے نسلِ انسانی کا سکون اور اطمینان
برباد کر دیا تھا"

موصوف نے نزاعات کے نپٹانے کی نسبت انبیاء کی طرف کر کے قرآن کی معنوی وسعتوں کو محدود کر دیا جب کہ توضیح و تشریح کے مقام پر اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کسی ایک خاص فاعل کے ذکر کرنے کی بجائے اسے عموم فاعل کی صورت میں ہی رکھا جاتا یا تینوں احتمالات کا ذکر کر دیا جاتا اور معنی بھی فعل مجہول کا کرنے کی بجائے فعل معروف کا کرتے۔ لیکن موصوف کو اس قدر محنت سے کیا فائدہ؟ ان کو اس بات میں فائدہ ہے کہ جو منہ میں آئے بے تکی ہانکے جائیں اور کیسٹیں تیار ہوں پھر کیسٹوں سے کتابیں بنیں۔ اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر آیت کریمہ

"وَسَخَّرَ لَكُمْ تا آخر۔ میں لفظ "سَخَّرَ" فعل ماضی معروف ہے۔ لیکن طاہر صاحب نے اس کے معنی بھی ماضی مجہول کے کر ڈالے۔ اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جو ترجمہ آیات کلام الٰہی میں ان کی لاپروائی اور بے احتیاطی اور ترجمۂ قرآن میں ان کے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور اس غیر ذمہ دارانہ روش کے ساتھ موصوف دھڑا دھڑ لکھے جا رہے ہیں۔ تاکہ جناب اس صدی کے سب سے بڑے مصنف کہلائیں لیکن جو اہلِ علم حضرات موصوف کی کتابیں پڑھتے ہیں ان کی زبان پر بے ساختہ یہ شعر آجاتا ہے

کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۸

قرآن کریم کی معنوی تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں ۔ طاہر صاحب اپنی کتاب اجزائے ایمان کے صفحہ ۲۸ پر آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں ۔

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ (تا آخر)

اور ہم نے ان (حضرت عیسیٰ) کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے وہ تورات کی تصدیق کرتی ہے اور پرہیزگاروں کو چاہیئے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں۔ اس کے مطابق حکم دیا کریں (تا آخر)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ جس کا تعلق خط کشیدہ عبارت کے ساتھ ہے یوں ہے

اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ۔ اور انجیل والوں کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے جو اللہ نے انجیل میں اتارا ؟

جناب طاہر القادری نے " انجیل والوں کو چاہیئے " کی بجائے ترجمہ " پرہیزگاروں کو چاہیئے " کر ڈالا اور یہ بھی بلا شبہ قرآنِ کریم کی معنوی تحریف ہے ۔

سو، کلامِ حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو

تحریف قرآن کریم نمبر ۱۹

جناب طاہر صاحب اپنی کتاب " اجزائے ایمان کے حصہ دوم صفحہ ۴۳ پر درج ذیل آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ط

(ترجمہ) (وہی) غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے۔

اس ترجمہ میں موصوف نے تین غلطیاں کی ہیں۔

ایک یہ کہ ترجمہ میں لفظ " بات " کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے غیب کے وسیع مفہوم کو محدود کر دیا اور بات کے معنی گفتگو کے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا غیب دان ہونا صرف بات اور گفتگو کی حد تک نہیں ہے اور یہ ترجمہ بلاشبہ تحریف قرآن کے زمرے میں آتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے خواہ وہ غیب " بات " کی نوعیت کا ہو یا " ذات " کے قسم سے ہو یا افعال و اعمال ہوں بلکہ وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے جو ابھی تک زبان پر آکر بات قرار ہی نہیں پاتے۔

دوسری غلطی یہ فرمائی کہ " فَلَا يُظْهِرُ " کا ترجمہ فرمایا ۔ اور ظاہر نہیں کرتا۔ " فا " کلمہ کا معنی " اور " سے نہیں " پس " سے کرنا چاہیئے تھا اور " يُظْهِرُ " کے معنی " ظاہر کرنے " کے نہیں " مسلط کرنے " سے کرنا چاہیئے تھا اور مسلط کرنے کے معنی کسی کو کسی چیز پر قابو اور اختیار دے دینے اور غالب کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دین اسلام کے بارے میں فرمایا۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ " تاکہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام دینوں پر مسلط اور غالب کر دے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یہی ترجمہ فرماتے ہیں " تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔

تیسری غلطی یہ فرمائی "مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" کے معنی کئے۔ جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے" اس ترجمہ سے خالی الذہن شخص کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ "جس پیغمبر کو پسند فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جس پیغمبر کو پسند نہ فرمائے تو اس پر اپنے غیب کو آشکار نہیں کرتا" گویا اس کے پیغمبروں کی دو قسمیں ہو گئیں ایک وہ کہ جنہیں وہ پسند فرماتا ہے اور دوسرے وہ کہ جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایسا جاہلانہ ترجمہ کہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے یہ جعلی علامہ و رفیع طاہر القادری ہی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ عربی گرامر کی ابتدائی کتاب نحو پڑھنے والے طلباء بھی یہ جانتے ہیں کہ لفظ "مَنْ" موصول ہے اور موصولات، مبہمات ہوتے ہیں اور مبہم کے ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کے بعد حرف "مِنْ" بیانیہ بھی آیا کرتا ہے اور یہاں "مِنْ رَّسُوْلٍ" کا مِنْ "مَنِ ارْتَضٰی" کے مَن کا بیان ہے جس کے معنی یوں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب پر مسلط فرماتا ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی دیکھئے "سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے سارے رسول پسندیدہ ہیں اور یہ ترجمہ ایمان افروز ترجمہ ہے مگر طاہر صاحب کا ترجمہ "جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے" صرف غلط ہی نہیں نہایت گمراہ کن بھی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کا تو ہر پیغمبر ہی پسندیدہ ہے اگر قوم کو ایسے تراجم پڑھنے کو دیئے گئے تو اس کے ایمان کا خدا ہی حافظ

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

تحریف قرآن نمبر ۲۲

پروفیسر صاحب کی تحریف قرآن کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۱۲۸ پر سورہ نساء کی آیت ۱۱۵ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

مَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى ۔ (تا آخر)

(ترجمہ) جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے (تا آخر)

پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں آیت کریمہ کے ایک لفظ "لَہٗ" کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ جس کے معنی ہیں "اس کے لئے" یا "اس پر" اس طرح پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں ہدایت کے واضح ہونے کو مطلق کر دیا۔ جب کہ قرآن نے اسے مطلق نہیں رکھا۔ بلکہ لفظ "لَہٗ" کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا ہے۔ جب کہ قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے کسی حکم مطلق کو بلا دلیل شرعی مقید کر دینا یا کسی حکم مقید کو شرعی حجت کے بغیر مطلق کر دینا بھی تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ شاید پروفیسر صاحب کی یہ تحریفات قرآن وسنت ان کے اسی پروگرام کا ہی حصہ ہیں، جس کا وہ اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

> "آپ (پروفیسر صاحب) قرآنی تعلیمات کی ایسی ترویج واشاعت چاہتے ہیں جو عالم اسلام میں عظیم فکری اور عملی انقلاب کی بنیاد ثابت ہو۔
>
> (نابغۂ عصر صہ ۳)

ظاہر ہے کہ اس قدر بڑے مقصد کے لئے (بزعم خویش) انہیں قرآن وسنت اور اسلامی فقہ میں کچھ نہ کچھ تغیر وتبدل تو کرنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا یہ کام وہ بڑی دیدہ دلیری سے انجام دے رہے ہیں۔

اس لئے وہ جیسا چاہتے ہیں قرآن وحدیث کا ویسا ترجمہ کر ڈالتے ہیں اور جیسے

ان کے مزاج شریف میں آئے دیسے فتوے بھی صادر فرماتے ہیں جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا (تا آخر)

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے ترجمہ میں لفظ "اس پر" ... لفظ "لہ" کا ترجمہ ہے جسے پروفیسر صاحب کے مجتہدانہ نظام نے قبول نہیں کیا اس لئے موصوف نے ترجمہ میں سے اسے اُڑا دیا۔ علامہ قادری صاحب کو قرآن وسنت کی معنوی تحریفیں کرتے اور دین کے اجماعی و مسلمہ مسائل میں تبدیلی لاتے ہوئے خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آتش غضب نازل ہو کر انہیں پھونک کر رکھ دے۔ سے

یہ کہہ کر برق نے اس کے قفس کو پھونک دیا
کہ تو نے شکل بدل دی ہے آشیانے کی

تحریفِ قرآن نمبر ۲۳

پروفیسر صاحب کی تحریفاتِ قرآنِ کریم کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ فرمائیے موصوف قرآنی کتابچہ "تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۱۸ پر سورۂ سجدہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (السجدہ ۹)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا۔ چنانچہ اے بنی آدم! تمہارے اندر عقل اور سمع و بصر کا چراغ روشن ہو گیا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں چار تحریفیں کی ہیں۔

۱۔ موصوف کے ترجمہ "اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا" میں یہ جو "روح میں سے کچھ" کے الفاظ ہیں یہ خطرناک الفاظ ہیں۔ کیونکہ "کسی چیز میں سے کچھ" کا مطلب ہوتا ہے اس چیز کا کچھ حصّہ۔ اور یہ تب ہوتا ہے جب وہ چیز قابلِ تقسیم ہو۔ لیکن روح تو قابلِ تقسیم چیز ہی نہیں۔ چنانچہ امام اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ اسی آیت کے تحت روح کے بارے میں لکھتے ہیں۔

هو جوهر لا يتجزء باتفاق اهل البصائر (روح البیان ج ۷ ص ۱۱۱)

یعنی اہلِ بصیرت (اہلِ علم) کا اس پر اتفاق ہے کہ روح ناقابلِ تقسیم جوہر ہے۔

جب روح ایک ناقابلِ تقسیم جوہر ٹھہرا تو اس کے لئے لفظ "کچھ" کا استعمال بے بصیرتی اور کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔ پروفیسر صاحب کی کم فہمی اور بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے "مِن رُّوحِهِ" میں لفظ "مِن" کو تبعیضیہ سمجھ لیا۔ مِن تبعیضیہ اس "مِن" کو کہتے ہیں جو اپنے مدخول (بعد والے اسم) کے ایک حصّہ یا کسی حصّہ کے مراد ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں "اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ" یعنی

ہیں نے دراہم میں سے کچھ حصہ لے لیا جب کہ یہاں "مِنْ" تبعیضیہ نہیں بلکہ "مِنْ" ابتدائیہ ہے اور "من روحہ" بمعنی "روحا منہ" ہے کیونکہ قرآن کریم کے بعض الفاظ کی وضاحت، خود قرآن میں ہی دوسری جگہ موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت بھی قرآن کریم میں دوسری جگہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ	عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک رُوح۔
(النسآء ۱۷۱)	(اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

غرضیکہ یہ لفظ "من" ابتدائیہ ہے چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۵ "قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا (اور ایک کتاب مبین) میں لفظ "مِنْ" ابتدائیہ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "پھر اسے (آدم کو) ٹھیک کیا اور اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکی۔" (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

۲۔ اسی آیت کریمہ میں دوسری تحریف یہ فرمائی کہ اس میں "لکم" کے "ل" کے معنی "کے لئے یا لئے" کرنے کی بجائے "اندر" سے کیا اور یہ بالکل غلط بلکہ الفاظ قرآن کریم کے معنوں میں تحریف ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں "ل" کے معنی کہیں بھی "اندر" کے نہیں آتے یعنی "ل" بمعنی "فی" نہیں آتا اور برتقدیر فرض، یہاں ایسا معنی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ تحریف قرار پاتی ہے۔

۳۔ پھر موصوف نے "اَلْاَفْـِٕدَةَ" کا معنی "عقل" سے کرکے بھی قرآن کی معنوی تحریف فرمائی۔ کیونکہ اَلْاَفْـِٕدَةَ، فواد کی جمع ہے اور فواد کے معنی دل کے ہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے۔ "اَلْاَفْـِٕدَةُ، اَلْقُلُوْب" کہ اَلْاَفْـِٕدَةُ کے معنی "اَلْقُلُوْب" (دلوں) کے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے "اَلْاَفْئِدَۃُ - جمع فُؤَادٍ بمعنی القلب. پ ۱۴، ص ۱۱۳"
یعنی اَفْئِدَۃ فؤاد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں۔

۴. پروفیسر صاحب نے اس آیت میں چوتھی تحریف یہ فرمائی کہ "جَعَلَ" کا معنی "ہو گیا" کیا۔ حالانکہ جعل فعل لازم نہیں، متعدی ہے۔ جس کے معنی "کر دینا" ہیں نہ کہ "ہو جانا"۔

ہمیں افسوس ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی ناسمجھی اور نادانی سے قرآنِ حکیم کے ایسے ترجمے اور ایسی تفسیریں کر کے قرآن حکیم کو اپنی کج فہمی کا تختۂ مشق بنا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے ایسے تراجم و تفاسیر اور غلط معلومات آنے والی نسلوں کے لئے علمی مغالطوں کا باعث ہوں گی۔

مگر حکومت پنجاب کی بلاواسطہ اور بالواسطہ، سرکاری اور غیر سرکاری ہو۔ پر نوازشات و عنایات نے موصوف کو اس قدر اونچا کر دیا کہ موصوف قرآن و حدیث اور فقہی علوم کے بارے میں علمی و تحقیقی انداز سے کچھ کہنے کی بجائے ہوائی باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جناب والا کو وزارت تک کی پیشکش بھی کی گئی (رسالہ دید شنید ۲۲، ۹ اپریل ۱۹۹۶ء بحوالہ انٹرویو) یہ ترقی و عروج جو حسنِ اتفاق سے اتفاق کی بدولت نصیب ہوا اس کے سامنے حنفیت اور مسلک اہل سنت بھی موصوف کی پرواز سے پیچھے رہ گئے اور دولت کی ریل پیل اور امارت کی دل کشی موصوف کو زمانہ جھنگ اور لاء کالج کی لیکچرر شپ کے اوقات تک بھول گئے یہ سب کچھ حسنِ اتفاق کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ۵

یہ دلکشی کہاں میری شام و سحر میں تھی
دنیا تیری نظر کی بدولت نظر میں ہے

تحریف قرآن نمبر ۲۴

پروفیسر صاحب کی تحریفات قرآن کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف قرقہ یتی کا شاتمر کے صفحہ نمبر ۴۵ پر سورۃ بقرہ کی آیت ۱۱۱ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (البقرہ ۱۱۱)

(ترجمہ) اور انہوں نے کہا کہ جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو گیا یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ انہیں فرمائیے کہ کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کیں جو قرآن حکیم کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتی ہیں۔

۱۔ ایک کہ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ کا ترجمہ کیا "جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا" اور یہ ترجمہ درست نہیں۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا" عربی کی تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے طالب علم سے بھی ایسی غلطی متوقع نہیں جو ایک علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے صاحب سے سرزد ہو رہی ہیں۔ عربی کی تھوڑی سی واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ حرف "لَن" نفی تاکید کے لئے آتا ہے یعنی اس میں نفی بھی ہوتی ہے اور تاکید بھی۔ چنانچہ میر سید شریف جرجانی م ۸۱۶ھ نحو میر میں لکھتے ہیں "وَلَن برائے تاکید نفی ست" (نحو میر صفحہ ۱۱ اور بحث حروف عاملہ) یعنی لَن نفی کی تاکید کے لئے۔ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں

"إن في لَن توكيدا وتشديدا" "بے شک "لَن" میں تاکید و تشدید یعنی شدید نفی پائی جاتی ہے"

(تفسیر کشاف ج ۱ صفحہ ۲۲۹)

لیکن جناب پروفیسر صاحب! اس کے نفی والے معنی تو کر گئے مگر "تاکید" جو اس کی روح تھی اسے چھوڑ گئے۔ ترجمۂ قرآن میں اس قدر سہل انگاری اور بے اعتنائی ایک مسلمان کی شان کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ خدائے قدوس کے کلام کا ایک ایک حرف اپنے اپنے محل وموقع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ترجمہ کرتے وقت ہلکی سی لغزش بھی اس کی حکمتِ کلامیہ کو نہ صرف نقصان دہ بلکہ اس کے کلامِ مقدس میں تحریف کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس سے منشائے الٰہی پورا نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک شخص اپنے قاصد کے ذریعے کسی کو پیغام بھیجتا ہے کہ "فلاں کام ہرگز نہ کرنا" مگر قاصد جا کر یوں کہتا ہے کہ "فلاں کام نہ کرنا" خود ہی سوچ لیجئے کیا اس سے پیغام بھیجنے والے کی وہ مراد پوری ہوئی جو اس نے "ہرگز" کے لفظ سے وابستہ کی تھی؟ کیا قاصد کا پیغام بھیجنے والے کے پیغام میں سے لفظ "ہرگز" کو نکال دینا، پیغام رسانی میں خیانت اور تحریف وتبدیل قرار نہیں پائے گی؟ ضرور قرار پائے گی۔

۲۔ پروفیسر صاحب نے دوسری تحریف یہ فرمائی کہ "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ" کا ترجمہ فرمایا۔ "کوئی دلیل لاؤ" یہ ترجمہ بھی غلط، قرآنِ کریم کی معنوی تحریف اور منشائے الٰہی کو بدل دینا ہے۔ موصوف نے قرآن کریم کی عبارت میں واقع لفظ "كُمْ" کا معنی اڑا دیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ "تو تم اپنی دلیل لاؤ"۔

قارئین! آپ جانتے ہیں کہ لفظ "کوئی دلیل" میں اور "اپنی دلیل" میں کس قدر فرق ہے لفظ "کوئی" نکرہ (غیر معین، چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "اپنی" یا "تمہاری" کا لفظ معرفہ (معین اور خاص) چیز کے لئے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے لفظ "برہان" کی "كُمْ" کی طرف اضافت کر کے ان سے خاص دلیل طلب فرمائی ہے۔ مگر پروفیسر صاحب نے "اپنی" کی بجائے "کوئی" کا لفظ استعمال کر کے اس خاص دلیل کو عام بنا دیا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کسی سے کہتے ہیں، کوئی قلم لاؤ، اس کا

مطلب اور ہے اور اگر آپ یوں کہتے ہیں "اپنا قلم لاؤ" تو اس کا مطلب اس سے مختلف ہے۔

پہلی صورت میں "قلم" نکرہ (عام) ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں "معرفہ" (خاص) بن جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے معرفہ کا ترجمہ نکرہ سے کر کے خدا تعالیٰ کی مراد کو بدل ڈالا۔ یہی قرآنِ حکیم کی معنوی تحریف ہے۔

تحریف قرآن حکیم نمبر ۲۶

اسی سلسلۂ تحریف کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف فرقہ پرستی کا خاتمہ کے صفحہ ۱۱ پر سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع کی ایک آیت کا درج ذیل حصہ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ (بقرہ) ترجمہ: وہ خود راہِ حق سے بھٹکے ہوئے اور بے عقل ہیں۔

اس میں موصوف نے "اَلَآ" اور "اِنَّ" کا معنی چھوڑ کر اس کا ترجمہ منشاءِ الٰہی کے خلاف کر ڈالا۔ "اَلَآ" حرفِ تنبیہ ہے۔ جس کے معنی خبردار اور ہوشیار کرنے کے ہیں اور "اِنَّ" حرفِ تحقیق ہے اس لئے اس کے صحیح معنی یہ ہوں گے "خبردار بے شک وہ خود بے وقوف ہیں" پھر موصوف نے ترجمہ میں "راہ حق سے بھٹکے ہوئے اور" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے کلامِ الٰہی کے ساتھ زیادتی فرمائی ہے۔

تحریف قرآن نمبر ۵۴
موصوف کے سلسلہ تحریفات کی درج ذیل کڑی بھی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے
اپنے رسالہ "پیغمبر انقلاب اور صحیفۂ انقلاب" کے صفحہ ۶/۵ پر لکھا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
(آل عمران ۱۴)

(ترجمہ) بھلی معلوم ہوتی ہے لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشاندار اور مویشی اور کھیتی۔ یہ تو سامان ہے زندگانی کا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں دو غلطیاں کی ہیں۔
۱۔ "زُيِّنَ" کا معنی "بھلی معلوم ہوتی ہے" غلط کیا۔ کیونکہ "زُيِّنَ" عربی گرامر کی رو سے "ماضی مجہول" کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی "بھلی معلوم ہونے" کے نہیں "بھلی کردی گئی" کے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے "بھلی معلوم ہوتی ہے" ترجمہ کرکے اس معنی کی خوبی کو ختم کردیا جو "بھلی کردی گئی" والے معنی کی صورت میں تھی۔ مثلاً جب یوں معنی کریں گے کہ "لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی یا لوگوں کے لئے بھلی کردی گئی، ان خواہشوں کی محبت: عورتیں، بیٹے اور تلے اوپر سونے اور چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے۔ تا آخر۔
تو پڑھنے والے کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ لوگوں کے لئے آراستہ یا بھلی کردی گئی ان خواہشوں کی محبت۔ تو وہ کون ہوگا جس نے ان خواہشوں کی محبت کو لوگوں کے لئے آراستہ یا بھلا کردیا؟ وہ اسکی جستجو کرے گا اور اسکو معلوم کرنے کی کوشش کریگا۔

تو اس پر منکشف ہو جائے گا کہ احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ ایسی صورت میں یہ اس کی طرف سے لوگوں کی آزمائش ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہو ایسی صورت میں یہ اس کی طرف سے لوگوں کے لئے دھوکا اور شر ہو گا لیکن پروفیسر صاحب کے لئے ہوئے معنی میں اس قسم کا شعور قاری کے وہم و گمان سے بھی نہیں گزرتا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں: "لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے"

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ "آراستہ کی گئی" عربی گرامر کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ "زُيِّنَ" فعل ماضی مجہول ہے اور "آراستہ کی گئی" بھی ماضی مجہول ہے اور طاہر صاحب کا ترجمہ "بھلی معلوم ہوتی ہے" قرآن کریم کے لفظ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ بلکہ عجیب و غریب ترجمہ ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں تحریف ہی کہنا چاہیئے۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ آخر میں لفظ "دنیا" کا ترجمہ اڑا دیا اور یوں ترجمہ فرمایا "یہ تو سامان ہے زندگانی کا" جبکہ صحیح ترجمہ یوں ہے کہ "یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے"۔ لفظ دنیا کو حذف کر کے محض "زندگانی" کا ترجمہ کرنا منشاء الٰہی اور مراد خداوندی کے برعکس اور قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ شاید موصوف کے نزدیک "پیغمبرانہ انقلاب" اسی کا نام ہے کہ اس کے کلام میں تحریف و تبدیلی کی جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ البتہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی پیغمبری کا ہی انقلاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے بھی ایسا ہی کام کیا کہ خدا تعالےٰ کے کلام اقدس میں تحریفیں اور تبدیلیاں کر کے کفر کا مرتکب ہوا جناب علامہ پروفیسر طاہر القادری صاحب جس پیغمبرانہ انقلاب کے داعی ہیں۔ وہ کسی سچے پیغمبر کے "پیغمبرانہ انقلاب" کے طرز و طریق پر معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ

کہ آپ پیغمبر اپنے پیغمبرانہ انقلاب کی بنیاد وحی الٰہی کے تحفظ اور عدم تغیر پر ہی رکھتے ہیں وہ وحی الٰہی کی عبارت و معنی کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ کفار کے ایک گروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو اس شرط پر مانیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس میں کچھ تبدیلی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے فرما دیجئے۔

"مَا يَكُونُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ" (یونس ۱۵)

ترجمہ: یعنی مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے قرآن حکیم میں کچھ تبدیلی کر دوں۔ میں تو اسی کا پیروکار ہوں جو مجھے وحی بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔"

پیغمبرانہ انقلاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ انقلاب وحی الٰہی کے تابع تھا اور اس میں کسی طرح کی تبدیلی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن نہ تھی۔ مگر آج کے پیغمبرانہ انقلاب کی دعوے دار شخصیت کی انقلاب کی بنیاد ہی وحی الٰہی کی تبدیلی پر ہے کیونکہ قرآن کریم لفظ و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں ہے۔

ان القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا (ص۱۱)

یعنی بلاشبہ قرآن الفاظ اور معنی، دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس لئے قرآن کے الفاظ میں تبدیلی اور کمی بیشی کرنا ممنوع اور تحریف ہے اسی طرح اس کے معنوں میں بھی کمی بیشی سخت ممنوع اور تحریف ہے۔ لیکن دور جدید کے پیغمبرانہ

انقلاب کے مدعی طاہر القادری صاحب کی نام نہاد انقلاب کی بنیاد ہی وحی الٰہی میں "تبدیلی اور تحریف پر ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ عورت کی دیت کے مسئلہ، عورت کی شہادت وغیرہ کے بارے میں فرما چکے ہیں اور اب قرآن کے معنوں میں بھی تبدیلی کر کے اپنے نام نہاد انقلاب کا سکہ بٹھا رہے ہیں اور طاہر صاحب کو یہ جذبۂ انقلاب لینن، کارل مارکس اور ماؤزے تنگ ایسے شیاطین کے افکار و نظریات کے مطالعہ سے نصیب ہوا ہے اس لئے "نابغۂ عصر" کے صفحہ ۱۲ میں ان کی تعریف اور ان کے مقابلہ میں علمائے دین کی توہین کر کے موصوف نے ان کی نیازمندی کا حق ادا کیا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کے معنوں کا وہی حشر کرنے لگے ہیں جو ان شیاطین نے قرآن کے اوراق و عبارات کا کیا تھا۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں بلکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آج تک جو انسانی شیاطین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت گزرے ہیں طاہر القادری صاحب کے انقلاب کی کڑی ان کے ہی انقلاب سے ملتی ہے۔ کیونکہ جس انقلاب میں عورت کی دیت و شہادت جیسے اجماعی مسائل سے انحراف اور آئمہ و فقہاء اسلام کو اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہو اور قرآن و حدیث کے معنوں میں تحریف و تبدیلی کی گئی ہو، وہ خدا تعالیٰ کے کسی سچے پیغمبر (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا پیغمبرانہ انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا جب کہ یہ چاروں باتیں یعنی (۱) اسلام کے اجماعی مسائل سے انحراف (۲) آئمہ و فقہاء اسلام کو فریق (مد مقابل) قرار دینا (۳) ان کے حوالوں کو سند تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔ (۴) قرآن و سنت کے معنوں میں تحریف و تبدیل کرنا۔ پروفیسر صاحب کے انقلاب کا طرۂ امتیاز ہیں۔ لہٰذا اس کو کسی سچے پیغمبر کے انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ جواب ہے

ابلیس انقلاب ہے۔ فرشتے اطاعتِ خداوندی اور اس کے حکم پر جھکنے کی روایت پہ چلے آ رہے تھے۔ سب سے پہلے ابلیس بزعمِ باطل فرشتوں میں انقلابی پیدا ہوا کہ آدم جیسے مقبولِ خدا کے حضور جھکنے سے انکار کر دیا۔ جناب پروفیسر صاحب نے بھی ائمہ کرام اہلبیت جو مظہرِ انوارِ محمدیت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کے حضور جھکنے، ان کے اجماع کو تسلیم کرنے والے سند ماننے سے کھلا انکار فرما دیا ؎

(ملاحظہ ہو کیسٹ طاہر صاحب ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء)

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

تحریف قرآن نمبر ۲۷

موصوف کی تحریفات کے سلسلے کی ایک کڑی ملاحظہ ہو وہ اپنے رسالہ "سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" کے صفحہ ۱۷ پر سورہ نور کی آیت ۵۵ کا ابتدائی حصہ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ. (النور۔ ۵۵)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا۔

پروفیسر صاحب نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں

۱۔ ایک یہ کہ موصوف نے "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ" کا معنی "انہیں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا" کر کے قرآن کی معنوی تحریف فرمائی کیونکہ مطلب انہیں اقتدار کا مستحق ہی ٹھہرانا نہیں بلکہ عملی طور پر اقتدار دینا ہے۔ اقتدار کا مستحق ٹھہرانا اور اقتدار پر فائز کرنا دو مختلف باتیں ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اقتدار کا مستحق ٹھہرتا ہے اس میں حکمران و خلیفہ ہونے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے لیکن وہ عملی اعتبار سے اقتدار پر فائز نہیں ہوتا بلکہ محروم ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں غیر مستحق اور نااہل شخص اقتدار پر فائز ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عملی طور پر خلافت دینے کے وعدہ کو محض مستحق اقتدار بنانے کے مفہوم میں کہنا، وعدہ الٰہیہ کا مذاق اڑانا اور اسے مہمل بنا دینا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ "وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا"۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ" کا یہ معنی کیا کہ "وہ انہیں زمین میں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا" اس میں "لام تاکید" اور "نون تاکید ثقیلہ" دو تاکیدیں موجود

ہیں۔ لیکن موصوف نے ترجمہ میں دونوں تاکیدوں کو چھوڑ دیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے " وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا "۔ موصوف نے خدا تعالیٰ کے تاکیدی فرمان کو غیر تاکیدی بنا ڈالا۔ یہ بھی قرآن کی تحریف معنوی ہے جس کا موصوف نے ارتکاب کیا۔

اب اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ گرامر کی روشنی میں کس خوبصورتی سے کلام الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا ہوتا ہے:

" اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔ " (النور ۵۵)

دیکھئے اور غور فرمائیے " مستحق خلافت ٹھہرائے گا " طاہر صاحب کا ترجمہ " خلافت دے گا "۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ۔ قرآن خلافت دینے کا وعدہ کر رہا ہے اور طاہر صاحب اسے صرف خلافت کا مستحق ٹھہرانے کا وعدہ قرار دے رہے ہیں یہ دور جدید میں اجتہادی اور ترقی پذیر ترجمہ قرآن ہے۔ خدا خیر کرے ؎

دورِ ترقی کیا ہے شکیل
دنیا کی عقلوں کا فتور

تحریفِ قرآن کریم نمبر ۲۸

جناب طاہر القادری کا کفریہ قول

جناب طاہر القادری اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۸۰ پر سورۂ السجدہ کی درج ذیل آیت لکھ کر اس کا جو ترجمہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۱۴ (السجدہ)

ترجمہ: اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں یعنی چھ ادوار میں پیدا کیا۔ پھر وہ کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فروز ہوا۔

قارئین! اس کا مطلب اور مفہوم سمجھیے کہ موصوف کیا فرما رہے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔ پھر (یعنی اس کے بعد) وہ کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فروز ہوا۔ گویا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس نے کائنات پر اقتدار پایا اور اقتدار کے معنی ہیں قدرت والا ہونا۔ لفظ "پھر" سے واضح ہو رہا ہے کہ اس نے کائنات پر اقتدار بعد میں پایا۔ اس کا اقتدار پہلے سے نہ تھا اور نہ ہی اس پر قدرت رکھتا تھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بلاشبہ یہ قول کفریہ ہے، اس کا اعتقاد ایک ایسی گمراہی ہے جو کفر تک جا پہنچتی ہے یہ نادان علامہ، اپنی کتاب اجزائے ایمان کے پہلے حصہ میں خدا تعالےٰ کے لئے "خیال اور احساس" کے الفاظ استعمال کر کے عقیدۂ تجسّم کا مظاہرہ بھی فرما چکا ہے۔ تو پھر اللہ تعالےٰ کے لیے تختِ اقتدار پر جلوہ گر ہونا اس کے عقیدہ کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے اور یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو پیدا کرنے کے بعد ہی

اقتدار کے تخت پر تشریف فرما یا جلوہ فروز ہوا۔ اس سے پہلے اس کا اقتدار نہ تھا یعنی قدرت نہ رکھتا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ازل سے اور ہمیشہ سے ہی مقتدر ہے۔ اقتدار والا ہے اور اقتدار رکھتا ہے۔ اس کی قدرت صفتِ ازلیہ ہے۔ چنانچہ شرح عقائد ہے (اگر نہاد علامہ نے پڑھا ہی نہیں ورنہ ایسی جاہلانہ اور گمراہ کن باتیں نہ فرماتے) میں ہے۔

"اَلْقُدْرَۃُ وَھِیَ صِفَۃٌ اَزَلِیَّۃٌ الخ (ص ۱۱۵ مطبوعہ مصر)

کہ قدرت خدا تعالیٰ کی صفت ازلی ہے۔ نیز موصوف نے "عرشِ الٰہی" کو اس کے حقیقی معنوں میں لینے کی بجائے اسے کائنات کا تختِ اقتدار قرار دے کر عرش کی حقیقت کا ہی انکار کر دیا۔ گویا ان کے نزدیک عرشِ الٰہی کائنات کا تختِ اقتدار، تختِ حکومت ہے۔ جیسے کرسی اقتدار یا کرسی حکومت سے مراد وہ کرسی حقیقی نہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے بلکہ اس سے محض حکومت کی ذمہ داری مراد ہوتی ہے۔ جو حکومت کی ذمہ داری پر فائز ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب اقتدار کی کرسی پر جلوہ فروز ہوئے۔ یعنی اس سے پہلے ان کے پاس اقتدار نہ تھا۔ اس صورت میں بھی جناب موصوف کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا کہنا یقیناً کفر ہے اور وجود عرش سے بھی انکار قرار پایا جاتا ہے جو گمراہی سے کم نہیں اور اگر تخت سے حقیقی اور واقعی طور پر عرش ہی مراد ہے جیسا ائمہ اہلِ اسلام کا مذہب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کو جلوہ فروز کہنا اس کی جسمانیت کے اعتقاد کو مستلزم ہو کر اس صورت میں بھی گمراہی قرار پاتا ہے اور یہ ہی مذہب غیر مقلدین کا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فروز ہے جب کہ اہلِ سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی مکان پر جلوہ فروز و متمکن ہو چنانچہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اب امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے جو آیت مذکورہ کا ترجمہ فرمایا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے
"ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" (ترجمہ: پھر عرش پر استوا فرمایا)
(السجدہ)　　(کنز الایمان شریف)

قرآنِ کریم میں "اِسْتَوٰی" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہوا۔ اس کے حقیقی معنی تو عرش کے اوپر بیٹھنے کے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے پاک ہے۔ لہٰذا کوئی تو اس سے مراد اس کا تہ تجلی فرمانا لیتے ہیں لیکن صوفیاء کرام اور سلف صالحین کا مذہب وہ ہے جو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا۔ (ترجمہ)

پھر عرش پر استوا ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے
(کنز الایمان سورۂ اعراف آیت ۵۴)

اور صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔

ان المشہور من مذہب السلف فی مثل ذلک تفویض المراد منہ الی اللہ تعالیٰ فہم یقولون استوی علی العرش علی الوجہ الذی عناہ سبحانہ وتعالیٰ منزھا عن الاستقرار والتمکن الحي، وقد اختار ذلک السادۃ الصوفیہ.

بلاشبہ ایسی آیات میں سلف صالحین سے مشہور اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے پس وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طور پر استوا فرمایا جو اس کی مراد ہے جب کہ وہ عرش پر پر جلوہ فرما و متمکن ہونے سے پاک ہے اور سادات صوفیہ نے اسی معنی کو پسند فرمایا۔

(تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۰)

لیجئے یہ ہے اہل حق کا مذہب ۔ لیکن جو جناب طاہر القادری نے معنی فرمایا جن کا سُنی، حنفی اور قادری تک ہونے کا دعویٰ ہے وہ معنی نہ تو سلف صالحین کا معنی ہے اور نہ ہی صوفیہ کرام کا بلکہ اس معنی سے خدا تعالیٰ کے لئے ایسے امور لازم آتے ہیں جن کا اعتقاد بلاشبہ گمراہی بلکہ کفر تک قرار پاتا ہے ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

سچ کہتے ہیں " نیم ملا خطرۂ ایمان "

تحریف قرآن نمبر ۲

اشد کے معنی شدید

جناب نے اسی کتاب میں اشد کا معنی شدید فرما دیا ہے ۔ ملاحظہ ہو " اجزائے ایمان " (یعنی ایمان کے ٹکڑے) حصہ اول ص ۱۳۱

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ (البقرہ ۱۶۵) لیکن جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں

اشد کے معنی شدید سے کرنا عربی گرامر سے جہالت کی دلیل ہے ۔ عام طالب علم بھی جانتے ہیں کہ " اَشَدُّ " اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی شدید ترین کے ہیں یعنی سب سے سخت یا زیادہ سخت اور شدید کے معنی سخت کے ہیں زیادہ سخت یا سخت ترین کے نہیں ہیں ۔

تحریفِ قرآن نمبر ۳۰

پروفیسر طاہر القادری صاحب کی معنوی تحریفِ قرآن کی چوتھی مثال ملاحظہ فرمائیں موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۸ پر ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ	بے شک سب سے پہلا گھر جو
لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ۔	لوگوں کے (جمع ہونے کے) لئے بنایا
(آل عمران ۹۶)	گیا وہ مکہ میں ہے۔

ناظرین! دیکھئے پروفیسر صاحب نے بین القوسین یعنی دو بریکٹوں کے درمیان (جمع ہونے کے لئے) کا غلط اضافہ کرکے قرآن کریم کی معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ بیت اللہ لوگوں کی عبادت کے لئے ہے نہ کہ محض جمع ہونے کے لئے۔ جہاں تک لوگوں کے جمع ہونے کا تعلق ہے وہ تو میلہ ٹھیلہ کی صورت میں جاہلیت کے دور میں ہوا کرتا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل بھی لوگ وہاں جمع ہوتے۔ بلکہ کپڑے بھی اتار کر جمع ہوتے تھے۔ اپنے آباء و اجداد کے جاہلیت پر مبنی کارناموں کا وہاں بڑے فخر و مباہات سے تذکرہ کرتے تھے۔ شور مچاتے اور سیٹیاں بجاتے اور خود قرآن اس پر روشنی ڈالتا اور فرماتا ہے۔

وَمَا کَانَ صَلٰوتُھُمْ	اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں
عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً	مگر سیٹی اور تالی (سورۃ انفال ۳۵)
وَّتَصْدِیَۃً ط (الانفال ۳۵)	

اس کی تفسیر میں ہے کہ کفارِ مکہ بیت اللہ کے پاس جمع ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ (البقرہ ۲۰۰)

تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب، حج کے بعد کعبہ کے قریب جمع ہو کر اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ اسلام میں بتایا گیا کہ یہ شہرت و خود نمائی کی بے کار باتیں ہیں۔ بجائے اس کے ذوق و شوق کے ساتھ ذکرِ الٰہی کیا کرو۔ پروفیسر صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں "دو برکتوں کے درمیان جمع ہونے کے لئے" کا غلط اضافہ کر کے قرآن کریم کے مفہوم میں جاہلیت والے دور کے لوگوں کے جمع ہونے کا جو احتمال پیدا کر دیا یہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی مراد نہیں۔ اس لئے کسی بھی مفسر نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی مراد یہ ہے

کہ سب میں پہلا گھر جسے لوگوں کی عبادت گاہ بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

چنانچہ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

"بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔"
(کنز الایمان)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ بھی یہی معنی فرماتے ہیں کہ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ مُتَعَبَّدًا لِلنَّاسِ فِي الْاَرْضِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (جلالین مصری صد ۹)

بے شک سب میں پہلا گھر جو زمین میں لوگوں کی عبادت گاہ مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے

ناظرین! دیکھئے امام صاحب نے "مُتَعَبَّدًا" کا لفظ ارشاد فرما کر واضح کر دیا کہ لوگوں کے جمع ہونے کے لئے نہیں۔ عبادت کے لئے ہی مقرر ہوا۔ یوں تو لوگوں کے ہزاروں مقامات پر اجتماع اور میلے ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ وہ جمع ہونا عبادت قرار پائے۔

امام قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔

" ای وضع للعبادۃ وجعل متعبدا لھم "
(تفسیر بیضاوی صفحہ ۹۲)

یعنی سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے اور ان کی عبادتگاہ مقرر ہوا (وہ ہے جو مکہ میں ہے)

امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

ومعنی وضع اللہ بیتا للناس انہ جعلہ متعبدا لھم فکانہ قال ان اول متعبد للناس الکعبۃ
(مدارک ج ۱ صفحہ ۱۸۰)

اس کا معنی یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر جسے اللہ نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔ تو گویا اللہ نے یوں ارشاد فرمایا۔ لوگوں کے لئے پہلی عبادتگاہ کعبہ ہے۔

الحاصل، اس آیت کے معنی میں خود ساختہ اور من گھڑت مفہوم (جمع ہونے کیلئے) شامل کرنا مرادِ الٰہی وتفسیر آئمہ کرام کے منافی اور قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔

طاہر القادری صاحب نے ترجمہ میں غلط اضافہ کرکے آئمہ تفسیر کے مقابلہ میں اپنا راستہ الگ اور منتہائے نظر مختلف کرلیا۔ جسے گمراہی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا

؎ دونوں کا منتہائے نظر ہے جو مختلف
ہے خود بخود ہر ایک کا طرزِ بیاں الگ

تحریف قرآن نمبر ۳۱

پروفیسر صاحب کے سلسلۂ تحریف قرآن کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورہ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۶۰ پر ایک آیت لکھ کر اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ (تا آخر آیت ۸۱ سورۃ آل عمران)

(ترجمہ) اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں۔ تا آخر (سورۃ آل عمران آیت ۸۱)

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے جو اس آیت میں "لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ" کا ترجمہ کیا ہے "جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں" یہ ترجمہ بلا شبہ قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ کیونکہ آیت میں لفظ "لما" میم کی تشدید کے بغیر ہے لیکن موصوف نے یہاں "لَمَّا" میم کی تشدید والے لفظ کا معنیٰ کیا ہے اور "لَمَّا" کے معنیٰ "اِذْ" "جب" کے ہیں چنانچہ المغنی میں ہے کہ

وقال ابن مالک: بمعنی اذ، وھو حسن۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۱۳)

امام ابن مالک نے فرمایا کہ "لَمَّا" اِذْ کے معنیٰ میں ہے اور یہ اچھا ہے۔ (الیٰ آخرہ)

جب "لَمَّا" "اِذْ" کے معنیٰ میں ہوا تو اس کے معنیٰ "جب" کے ہی ہوئے اور پروفیسر صاحب نے یہی معنیٰ کئے ہیں۔ حالانکہ ہماری قرأت و تلاوت میں اور ہمارے سامنے جو قرآن کریم ہے اس میں "لَمَّا" نہیں ہے بلکہ "لَمَا" (یعنی میم کی تشدید کے بغیر) ہے اور "لَمَا" کے معنیٰ جب کے نہیں ہیں۔ طاہر صاحب کو اس بات کی سمجھ ہی نہیں ہے کہ "لَمَا" دو لفظوں سے مرکب ہے جن میں سے ایک تو لام ہے

اور دوسرا "ما" ہے دونوں کے باہم ملنے سے "لَمَا" بن گیا۔ اس میں لام قسم کے محل کے لئے ہے اور "ما" شرطیہ (غیر زمانیہ) ہے۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ :

"اللام فی "لَمَا آتَیتُکُم" الی ان قال، موطئۃ للقسم الی ان قال، وما شرطیۃ فی موضع نصب با تیتُ

"لما اتیتکم" میں لام قسم کے محل کے لئے ہے اور "ما" شرطیہ ، وجہ آتیت محلا منصوب (مفعول) ہے۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۰)

ناظرین! پروفیسر طاہر القادری نے جو ترجمہ کیا کہ

"جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں "

وہ آیتِ قرآن کے لفظ "لَمَا" کا معنی نہیں ہے۔

بلکہ یہ تو سرے سے اس کے معنی کے ہی خلاف ہے لہذا اسے تحریفِ معنوی کہا جائے گا جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا۔

"جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول الی آخرہ" (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

پروفیسر صاحب "لَمَا" کے لفظ کو غلطی سے "لَمَّا" کا ہم معنی لفظ سمجھ کر اس کا ترجمہ "لَمَّا" کا ہی کر ڈالا۔

طاہر القادری صاحب عربی لغت سے بے خبر

طاہر القادری صاحب کا یہ کہنا کہ لفظِ شئ "شاء یشیئُ" سے مشتق ہے بڑی جہالت کا مظاہرہ ہے۔

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ، پروفیسر اور ڈاکٹر کہلانے والے اور خصوصاً علامۂ زمانہ تولے وقت، لفظ "شئ" کی کیسی مضحکہ خیز تحقیق فرماتے ہیں

"اس آیت (ان اللہ علی کل شئ قدیر) میں لفظ شئ جو شاء یشیئُ یعنی چاہنا سے مشتق ہے۔ شئٌ جو اصل میں "شیئٌ" بروزن فعیل تھا۔ کے معنی ہیں وہ چیز جسے چاہا گیا۔ جس کا ارادہ کیا گیا۔ گویا اس وجود کو جس کے پیدا کرنے کا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا شئ کہا جاتا ہے۔ بظاہر اس آیت میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ یعنی ارادہ۔ اس نے ارادہ کیا اور شئ جسے چاہا گیا ہم معنی ہیں"

(اجرائے ایمان حصہ اول صہ ۲۲۶)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ڈاکٹر طاہر نے لفظ "شئ" کی درج ذیل مضحکہ خیز تحقیق فرمائی ہے جسے ہم ان کی کتاب اجرائے ایمان کے صفحہ ۲۲۶ سے اوپر کی سطور میں نقل کر چکے ہیں اب نمبروار ملاحظہ فرمائیں۔

۱. لفظ "شئ" "شاء یشیئُ" سے مشتق (بنایا گیا) ہے۔

۲. لفظ "شئ" اصل میں "شیئٌ" بروزن "فعیل" ہے۔

۳. اس وجود کو۔ جس کے پیدا کرنے کا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا "شیئ" کہا جاتا ہے

۴. اَرَادَ (اس نے ارادہ کیا، اور شئ (جسے چاہا گیا) ہم معنی ہیں

(اجرائے ایمان حصہ اول صہ ۲۲۶)

ادارہ منہاج القرآن، قرآن کا نہیں جہالت کا منہاج ہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ادارہ منہاج القرآن، قرآن کا نہیں جہالت کا منہاج ہے
طاہر القادری اس کی کتابوں پر نظر ثانی کرنے والے اور ترتیب و تدوین کے ذمہ دار سبھی
لغتِ عرب سے بے خبر اور بے بہرہ ہیں۔ یہ قوم کے بچوں کا مستقبل جہالت کی تاریکیوں
کے حوالے کرنے والے، سادہ لوح مسلمانوں کی بے پناہ دولت، ماہانہ چندے اکٹھے
کر کے برباد کرنے والے اور خدا خوفی سے کوسوں دور، روزِ قیامت کے حساب کے
لئے تیار رہیں۔

اہل علم حضرات سے اور خصوصاً ان بزرگوں سے جو اربابِ اقتدار کی خوشنودی یا
ذاتی تعلقات کی بنا پر یا بے خبری کے باعث اس ادارہ کو علم و عرفان کا گہوارہ قرار دیتے
پھر رہے ہیں، آنکھیں کھولیں۔ حقائق کا مشاہدہ کریں، ورنہ وہ ان جعلی مفکروں کے ہمراہ
روزِ قیامت ایک ہی رسی کے ساتھ باندھے جائیں گے۔ خدا کے لئے غور کریں کہ کیا لفظ
"شیخ" شاء یشیئ" سے مشتق ہے؟ ایسے آنکھوں کے اندھے اور جہالت کے
بندے کو قرآن مجید بھی بھول گیا؟ واقعی بھول گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان
باندھے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں دین کی خدمت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ادارہ منہاج القرآن
بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا" (اس قسم کا خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہوتا)
لاحول ولا قوۃ الا باللہ، سبحانک، ھذا بہتان عظیم" اسے قرآن بھول ہی جائے گا۔
سے قرآن میں یہ دیکھنے کی توفیق کہاں کہ قرآن کریم میں مشاء یشیئ کہیں بھی استعمال
ہوا اور نہ ہی کہیں لغتِ عرب میں اس کا تصور ملتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ "شاء یشاء"
ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان " واللہ یرزق من یشاء" قرآن میں کس نے

نہیں پڑھا۔ لفظِ شئی سارے قرآنِ کریم میں تقریباً دو سو چرانوے (۲۹۵) بار آیا ہے، اور اس کا ماضی "شآءَ" تقریباً انسٹھ (۵۹۱) بار اور اس کا مضارع "یشآءُ" ایک سو انیس بار استعمال ہوا ہے اور اس کی جمع "یشآءُون" تقریباً پانچ (۵) بار وارد ہے۔ لفظ "یشآءُ" جو قرآنِ کریم میں ایک سو انیس بار آیا ہو پھر کوئی اسے "یشیئُ" بنائے وہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں تحریف کا مرتکب قرار پاتا ہے یا نہ؟ ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں، مسلمانو! عقل سے کام لو ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی خدمت کا کام سونپیں۔ قسم بخدا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ جب آپ اپنے دفتر کا کام کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں سونپیں گے جو اس کا اہل نہ ہو، جسے آپ کے مطلوبہ کام کا علم و شعور نہ ہو۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دین کا کام آپ کے دُنیوی دفتر سے بھی گیا گزرا ہے کہ آپ ایسے شخص کو خدمت سونپنے لگیں ہیں۔ جسے نہ قرآن کے الفاظ کا صحیح علم اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر صحیح عبور۔

اس بے لوث اور بے لاگ تحقیق نے عقلمندوں کے لئے ڈاکٹر طاہر قادری کی علمی حقیقت بے نقاب کر دی ہے کہ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان فریب کاریوں کے ذریعے قوم کی دولت سے خوب کھیلا جائے ؎

زر قوم سے لے کے ایسا سامان کرو
جس سے کہ تمہاری بزم بن جائے بہشت!

کس قدر غضب کی بات اور جہالت کا مظاہرہ ہے کہ لفظ "مشیٔ" "مشاء یشیٔ" سے مشتق ہے۔

صاحب تفسیر بیضاوی لکھتے ہیں جس سے علامہ صاحب کی لفظ مشیٔ کے بارے میں کی گئی ساری تحقیق سراسر غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والشیٔ یختص بالموجود لانہ فی الاصل مصدر شاء اطلق بمعنی شائی تارۃ و حینئذ یتناول الباری تعالیٰ کما قال ای شیٔ اکبر شھادۃ قل اللہ شھید و بمعنی مشیٔ اخری ای مشیٔ وجودہ وما شاء اللہ وجودہ فھو موجود فی الجملۃ (بیضاوی)

اور شیٔ، موجود کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ اصل میں "مشاء" (فعل ماضی) کا مصدر ہے۔ اس کا اطلاق کبھی "شائی" کے معنی میں ہوتا ہے اور اس وقت لفظ شیٔ اللہ تعالیٰ کو شامل ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کونسی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہو؟ کہہ دیجئے اللہ گواہ ہے اور کبھی لفظ شیٔ "مشیٔ" کے معنی میں آتا ہے یعنی جس کا وجود چاہا ہوا ہو اور جس کا ہونا اللہ نے چاہا وہ ایک طرح سے موجود ہے۔

علامہ بیضاوی کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ مشیٔ ہر موجود کے لئے ہے (یا جس کا موجود ہونا یقینی ہو گویا وہ موجود ہی ہو گیا۔ نیز یہ کہ "شیٔ" مصدر ہے۔ اس سے طاہر القادری کی یہ بات بھی غلط ہو گئی کہ "شیٔ" اصل میں "شَیِیْءٌ" بروزن "فعیل" تھا اور یہ کہ یہ مصدر (شیٔ) اللہ تعالیٰ کے لئے "شَائِیٌ" (چاہنے والا) اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے "مَشِیْءٌ" (چاہا ہوا) اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس کی شرح میں شیخ زادہ لکھتے ہیں۔

اَلشَّیئُ مصدر شاء یشاء هَابَ یهَابُ ۔	شئی "شَآء یَشَآءُ" کا مصدر ہے شَاءَ یشَاءُ جیسے ہَابَ یَہَابُ (ملتقطا)

(شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۱ ص ۱۷۳)

نیز یہی تحقیق امام شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے (ملاحظہ ہو عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی ج ۱ ص ۱۲۰-۱۳۱)

خلاصہ یہ کہ طاہر صاحب کا "شئی" کی تعریف "دو شئی" اور اس کے باب کے سلسلے میں "شاء یشئی" ارشاد فرمانا اور "مشّیء" کی اصل "مشیّی" بروزن "فعیل" قرار دینا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ موصوف عربی زبان کی گرامر بلکہ اس کے عام مستعمل الفاظ تک کے حقائق سے بے خبر ہیں۔ ایسے شخص کو علامہ، مفکر اور مفسر کا لقب دینا ان مقدس الفاظ کا بے جا استعمال ہی نہیں دین کا مذاق اڑانا ہے۔ جو شخص لفظ "شئی" کے بارے میں صحیح معلومات تک سے بے بہرہ ہو وہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خدمت سونپی ہے اور دودھ کا پیالہ پلایا تھا اور ادارہ منہاج القرآن بنانے کا حکم فرما کر لاہور تشریف لانے کا وعدہ فرمایا، کسی طرح صداقت پر مبنی نہیں۔ یقیناً ان کے بارے میں ان کے مداح غلط فہمی میں ہیں، خدا کرے اس بے لاگ تحقیق سے ان پر حق واضح ہو جائے۔

اب تک ان کی عقل سے پردہ ہٹا نہیں\
سمجھا اسی کو آسرا جو آسرا نہیں!

سلسلۂ تحریفات

حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

طاہر القادری نے قرآنِ کریم کی طرح حدیث شریف پر بھی ہاتھ صاف کر ڈالا اور اس میں بھی تحریفیں کیں یا جہالتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس سلسلے میں اس کی اپنی کتابوں اور بعض کیسٹوں کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

تحریفِ حدیث نمبر ا

پروفیسر طاہر القادری صاحب کا یہ دعوٰی بھی ہے کہ "انہوں نے دورۂ حدیث اپنے والدِ معظم سے پڑھا اور یہ کہ حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری لاہور کے درسِ حدیث میں بھی شریک ہوتے رہے اور یہ کہ پاکستان کے نامور عالمِ دین، غزالیٔ دوراں حضرت سید احمد سعید کاظمی نے ان کی دینی قابلیت اور علمی استعداد و بصیرت کے پیشِ نظر طریقۂ محدثین پر آپ (پروفیسر صاحب) کو سندِ حدیث عطا کی" (نابغہ صفحہ ۶) پروفیسر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کو علمِ حدیث پر بھی عبور حاصل ہے اور وہ طریقۂ محدثین کے مطابق سندِ حدیث لے کر محدث بھی ہو گئے ہیں۔

آیئے! پروفیسر صاحب کی قرآن دانی کے ساتھ ساتھ ان کی حدیث دانی کا جائزہ بھی لیتے چلیں اور ان کی اس بشارت کی روشنی میں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:

"تم اللہ کے دین کا، میری امت کی نصرت اور
میری سنت کی خدمت کا اور میرے دین کی سربلندی
کا کام کرو، میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں"
(قومی ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۳)

دیکھیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی کس حد تک سمجھ رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انتخاب نے بڑے بڑے اکابر علماء کو چھوڑ کر اپنی سنت و حدیث اور اپنے دین کے بیڑے کا انکو واحد ناخدا بنا دیا؟

پروفیسر صاحب اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۰ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھتے اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ رقم فرماتے ہیں ملاحظہ ہو

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام القران۔ (ترجمہ، جس نے اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھی۔ اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔

ناظرین! اس حدیث کا ہرگز ہرگز یہ ترجمہ نہیں ہے۔ اس حدیث کا یہ ترجمہ کرنا، بلاشبہ پروفیسر صاحب کے ذہنی عدم توازن پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ان کا نہ صرف حدیث دانی کا دعویٰ بے حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قومی ڈائجسٹ کو دیئے گئے ان کے انٹرویو میں مذکورہ بشارت بھی خود ساختہ، جعلی اور جھوٹی قرار پاتی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

حالانکہ کسی جامعہ کے معمولی سے سمجھدار طالب علم کو بھی اس حدیث کا ترجمہ کرنے کو کہا جائے تو وہ بہ آسانی اس کا صحیح ترجمہ کر ڈالے۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے: "اس کی نماز نہیں جس نے ام القرآن نہ پڑھی۔"

ناظرین! دیکھئے، دونوں ترجموں میں کس قدر فرق ہے۔ پھر سوچئے بھی، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی، جس پر دین کی عمارت قائم ہے۔ صحیح ترجمانی کرنے سے بھی قاصر ہو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کی خدمت اور اس کی ترقی کا کام کیونکر سونپ سکتے ہیں؟ دین کا کام ایک ایسا اہم اور علمی کام ہے کہ اس کے لئے بڑے مستند و محقق علم و عرفان کی ضرورت ہے۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست
کلاہ داری و آئینِ سروری داند!

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف نمبر ۲

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب نہ صرف قرآن کریم کے علوم سے بے خبر ہیں بلکہ علوم حدیث سے بھی ناواقف ہیں اس لئے وہ قرآنِ کریم کے ساتھ حدیث کی تحریف کے بھی مرتکب ہو رہے ہیں۔

اس کی دوسری مثال ملاحظہ ہو وہ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۷ پر درج ذیل حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرک باخیر سورۃ منزلت فی القرآن قلت بلی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاتحۃ الکتاب واحسبہ قال فیہا شفاء من کل داء۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں قرآن کی ایک اعلیٰ اور افضل سورت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ضرور فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ فاتحۃ الکتاب ہے اور میں اسے کافی سمجھتا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں ہر مرض کے لئے دوا ہے۔

اس حدیث میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کر کے حدیث میں تحریف کر ڈالی ہے۔ حدیث کی عبارت "واحسبہ" کا ترجمہ کیا کہ حضور نے فرمایا "میں اسے کافی سمجھتا ہوں۔"

طاہر القادری کی افعالِ قلوب کے قاعدے سے بے خبری

قارئین! طاہر القادری کا حدیث کے

لفظِ مبارک "وَاَحْسِبُہٗ" کا ترجمہ "میں اسے کافی سمجھتا ہوں" کرنا عربی گرامر کے قواعد سے اور خصوصاً افعالِ قلوب کے قاعدہ سے بے خبری اور جہالت کا عظیم مظاہرہ ہے۔ ابن عم حضرات جانتے ہیں کہ "حَسِبَ یَحْسِبُ" افعالِ قلوب میں سے ہے اور دو مفعولوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ طاہر صاحب کا "اَحْسِبُہٗ" کا ترجمہ "میں اسے کافی سمجھتا ہوں" کرنا بایں صورت درست ہوگا کہ اس میں لفظ "کافیاً" محذوف کر دیا جائے۔ یعنی احسبہ" میں ہا ضمیر مفعول اول ہو اور "کافیاً" مفعول ثانی محذوف ہو۔ لیکن اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ایک یہ کہ "اَحْسِبُہٗ" کی "ہ" ضمیر مذکر کے لئے ہوتی ہے جب کہ "سورۃ فاتحہ" میں لفظ سورۃ مؤنث ہے اگر اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہوتی اور یہ ضمیر سورۃ فاتحہ کی طرف لوٹتی ہوتی تو "اَحْسِبُ" فعل کے ساتھ مذکر کی ضمیر نہ ہوتی بلکہ مؤنث کی ہوتی اور عبارت "احسبہ" کی بجائے "اَحْسِبُھَا" ہوتی۔ چنانچہ خود طاہر صاحب کی نقل کردہ عبارت حدیث میں "احسبہ" کے بعد "فِیْھَا شِفَاءٌ مِّنْ کُلِّ دَاءٍ" میں لفظ "فیھا" مؤنث کی ضمیر "ھا" کا ہونا بطور دلیل کافی ہے اور طاہر صاحب کی علمی نالائقی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ اس قدر بات بھی نہیں سمجھتے کہ "اَحْسِبُہٗ" میں "ہ" مذکر کی ضمیر سورۃ کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ کیونکہ لفظ "سورۃ" مؤنث ہے۔ اس میں تائے تانیث موجود ہے پھر اس کے بعد "فیھا" مؤنث کی ضمیر موجود ہے۔ طاہر صاحب کی جہالت سے سید عالم افصح العرب، دائمی تلمیذ رب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر بھی اعتراض لازم آتا ہے۔ اور دشمنانِ اسلام کے لئے سرکار کی ذاتِ اقدس کی فصاحت پر اعتراض کرنے کا موقع بھی نکلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی عبارت "احسبہ فیھا شفاء" میں سورۃ کے لفظ کو جو ان ضمیروں کا مرجع ہے مذکر بھی ٹھہرالیا اور مؤنث بھی بنا دیا۔

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے جسے طاہر صاحب نہیں سمجھے کہ "احسبہ"۔ کا " میں اسے کانی سمجھتا ہوں" ترجمہ کرنے کی صورت میں" احسبۃ" فعل کا مفعول ثانی محذوف ماننا پڑے گا اور یہ عربی گرامر کے قاعدہ کے خلاف ہوگا چنانچہ درس نظامی کی مشہور کتاب "ھدایۃ النحو" میں لکھا ہے۔

واعلم ان لهذه الافعال خواص منها ان لا یقتصر علی احد مفعولیها۔
(ہدایۃ النحو صفحہ ۹۴)

اور معلوم ہونا چاہیئے کہ ان افعال قلوب کی کچھ خاصیتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے دو مفعولوں میں سے کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔

مگر بے چارے مصنف کو کیا معلوم تھا کہ پندرھویں صدی میں جھنگ کا ایک انقلابی وکیل اُٹھے گا اور ادارہ منہاج القرآن قائم کرکے اجتہاد فرمائے گا۔ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے مسلمہ احکام میں ترمیمیں و تنسیخیں کرے گا۔ اور ساتھ ہی عربی گرامر کے مسلمہ اصُولوں میں بھی تبدیلیاں کرکے بزعم خود دین کی نئی تعبیرات و توجیہات کے لئے راہیں ہموار فرمائے گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بگڑا کچھ اس ادا سے کہ رخ ہی بدل گیا
ایک شخص ہی سارے علم کو ویراں کرگیا

غرض یہ کہ طاہر صاحب نے جو حدیث کا ترجمہ فرمایا وہ دنیائے علم کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔ بلاشبہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ پروفیسر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر یہ بہتان باندھ کر اپنے آپ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بنا دیا ہے کہ:۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ
جس نے دیدہ دانستہ مجھ پر

متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷) — جھوٹ بولا یعنی میری طرف کسی ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

دراصل موصوف اس حدیث کا مفہوم ہی نہیں سمجھے کیونکہ انہوں نے کسی ماہر حدیث استاذ سے حدیث پڑھی ہی نہیں ورنہ حدیث کے معنی کرنے میں وہ اندھیروں میں نہ بھٹکتے پھرتے۔ قارئین! یقین فرمائیں کہ " واحسبه قال " کے الفاظ جنہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ بلکہ یہ حدیث کے راوی کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث تفسیر درمنثور میں ہے۔ راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"فیها شفاء من كل داء" (ترجمہ: اس میں ہر بیماری سے شفا ہے (تفسیر درمنثور جلد ۱ ص ۲)

مگر قرآن و سنت کے محرّف (معنوں میں تبدیلی کرنے والے) پروفیسر صاحب جنہیں سادہ لوح عوام یا دنیائے علم و عرفاں سے ناواقف لوگوں نے مفسرِ قرآن اور مفکرِ اسلام سمجھ رکھا ہے۔ ان الفاظ کو راوی کی طرف سے سمجھنے کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ قرار دے رہے ہیں اور افعال قلوب سے متعلق عربی قاعدہ کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ

اور دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے بعد حدیث کے الفاظ

"فیها شفاءٌ من كل داءٍ" کے معنی بھی غلط فرمائے کہ " اس میں ہر مرض کے لئے دوا ہے"۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے " اس میں ہر بیماری سے شفاء ہے"۔ لیکن خود ساختہ علامہ نے شفاء کے معنی دوا کے کر ڈالے، جب کہ شفاء اور دوا میں آسمان و زمین کا فرق ہے کہ شفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

اور دوا بندوں کی طرف سے پھر یہ کہ اللہ تعالےٰ دوا کے بغیر بھی شفاء عطا کر سکتا ہے
غرضیکہ طاہر القادری صاحب کا "شفاء" کا ترجمہ "دوا" سے کرنا بھی حدیث کے معنوں
کی تحریف ہے۔

کاش کہ ہماری سنی قوم (جو اس کی شب بیداریوں کے چکر میں ہے) کچھ علمی شعور رکھتی ہوتی۔ تو اس پر حقیقت منکشف ہو جاتی کہ یہ شخص دین کا نعرہ بلند کر کے اسے دین سے دور لے جا رہا ہے۔

اے قوم! کہاں ہے تو کدھر ہے
کیوں حال سے دیں کے بے خبر ہے

حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف نمبر ۳

پروفیسر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معنوں کی بھی تحریف کر ڈالی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے سلسلے میں بڑی شہرت رکھتی ہے جسے وہ اپنی اسی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۵۹ پر نقل کر کے اس کا ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں۔ ہم حدیث کا وہ خاص حصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے معنوں میں موصوف نے تحریف فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ورؤیا امی التی رات حین وضعتنی قد خرج منہا نور اضاء لہا منہ قصور الشام

(ترجمہ) اس کے علاوہ میری والدہ کا وہ خواب تھا جو انہوں نے میری ولادت سے پہلے دیکھا تھا اور انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان میں سے ایک نور نکلا جس کے سبب شام کے محلات روشن ہو گئے۔

پروفیسر صاحب نے اس حدیث میں چار غلطیاں کر کے اس میں چار تحریفیں کی ہیں۔ پہلی غلطی یا تحریف یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے اپنے سے جو نور ظاہر ہوتا دیکھا تھا اسے خواب بنا دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے یہ نور خواب میں نہیں بیداری میں دیکھا تھا۔ پروفیسر صاحب نے رؤیا کا معنی خواب ہی سمجھ لیا جب کہ رؤیا خواب کے معنی میں بھی آتا ہے اور بیداری میں آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔۔۔۔۔۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي

(ترجمہ) اور نہیں کیا ہم نے اس رؤیا

اریناک الا فتنۃ للناس (الاسراء۔ ۶۰) کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش۔

ایک تاویل کی رو سے اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے ساتھ ہے اور "رویا" سے مراد رویائے بصری (سر کی آنکھ کے ساتھ دیکھنا) ہے اور عربی زبان میں "رویا" سر کی آنکھ کے ساتھ (بیداری میں) دیکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ دیوانِ متنبی میں ہے ؎

مضی اللیل والفضل الذی لك لا یمضی
ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض

(دیوانِ متنبی ص۵۸ طبع محبوب المطابع دہلی ۱۳۵۲ھ)

ترجمہ: رات ختم ہو گئی لیکن تیرا فضل ختم نہ ہو گا
اور تیرا دیدار آنکھوں میں نیند سے زیادہ میٹھا ہے۔

متنبی نے یہاں اپنے دیوان میں لفظ "رؤیا" کو چشم سر یعنی بیداری میں دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

هی رویا عین اریها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیلة اسری به الی بیت المقدس (صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۸۶) کہ یہ رویا چشم سر یعنی بیداری کی حالت میں تھا جو بیت المقدس کی طرف شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔

اسی حدیث پر امام کرمانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ

انما قید الرؤیة بالعین اشارة الی انها فی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لفظ رویا کو لفظ عین کے ساتھ

اليقظة (حاشیہ بخاری نمبر۲) ۱ سے مقید کیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ رؤیا، بیداری میں تھا۔

غرضیکہ "رؤیا" کے معنی صرف نیند یا خواب میں کچھ دیکھنے کے ہی نہیں ہیں جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے یہی سمجھ لیا اور حدیث کے معنی غلط کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی اس عظیم الشان کرامت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص شریف (ایک طرح کے معجزہ) کو خواب قرار دے کر اس کی شان کم کرنے کی کوشش کی ہے (العیاذ باللہ) بلکہ یہاں "رؤیا" سے مراد بیداری کی حالت میں ہی اس نور مبارک کا دیکھنا ہے۔

چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں، جسے پروفیسر طاہر القادری صاحب خواب قرار دے رہے ہیں۔

امام عبد الباقی زرقانی علیہ الرحمۃ شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

(ورؤيا امي التي رأت (اور میں اپنی ماں کا وہ رؤیا (مشاہدہ) ہوں جسے اس نے) اپنے سر کی آنکھوں

رؤية عين بصرية سے یعنی بیداری میں (دیکھا)

(شرح زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۰۶)

امام عبد الباقی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جنہوں نے اسے خواب قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ خواب نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے وہ نور جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ بیداری میں ہی دیکھا جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ایک نور اس وقت دیکھا۔ جب حضور پرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد کی پشت سے والدہ ماجدہ کے بطنِ اقدس میں منتقل ہوئے یعنی ابتداءِ حمل کے دنوں میں۔ یہ رؤیا بیداری میں نہ تھا۔ بلکہ خواب میں تھا اور دوسری

بار وضع حمل، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت دیکھا۔ یہ " رؤیا " عینیہ بصریہ تھا۔ یعنی بیداری کی حالت میں تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خلط ملط کر دیا ہے۔ کسی نے دونوں کو خواب بنا دیا (جیسے پروفیسر طاہر القادری نے کیا اور بعض نے دونوں کو بیداری کی حالت پر محمول کیا۔ یہ دونوں ہی غلط ہیں اور صحیح یہ ہے کہ ابتداء حمل کے دنوں میں خواب تھا اور وضع حمل اور ولادت شریفہ کے وقت جو نور دیکھا وہ بیداری میں دیکھا تھا " (شرح مواہب زرقانی ج ۱ صـ۱۱۷)

پروفیسر طاہر القادری نے اس حدیث میں چار غلطیاں کی ہیں

۱۔ نمبر ایک یہ کہ اسے خواب بنا دیا حالانکہ یہ مشاہدہ بیداری کی حالت میں ہوا۔

۲۔ نمبر دو یہ کہ یہ ترجمہ سراسر غلط کیا " جو انہوں نے میری ولادت سے پہلے دیکھا "

پروفیسر صاحب نے جو حدیث لکھی ہے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا معنی " ولادت سے پہلے دیکھا " کا بنتا ہو۔ یہ پروفیسر صاحب کی حدیث میں دوسری تحریف اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کھلا افتراء و بہتان ہے (معاذ اللہ) تعجب ہے کہ جناب میں حدیث سمجھنے کی اہلیت ہے اور نہ ہی سمجھ، پھر بھی دعویٰ فرما رہے ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ میں دین و سنت و امت کے بیڑے کا واحد ناخدا تمہیں بنا تا ہوں۔ " سبحانک هذا بهتان عظیم " ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کشتی کا ناخدا ایک ایسے شخص کو بنائیں اور امت کی کشتی ایسے شخص کے حوالے فرمائیں۔ جو اس قدر نا اہل ہو کہ کشتی کو ڈبونے کے سوا کچھ جانتا بھی نہ ہو۔ قارئین! انصاف، انصاف، انصاف جو شخص قرآن و حدیث کے بیان کرنے میں اس قدر بہ کثرت ٹھوکریں کھاتے جا رہا ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دین کی امداد، سنت کی اعانت اور امت کی راہنمائی کا کام سونپ سکتے ہیں؟۔

نمبر ۳:۔ یہ کہ حدیث کے ترجمہ میں لفظ " اور " کا اپنی طرف سے بے جا اضافہ کر کے ایک ہی واقعہ کو دو واقعے بنا ڈالا۔ حالانکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ لیجئے راقم اس کا صحیح صحیح ترجمہ عرض کرتا ہے جس سے قارئین خود ہی سمجھ لیں گے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں۔

(ترجمہ) " اور (میں) اپنی ماں کا دہ دیکھا ہوں جو اس نے مجھے جنم دیتے وقت دیکھا، کہ اس کے لئے ایک نور ظاہر ہوا جس کے سبب اس کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے "

لیکن پروفیسر صاحب کے فہم و ادراک کا کیا کہنا، کہ غلط ترجمہ اور مفہوم حدیث میں اپنی طرف سے تصرف کر کے اسے کچھ سے کچھ بنا ڈالا۔

نمبر ۴:۔ اس حدیث کے معنی میں تحریف نمبر چار یہ فرمائی کہ حدیث میں واقع لفظ " لھا "، کا ترجمہ " اس کے لئے " چھوڑ دیا اور یہ ترجمہ کیا۔

" ان سے ایک نور نکلا جس کے سبب شام کے محلات روشن ہو گئے "

اس سے واضح نہیں ہوتا کہ کس کے لئے روشن ہو گئے؟ شام والوں کے لئے، یا مکہ والوں کے لئے یا کسی اور کے لئے موصوف نے لفظ " لھا " کا معنی ترک کر کے حدیث کے معنی میں ابہام پیدا کر دیا۔ حالانکہ حدیث میں لفظ " لھا " موجود ہے اور اس میں ھا ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کے مطابق ترجمہ یوں ہو گا۔

" ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) سے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے "

حدیث کے ایک ماہر کا کام حدیث میں واقع ابہام کو دور کرنا ہوتا ہے لیکن دور جدید کے شارح اور محدث حدیثوں سے الفاظ حذف کر کے ان کے معانی میں

خود ہی ابہام پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جب کہ پہلے زمانوں کے مجتہدین اپنے اجتہاد کے ذریعے مبہم معنوں کو واضح کرتے تھے لیکن آج کے دور کے مدعی اجتہاد اور جمعراتی جگادرو، ان کے برعکس اپنے جاہلانہ اجتہاد کے ذریعے حدیثوں کے واضح معنوں میں ابہام پیدا کئے جا رہے ہیں۔

لیکچرار کے منصب سے چھلانگ لگا کر پروفیسر کہلانے والے جناب۔ طاہر صاحب جیسے پروفیسر شاید شاعر شہیر اکبر الہ آبادی مرحوم کے زمانہ میں بھی ہوں گے جن کے بارے میں وہ فرماتے ہیں ؎۔

فریب دے کر نکالے مطلب سکھاتے تحقیر دین و مذہب
مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گر بڑھا دے
یہی بس اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس ان کو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

تحریفِ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۴۔

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے الفاظ و عبارات اور ان کے معنی کی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی تحریفِ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کی یہ چوتھی کڑی ہے۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ نمبر ۶۰ اور ۶۱ پر ایک حدیث لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں۔ ہم اسے نقل کرنے کے بعد اس سے متعلقہ تحریفات کی نشاندہی کریں گے۔

ان اللہ تعالیٰ لما خلق نور نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء علیھم السلام فغشیھم من نورہ ما انطقھم بہ، فقالوا یاربنا من غشینا نورہ؟ فقال اللہ ھذا نور محمد بن عبد اللہ ان آمنتم بہ جعلتکم انبیاء قالوا آمنا بہ وبنبوتہ فقال اللہ تعالیٰ اشھد علیکم قالوا نعم فذلک قولہ تعالیٰ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین.

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تخلیق فرمایا تو بعد میں (کسی وقت) اسے حکم دیا کہ انوارِ انبیاء (یعنی ارواح الانبیاء) کی طرف متوجہ ہوں پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ارواح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ڈھانپ لیا انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ خود تمہارے نبوتِ محمدی پر ایمان لانے پہ گواہ ہو جاتا ہوں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے لہٰذا اس امر کی طرف قرآنِ حکیم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے وہ اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ وعدہ لیا۔ الخ

— وانا معکم من
الشاھدین۔

(المواہب اللدنیہ ج ۱ ص۸)

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس ایک حدیث میں لفظی اور معنوی، کئی ایک تحریفیں کی ہیں۔

الفاظِ حدیث میں تحریفیں۔

۱. پہلی یہ کہ موصوف نے اس حدیث کو مواہب لدنیہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۸ سے نقل کیا ہے لیکن مذکورہ حدیث شریف کے نقل کرنے میں موصوف نے جس لاابالی، بے نیازی اور بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ کسی بھی عالم دین سے اس قسم کی لاابالی اور بے پروائی ممکن نہیں۔ البتہ حدیث کی اہمیت اور اس کی عظمت سے بے خبر لوگ ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے حدیث کو نقل کرتے ہوئے دو اہم الفاظ چھوڑ دیئے۔ اوپر خط کشیدہ عبارت نمبر ۱ کو ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے اس میں سے "اللّٰہ" کا اسم گرامی چھوڑ دیا۔ جو انطق" فعل کا فاعل ہے۔ اس کے چھوڑ دینے سے انطق فعل کا فاعل ھُوَ ضمیر قرار پاتی ہے جو "ما" موصولہ کی طرف راجع ہو گی۔ اس ترکیب سے حدیث کے معنی ہی بدل جاتے ہیں جب کہ صحیح عبارت یوں ہے "ما انطقھم اللّٰہ بہ" اور اس صورت میں معنی درست قرار پاتے ہیں لیکن جیسے پروفیسر صاحب نے اسم جلالت یعنی لفظ "اللّٰہ" کو چھوڑ دیا ہے۔ اس سے حدیث کے بگڑ جاتے ہیں

۲. دوسری غلطی یہ فرمائی کہ لفظ "اشھد" سے پہلے ہمزہ استفہام کو چھوڑ گئے جب کہ متن میں موجود ہے اور اس کے چھوٹ جانے سے حدیث کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے "أأشھد" دو ہمزوں ہمزہ استفہام اور ہمزہ متکلم کے ساتھ جن میں سے ایک ہمزہ کو موصوف نے اڑا دیا۔ اس کے اڑانے

سے عبارت بدل گئی اور اس کا معنی بھی برعکس ہوگیا۔ یعنی ہمزۂ استفہام موجود ہو تو یہ کلام انشائی ہوگیا اور ہمزہ کو اڑا دینے سے یہ کلام خبری ہوگیا۔ لیکن پروفیسر صاحب کو اس سے کیا غرض؟ حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا قرآن کوئی کلام خبری بنے یا انشائی ٹھہرے۔ پروفیسر صاحب کی واہ واہ ہونی چاہیئے۔ کہ آپ اس قدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہی چرچا ہونا چاہیئے۔ ؎

عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی

معانی حدیث میں تحریفیں۔

پروفیسر صاحب نے حدیث مذکور کے معنوں میں جو تحریفیں اور ہیرا پھیری کی ہے وہ بھی قابلِ دید ہے ملاحظہ ہو۔

۱۔ پروفیسر صاحب نے حدیث کے ترجمہ میں "بعد میں کسی وقت" کے الفاظ کا جو اضافہ فرمایا ہے یہ حدیث کی معنوی تحریف ہے۔ اس کا الفاظِ حدیث سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا یہ کوئی تشریحی مفہوم ہے۔

۲۔ پھر جناب نے حدیث مذکورہ کا ترجمہ کرتے وقت "انوارِ انبیاء" سے مراد، دو بریکٹوں کے درمیان "ارواحِ انبیاء" بتا کر، نورانیت انبیاء علیہم السلام کے منکروں کی ترجمانی کر ڈالی۔ کیونکہ وہی لوگ ہی "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا، ایسی حدیثوں میں واقع لفظِ نور سے رُوح، مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا پروفیسر صاحب نے "انوارِ انبیاء" سے "ارواحِ انبیاء" مراد لے کر مسلکِ اہلِ سنت کو نقصان اور مخالفین مسلک اہلسنت کو فائدہ پہنچایا اور ساتھ ہی حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں معنوی تحریف کے بھی مرتکب ہوئے۔

جب کہ صحیح یہ ہے کہ "انوارِ انبیاء" سے مُراد اُن کے انوار ہی ہیں۔ ارواح نہیں

۳۔ اس حدیث میں پروفیسر صاحب نے تیسری بار معنوی تحریف یہ فرمائی کہ حدیث کے درج ذیل الفاظ " فغشیھم من نورہ ما انطقھم اللہ بہ" کا ترجمہ غلط کر ڈالا۔ یعنی اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

" پس اللہ نے انبیاء کی ارواح کو حضور علیہ السلام کے نور سے ڈھانپ لیا: (صفحہ ۶۱)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کوئی ایسا شخص جس نے عربی گرامر پڑھی ہو اور اسے سمجھا ہو وہ ایسا غلط ترجمہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ تحریف حدیث کی بدترین مثال ہے ایک تو "انوار انبیاء" کا ترجمہ "ارواح انبیاء" کیا اور دوسری فحش غلطی یہ فرمائی کہ "فغشیھم" میں جو "غشی" فعل ہے جس کے معنے ڈھانپنے کے ہیں۔ اس کا فاعل، اللہ تعالیٰ، کو قرار دے کر ڈھانپنے کی نسبت اس کی طرح کر دی۔

؎ الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے ؟

حالانکہ "غشیَ" فعل کا فاعل "ما انطقھم" میں واقع "ما" موصولہ ہے جو "الذی" کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ امام زرقانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

(فغشیھم من نورہ ما) ای الذی انطقھم اللہ بہ۔ (شرح مواہب ج ۱ صفحہ ۴۷)

پس انوار انبیاء کو ڈھانپ لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں سے اس عظیم نور نے جس کے سبب خدا تعالیٰ نے ان کو بلوایا۔

پروفیسر صاحب نے حدیث مذکور کا غلط ترجمہ کر کے اس عظیم الشان مفہوم کو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مقدس کی عظمت اجاگر ہوتی تھی، بگاڑ کر رکھ دیا اور اس بات پر غور نہ کیا کہ اگر انوار انبیاء سے مراد ارواح انبیاء ہو تو پھر قرآن کے لئے " انطقھم

اللہ بہ" فرمانے کی حاجت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت سے انہیں بولنے کی قوت دی یا بلوایا۔ کیونکہ روحیں تو ویسے ہی بولنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ بلکہ اصل ہیں روحیں ہی بولتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ انوار ہی تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور کی برکت سے جو ان پر چھا گیا اور غالب آگیا تھا اللہ نے بولنے کی قوت بخشی اور انہوں نے عرض کی۔ چنانچہ اس کا صحیح مفہوم ہم عرض کرتے ہیں۔

حدیث کا مفہوم صحیح

اس حدیث کا صحیح مفہوم یوں ہے کہ:۔

"جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کی تخلیق کو کمالاتِ نبوت کا فیضان فرما کر کامل کر دیا تو اسے حکم دیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار کی طرف نظر کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم و کامل نور نے انبیاء کے انوار کو ڈھانپ لیا جس کے سبب انہیں اللہ تعالیٰ نے بلوایا اور انہوں نے عرض کی کہ یا اللہ! کس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد بن عبد اللہ کا نور ہے۔ اگر تم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لے آؤ تو میں تمہیں نبی بنا دوں گا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ (تا آخر) (زرقانی شرح مواہب ج ۱ ص ۵۲)

ترکیبِ نحوی کی رو سے "من نورہ" میں بیانیہ ہے اور یہ "ما انطقھم" میں واقع "ما" موصولہ کا بیان مقدم ہے اور "ما" موصولہ اگرچہ مبہم ہے تاہم وہ کبھی اپنے معہود کی عظمتِ شان اور کمالِ شان پر بھی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے

"اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی" (سورۃ النجم آیت ۱۶) (ترجمہ) جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

اس آیت کریمہ کی حدیث مذکور کے ساتھ مطابقتِ ترکیبیہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔
حدیثِ مذکور میں "غَشِیَ" فعل ماضی ہے اور اس آیتِ کریمہ میں "غَشِیَ" کا فعل مضارع "یَغشٰی" پر داخل "ما" موصولہ مبہم ہے۔ جیسے آیت کریمہ میں "ما" موصولہ مبہم کا ابہام اپنے معبود کی تعظیم و تکریم اور اس کی عظمت و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب، کمالِ عظمت کے اظہار کے موقع پر ایسا ہی ابہام و اجمال کا صیغہ لاتے ہیں چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے کہ

(مَا یَغْشٰی) تعظیم و تکثیر لما یغشی فقد علم بهذه العبارة ان ما یغشاها من الخلائق الدالة علی عظمة الله وجلاله اشیاء لا یتکنهها النعت ولا یحیط بها الوصف
(تفسیر الکشاف ج ۴ ص ۲۹)

(مَا یَغْشٰی) میں اس چیز کی عظمت و کثرت کا اظہار ہے جس نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا، اس عبارت سے (جس میں ما سے مبہم لایا گیا ہے) معلوم کہ اللہ کی عظمت اور اس کی [illegible] کرنے والی جس مخلوق نے سدرہ کو [illegible] رکھا تھا وہ ایسی عظمت والی چیزیں [illegible] جن کی حقیقت کا احاطہ کوئی تعریف و توصیف نہیں کر سکتی۔

اسی طرح تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

(وفی ابهام (ما یغشی) من التفخیم مالا یخفی فکان الغاشی امر لا یحیط به نطاق البیان ولا تسعه اردان الاذهان (روح المعانی ج ۲۷ ص ۵۱)

(ما یغشی) کے ابہام میں وہ تعظیم پائی جاتی ہے جو کسی اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے گویا سدرہ کو ڈھانپنے والی وہ عظیم الشان چیز تھی کہ بیان کی وسعت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی ذہنوں کی کشادہ آستینیں

اسے اپنے اندر سمو سکتی ہیں۔

قارئین! امید ہے کہ آپ نے صحیح صورت حال کا جائزہ لے لیا ہوگا اور جناب علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کی حدیث فہمی بھی ملاحظہ فرمائی ہوگی، جن کا دعویٰ ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خدمت کا کام سونپا ہے۔ "سبحانک ھذا بہتان عظیم" یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلا بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو دین کی خدمت، قرآن وسنت کے علوم واحکام کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپیں، جس کی علمیت کا یہ عالم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو خود سمجھنے سے قاصر ہے۔ دوسروں کو کیا سمجھائے گا۔ جو حدیث شریف میں واقع "فغشیھم" کی ترکیب نحوی نہیں سمجھ سکا اور جو "ما انطقھم" کی ایمان افروز عبارت کا مطلب ومفہوم نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے گول کر گیا۔ نہ اس کا ترجمہ کیا اور نہ ہی اس کا کوئی مفہوم بیان کیا۔ حالانکہ ایک معمولی سی سمجھ رکھنے والے طالب علم سے بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس طرح سے ترجمہ ومفہوم بیان کر کے حدیث کا مذاق اڑائے گا۔ یہ سلسلۂ تحریفات یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ آگے چلئے اس سلسلے کی اور کڑیاں بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ابھی کچھ اور ہٹے گی نقاب رُخ ان کی!
ابھی یہ کچھ نکا ہوں کے امتحاں ہوں گے

چنانچہ طاہر القادری صاحب نے حدیث مذکور کے اس خاص حصّہ کا (جو نہایت ہی ایمان افروز واقع ہوا اور شان نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجاگر کر رہا ہے) کا جو مضحکہ خیز اور جاہلانہ ترجمہ کیا وہ بھی مدِّنظر رکھئے۔ وہ لکھتے ہیں

"پس اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی ارواح کو حضور کے لو سے ڈھانپ لیا۔"

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ طاہر القادری صاحب کی حدیث کے معنوں

ہیں تحریف کی اس جسارت کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ موصوف کا بیان کردہ ترجمہ غلط، بے ہودہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا و بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) کہ جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

جب کہ تفسیر کشاف، مدارک اور روح المعانی میں ارشاد باری تعالیٰ "اذ يغشى السدرة ما يغشى" کے تحت لفظ "ما" موصولہ مبہمہ سے متعلقہ جو نکتہ ابہام بیان کیا گیا اس کی روشنی میں اس حدیث کا مفہوم یوں ہے۔

"پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نور مبارک، جس کی حقیقت و عظمت کا احاطہ نہ کوئی تعریف و توصیف کر سکتی ہے، نہ کسی کی وسعت بیان اسے اپنے دامن میں لا سکتی ہے اور نہ ہی اذہان خلق کی کشادہ آستینیں اسے اپنے اندر سمو سکتی ہیں، تمام انبیاء کے انوار پر غالب آ گیا۔ جس کے سبب اللہ نے انہیں قوت گویائی بخشی اور وہ بولے (تا آخر)۔"

طاہر القادری صاحب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے "یغشی" فعل کا فاعل "اللہ تعالیٰ" کو قرار دیا، کاش کہ وہ سورۃ النجم کی مذکورہ بالا آیت پر ہی غور کر لیتے تو حدیث کی معنوی تحریف کا وبال سر پہ لینے سے محفوظ رہتے۔ لیکن انہیں تو مفسر قرآن کے مدعی ہونے کے باوجود قرآن تک صحیح پڑھنا نہیں آتا۔ ان کی قرآن خوانی کا عالم اس وقت سب حاضرین نے دیکھ لیا تھا۔ جب کہ دیال سنگھ لائبریری میں پندرہ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو دیت کے موضوع پر منعقد کئے گئے مذاکرہ میں پروفیسر صاحب نے یہ آیت پڑھی تھی۔

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ الخ"

تو لفظ " اُنثیٰ " کو الف مقصورہ کے ساتھ پڑھنے کی بجائے " اُنثیً " تنوین کے ساتھ بار بار غلط پڑھا، اور مغالطہ کی وجہ یہ تھی کہ موصوف اس آیت کو جس تفسیرِ قرآن میں سے دیکھ کر پڑھ رہے تھے اس میں عبارت کے اوپر حرکات (زیر زبر اور پیش لگی ہوئی) نہ تھیں۔ آخر حاضرین میں سے علمائے کرام و حفاظ نے موصوف کو لقمہ دیا کہ اسے " اُنثیً " تنوین کے ساتھ نہ پڑھیے بلکہ الف مقصورہ کے ساتھ یعنی " اُنثیٰ " پڑھیے تب جناب نے اسے درست کرکے پڑھا اور یہ بات دیال سنگھ لائبریری کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ نیز خود اسی حدیث میں آگے چل کر اس کا ثبوت موجود ہے کہ غَشِیَ فعل کا فاعل، اللہ تعالیٰ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا " نورِ مبارک " ہے۔ چنانچہ اس کے بعد، حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

وقالوا ربنا، من غشینا نورہ؟ فقال اللہ تعالیٰ ھذا نور محمد بن عبد اللہ (تا آخر) (مواہب لدنیہ ج ۱ صـ)

اور انہوں نے عرض کی، اے ہمارے رب کس کا نور ہم پر چھا گیا یا کس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ماند کر دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد بن عبد اللہ کا نور ہے۔

حدیث کے ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ ڈھانپنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی طرف، ہمیں طاہر القادری صاحب کی ناقص علمی اور کم علمی پر از حد تعجب ہے کہ الفاظ حدیث کی اس قدر وضاحت کے باوجود وہ اس کی ترکیبِ نحوی نہ سمجھ سکے۔ لیکن یہ جب ممکن تھا کہ موصوف نے باقاعدہ درسِ نظامی پڑھا ہوتا، سمجھا ہوتا اور جس نے اپنے علم و عرفان کے دعویٰ کی بنیاد ہی محض تصنع پر رکھی ہو وہ علمی میدان میں ایسی ٹھوکریں ہی کھائے گا۔ قرآن و حدیث اور فقہ کا صحیح ادراک و فہم محض ایل ایل بی اور دیگر رسمی ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوا کرتا۔

؎ کھیل بچوں کا ہُوا دیدۂ بینا نہ ہُوا

۴۔ اسی حدیث میں پروفیسر طاہر القادری نے معنوی طور پر چوتھی تحریف یہ کی ہے کہ حدیثِ مبارک کے الفاظ

"اشهد عليكم"

کا ترجمہ "میں خود تمہارے نبوت محمدی پر ایمان لانے پر گواہ ہو جاتا ہوں" غلط کیا ہے۔

کیونکہ مواہب لدنیہ کی عبارت "أأشهدُ عليكم" میں دو ہمزے موجود ہیں ایک متکلم کا اور دوسرا ہمزہ استفہام کا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔

"کیا میں تم پر گواہ ہو جاؤں؟ انہوں نے عرض کی ہاں الخ"

اور یاد رہے کہ مواہب لدنیہ کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ہمزۂ استفہام عبارت میں موجود ہے اور بعض نسخوں میں ہمزۂ استفہام عبارت میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے۔ مگر ترجمہ میں اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ شرح مواہب میں ہے۔

"أ (أشهد عليكم) بحذف همزة الاستفهام المقدرة" — یعنی أأشہد ہمزۂ مقدرہ کے حذف کے ساتھ۔

(شرح مواہب ج ۱ ص۲۲۱)

لیکن طاہر القادری صاحب نے مواہب لدنیہ کے جس نسخہ سے عبارت نقل کی ہے اس میں ہمزۂ استفہام موجود ہے، کیونکہ انہوں نے صفحہ نمبر ۸ کا حوالہ لکھا ہے اور میرے پاس بھی وہ عبارت اسی صفحہ نمبر ۸ پر موجود ہے۔ لہٰذا نسخہ ایک ہی ہے لیکن پروفیسر صاحب اپنی نااہلی کی وجہ سے کتاب سے استفادہ کرنے سے قاصر ہے

اور عبارت کا ترجمہ و مفہوم کچھ سے کچھ کر ڈالا۔ اگر آج کوئی غیر مسلم قرآن و حدیث کے اس طرح غلط ترجمے کرتا تو اسکے خلاف مسلمانوں کی طرف سے ضرور صدائے احتجاج بلند ہوئی ہوتی لیکن اب اس لیے سب خاموش ہیں کہ یہ کام غیر مسلم کی بجائے ایک ایسا شخص انجام دے رہا ہے جو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درس اور شب بیداریوں کے نام پر سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

تحریفِ حدیث نمبر ۵

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی معنوی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی ایک اور کرشمہ ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنی اسی کتاب " فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" کے صفحہ ۴۲ پر درج ذیل حدیث اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی۔

(ترجمہ) مسلمانوں کی باہمی محبت اور رحمت و مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو۔ جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔

جناب علامہ ڈاکٹر و پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس حدیث میں چار غلطیاں فرمائی ہیں۔

۱۔ "المؤمنین" کا معنی "مسلمانوں" کیا جب کہ اس کا صحیح معنی "سارے مسلمانوں" ہے۔ کیونکہ یہ جمع مذکر سالم ہے۔ جیسے "رَبُّ الْعَالَمِین" کے معنی "سارے جہان" "سارے جہان والوں کے پروردگار" کے کرتے ہیں۔ رب کے معنی پروردگار یا مالک اور "العالمین" کے معنی "سارے جہان والوں یا سارے جہانوں" کا کرتے ہیں۔ یونہی "مثل المؤمنین" میں بھی "سارے مسلمانوں" کا ترجمہ کرنا ہوگا صرف "مسلمانوں" کا ترجمہ غلط ہے۔

۲۔ موصوف نے دوسری غلطی یہ فرمائی کہ حدیث میں تو سارے مسلمانوں کی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے اور یوں فرمایا گیا ہے کہ باہمی محبت و رحمت اور باہمی عطوفت میں سارے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب منشاءِ مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے برعکس تمثیل کو محبت ومودت سے متعلق فرما رہے ہیں۔ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں "المومنین" مُمَثَّل یا ممثل لھم" ہیں (جن کی مثال بیان فرمائی گئی اور ان کی باہمی محبت ورحمت اور عطوفت، ممثل فیھا، ہے۔ (جس کے بارے میں مثال بیان فرمائی گئی) اور "الجسد" ممثل بہ (جس کے ساتھ مثال دی گئی) ہے یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہیں جن کا وجود ہر تمثیل میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب کی نادانی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے ترجمۂ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں " ممثل فیھا"، کو ہی "ممثل" یا "ممثل لہٗ" بنادیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین! کچھ سوچیے تو سہی کہ پروفیسر صاحب کا دعویٰ کس قدر بڑا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قرآن وسنت، دین اسلام کی خدمت وترقی کی ذمہ داری سونپی ہے" (بحوالہ قومی ڈائجسٹ) لیکن علمی پسماندگی اور رعونت کا یہ حال ہے کہ اسی سرکار ابد قرار روحی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مقدس کا ترجمہ کرنے لگتے ہیں تو کچھ سے کچھ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منشأ عالی کے بھی برعکس کر جاتے ہیں کاش کہ طاہر القادری صاحب اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس کرتے ہوئے اس قسم کے مصنوعی دعووں سے باز آتے بلکہ اپنی غلط بیانیوں سے علانیہ رجوع الی اللہ کرتے ؎

دیکھو تو ذرا یہ حالت زار
کیوں زعم خویش میں ہو گرفتار

۳۔ موصوف نے اس حدیث کے ترجمہ میں تیسری غلطی یہ فرمائی کہ "توادّ" کے معنی باہمی محبت، اور "تراحم" کے رحمت اور "تعاطف" کے معنی پھر "مودت" کر ڈالے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

الفاظ	پروفیسر صاحب کے معانی	صحیح معانی
۱. فی توادّھم	باہمی محبت	باہمی مودت (محبت) کرنے میں
۲. تراحمھم	رحمت	باہمی رحمت (مہربانی) کرنے میں
۳. تعاطفھم	مودت	باہمی احسان کرنے میں۔

پروفیسر صاحب "تواد" جو پہلا لفظ تھا جس کے معنی "باہمی محبت کرنے" کے ہیں لیکن موصوف نے اس کا ترجمہ لفظ محبت سے کر ڈالا۔ جس کے معنی پہلے محبت کے کیے تھے۔ یہ ہے اس شخص کی حدیث دانی کا حال جو اپنی علمی و اجتہادی اور بشارتی مصنوعی دعوؤں کے ذریعے سادہ لوح قوم سے لاکھوں روپے وصول فرما رہے ہیں اور قوم کو صحیح علم دینے کی بجائے جہالت اور غلط فہمیاں دے رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے ساتھ ساتھ دعویٰ ہے علیہ السلام کا۔ جب کہ "تعاطفھم" یعنی حدیث کے لفظ نمبر ۳ کے معنی، مودت کے نہیں، "خوش خلقی کے ساتھ باہمی فضل و احسان" سے پیش آنے کے ہیں۔ ملاحظہ ہو امام ابو الفضل مصری، لسان العرب میں لکھتے ہیں

رجل عاطف و عطوف: عائد بفضلہ حسن الخلق قال اللیث: العطاف: الرجل الحسن الخلق العطوف علی الناس بفضلہ (الی ان قال) وتعاطفوا ای عطف بعضہم علی بعض۔

(لسان العرب ج ۹ صفحہ ۲۵۹)

رجل عاطف اور عطوف، اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو خوش خلق ہو احسان کے ساتھ "عود" کرنے والا ہو یعنی بار بار احسان کرنے والا۔ امام لیث نے کہا، عطّاف، وہ شخص جو خوش خلق ہو لوگوں پر بہت احسان کرنے والا ہو آگے چل کر فرماتے ہیں، تَعَاطَفُوْا (یا تعاطف) کے معنی ہیں لوگوں کا ایک دوسرے پر احسان کرنا۔

۴۔ پروفیسر صاحب نے اس حدیث میں چوتھی غلطی یہ فرمائی۔ یا حدیث کے معنی میں تحریف فرمائی کہ حدیث کے لفظ "الحمّٰی" کا معنی "بے آرام" کا کیا۔ حالانکہ عربی زبان پر معمولی سا عبور رکھنے والا بھی ایسا غلط معنی نہیں کرے گا۔ "الحمّٰی" کا معنی "بخار" کا ہے ملاحظہ ہو مصباح اللغات میں ہے۔

"الحمی" بخار (مصباح اللغات صہ ۱۵۴ طبع دہلی)

لسان العرب میں ہے۔

"الحمی" علة یستحر بها الجسم۔ (لسان العرب ج ۱۲ صہ ۱۵۵)

"حُمّٰی" ایک بیماری ہے جس سے جسم گرم ہو جاتا ہے۔
(لسان العرب ج ۱۲ صہ ۱۵۵)

لیجیے۔ عربی میں "حُمّٰی" بخار کو کہتے ہیں مگر حضرت علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر طاہر القادری صاحب مع القابہ، اس کے معنی "بے آرام" کے فرما رہے ہیں۔ بے آرامی اور بخار میں جو فرق ہے۔ اسے واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ بخار کو بے آرامی تو لازم ہے مگر بے آرامی کو بخار لازم نہیں۔ کیونکہ بے آرامی کے اسباب کئی ایک اور بھی ہو سکتے ہیں۔

تحریف حدیث نمبر ۶

پروفیسر صاحب قرآن پاک کی طرح حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوں میں بھی غلطیاں کر کے اس کی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تحریف حدیث کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ پر ایک حدیث اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ ہم اس کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں۔ جس کے معنی میں غلطی کی گئی ہے۔

فان اللہ عزوجل لن یجمع امتی الا علی ھدی

(ترجمہ) کیونکہ اللہ رب العزت میری امت کو سوائے ہدایت کے کسی غلط بات پر جمع نہیں ہونے دے گا۔

پروفیسر صاحب نے یہاں بھی "لَنْ" کا معنی "نہیں" سے کیا ہے جو غلط، عربی گرامر کے خلاف اور منشاء مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھی برعکس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو "تاکیدی" انداز سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر پروفیسر صاحب نے کلام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی انداز کو اڑا دیا۔ اور یوں معنی فرمایا کہ "جمع نہیں ہونے دے گا" جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "اللہ عزوجل میری امت کو ہرگز جمع نہیں کرے گا مگر ہدایت پر" موصوف نے "ہرگز نہیں" کی بجائے صرف "نہیں" سے ترجمہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی فرمان کو غیر تاکیدی بنا ڈالا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق۔

قارئین! یقین فرمائیے کہ طاہر القادری صاحب نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی مذاق کیا یا اس کی بُری طرح لفظی اور معنوی تحریف و تبدیل کر ڈالی۔ ملاحظہ ہو اپنی کتاب "اجزائے ایمان" کے صفحہ ۲۰ پر حصہ دوم میں فرماتے ہیں۔

"اور حضرت فاروق اعظم کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے

ان اللہ یرفع بھا اقواما ویضع بھا آخرین

کچھ قوموں کو اس کے صدقے رفعت و سربلندی نصیب ہوتی ہے جب کہ کچھ قومیں اس کے اصولوں کو چھوڑنے کی بنا پر ذلیل و خوار ہوتی ہیں"

اس میں موصوف نے حدیث کی عبارت بھی غلط لکھی ہے اور اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا حالانکہ ان کا قول نہیں بلکہ یہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عبارت کی غلطی تو یہ ہے کہ لفظ "بھا" دو بار لکھ کر زبردست جہالت کا ثبوت دیا کہ اس میں "ھا" ضمیر مؤنث ہے۔ جب کہ کتاب عربی زبان میں "مذکر" استعمال ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم اردو زبان کے محاورہ میں "کتاب" کو مؤنث کے طور پر استعمال کرتے ہیں موصوف کو بھی شاید اسی سے مغالطہ لگا ہے۔ جب کہ ایسا مغالطہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں لگ سکتا جس نے درس نظامی اور خصوصاً عربی گرامر پڑھی ہو۔ دیکھئے قرآن میں "کتاب" کے ساتھ اسم اشارہ "ذلک" "ذلک الکتاب" مذکر کا استعمال ہوا ہے۔ مگر موصوف کے حافظہ میں قرآنی مثالیں کہاں ہوں گی۔ ان کے حافظہ میں تو اس بات کی ہوس ہی سمائی ہوئی ہے کہ پوری دنیا میں "منہاج القرآن" کے دفتر کھولے جائیں اور زیادہ سے زیادہ ممبر و رفیق بنا کر زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی

بسر کی جاتے ۔ ہمیں کیا۔ خدا کرے موصوف کی دو کان اور ہی زیادہ چمکے ۔ ہمیں تو صرف ان سے ہمدردی ہے کہ وہ گمراہی کے راستہ سے باز آجائیں اور اپنی اوقات سے باہر نہ ہوں اور اپنی کم علمی کا احساس کریں اور قرآن وسنت کو اپنی جہالتوں کا تختۂ مشق نہ بنائیں عجب کہ حدیث شریف کا صحیح متن اس طرح ہے ۔ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

"قال عمر اما ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین

(ترجمہ) حضرت عمر نے فرمایا، خبردار تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) سے کچھ قوموں کو اونچا کرے گا اور دوسروں کو اس پر عمل نہ کرنے سے ذلیل وخوار کریگا۔

جس شخص کی حدیث دانی کا یہ عالم ہو وہ یہ دعویٰ کرے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کی کشتی کا واحد ناخدا بنایا ہے ۔ نہایت شرم کی بات ہے

طاہر صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھتے وقت شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث بھول گئی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کو جہنمی قرار دیا سے

ذبح کرنے چلے ہو کچھ تمہیں معلوم ہے
کیا سزا قانون میں ہے قتل کے اقدام کی!

تحریف حدیث نمبر ۷

جناب طاہر القادری کے ترجموں کی غلطیاں شمار سے بھی باہر ہیں۔ کچھ تو قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث وارشاد کے حوالے سے ایک عبارت مع ترجمہ فرماتے ہیں۔

فکانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیرا من ایدیھم لانفسھم

(ترجمہ) یہ بیعت دوسرے لوگوں کے ہاتھوں سے اچھی تھی۔

(اجزائے ایمان حصہ دوم ص۱۱۱)

جناب اس میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غائبانہ بیعت سے متعلق عبارت کا جو ترجمہ فرماتے ہیں اس سے بیعت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جو عبارت مذکورہ کا نہ ترجمہ ہے اور نہ ہی مفہوم۔ بلکہ اس کا ترجمہ یوں ہے

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک عثمان کے لئے بہتر تھا ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ کے لئے۔"

اس میں ہاتھ کی فضیلت تھی لیکن جناب طاہر صاحب نے اسے بیعت کی فضیلت ٹھہرا کر موضوع کو ہی بدل ڈالا۔

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں
چلنے لگیں اب اور ہی ہوائیں

ابو حذیفہ یا حذیفہ ؟

جناب طاہر صاحب نے اسی کتاب اجزائے ایمان حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۲ پر ایک حدیث بیان کی جسکا ترجمہ ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ لمبا خطبہ دیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وقت سے لیکر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کا ذکر کیا حدیث کے الفاظ یہ ہیں "قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ، ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ ، الخ" اس حدیث شریف کے راوی حضرت حذیفہ ہیں مگر جناب نے حذیفہ کی بجائے "ابو حذیفہ" لکھ دیا۔

قارئین غور فرمائیں کہ یہ ایک مشہور حدیث ہے اور اس کے راوی حضرت حذیفہ اس حدیث کے حوالے سے نہایت ہی مشہور نام والے صحابی ہیں بلکہ اس حدیث کو سنی لوگ بکثرت یاد رکھے ہوتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے مگر موصوف کو ان کا صحیح نام تک معلوم نہیں یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کی پہلی حدیث ہے۔ خود دیکھ لیجئے۔ کہ اس کی روایت کرنے والے صحابی کا نام ابو حذیفہ ہے، یا حذیفہ ؟ یقیناً حذیفہ ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا طالبانِ تحقیق کو غلط معلومات بہم پہنچانے والا اس بات کا اہل ہو سکتا ہے کہ لسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین کی خدمت کی ذمہ داری سونپیں اور اسے حکم دیں کہ "تم ادارہ منہاج القرآن بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا" ہرگز ہرگز نہیں۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ۔ یہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم پر کھلا بہتان ہے ؛

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

پر بہتان اور علم حدیث سے جہالت۔

راقم نے جناب طاہر کی ایک کیسٹ میں بھری ہوئی تقریر سنی یہ کیسٹ بہت سے حضرات کے پاس موجود ہوگی۔ حوالہ ملاحظہ ہو " درس قرآن مورخہ ۹/۸۳/۲۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۵۱ تفسیر "كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ (عمل وضاحت) قسط نمبر ۲" اس میں جناب ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کی چار دیواری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ فرمایا۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ عقل وشعور کی روشنی میں کچھ سوچیں اور غور فرمائیں کہ کیا گھر کی چار دیواری کے اندر دوڑ میں مقابلہ ممکن تھا؟ گھر کی چار دیواری کے اندر دوڑ میں مقابلہ تسلیم کرنے کی صورت میں، گھر کی چار دیواری کس قدر عریض و وسیع ہونی چاہیئے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی ایک ایکڑوں پر مشتمل کوٹھی اور بنگلے میں رہتے تھے کہ اس کا صحن اس قدر وسیع ہوتا تھا کہ وہاں دوڑ میں مقابلہ ہوا کرتا تھا۔؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ حبیب خدا، شفیع روز جزا، آقائے دو جہان، سید انس وجان حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والثناء الی یوم الجزاء، ایک تنگ حجرہ میں قیام رکھتے تھے جس کا صحن اس قدر محدود ہوتا کہ چار دیواری پر حاضر ہونے والے کی معمولی سی آواز بھی سماعت شریف کو مضطرب کر ڈالتی تھی جیسا کہ آیت کریمہ " ان الذین ینادونک من وراء الحجرات" (سورۂ حجرات) سے ظاہر ہے وہاں اس قدر وسعت کہاں کہ دوڑ میں مقابلہ کیا جا سکے۔ دراصل منکر اسلام و مفسر قرآن و

علامہ و ڈاکٹر و پروفیسر کہلانے والے اور ان القاب کے قطعاً نا اہل، جناب طاہر القادری نے کسی سے سُن سنا کر اس حدیث و روایت کو غلط بیان کر کے سامعین کو مغالطہ میں ڈالا۔ یہ دوڑ میں مقابلہ کا معاملہ گھر کی چار دیواری کا ہرگز نہیں یہ تو دوران سفر کا واقعہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ اپنی مسند شریف میں اس حدیث کو روایت فرماتے ہیں۔

سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی بعض اسفارہ وانا جاریۃ لم احمل اللحم ولم ابدن فقال للناس تقدموا فتقدموا ثم قال لی تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقتہ فسکت عنی حتی اذا حملت اللحم وبدنت فنسیت خرجت معہ فی بعض اسفارہ فقال للناس تقدموا فتقدموا ثم قال تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقنی فجعل یضحک وھو یقول ھذہ بتلک۔

(مسند امام احمد ج ۶ صہ ۲۶۴)

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ کسی سفر میں نکلی اور میں پتلی دُبلی لڑکی تھی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے لوگوں سے فرمایا۔ آگے چلو، وہ آگے چلے گئے پھر مجھ سے فرمایا۔ آؤ دوڑیں، میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے آگے نکل گئی۔ پس آپ خاموش رہے مجھ سے کوئی بات نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ میں جسیم و موٹی ہو گئی اور اس دوڑ کو بھول گئی (اور) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر کو نکلی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں سے فرمایا۔ آگے چلو تو وہ آگے چلے گئے پھر فرمایا، آؤ دوڑ لگائیں۔ پس میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجھ سے آگے نکل گئے بس ہنستے اور فرماتے

جاتے یہ اُس کا بدلہ ہو گیا۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ واقعہ تھا سفر کا مگر خود ساختہ علامہ نے اسے چار دیواری میں بند کر دیا، اس قدر سوچنے کی توفیق نہ ہوئی کہ بات دوڑ کی ہو رہی ہے۔ دوڑ کی ہی نہیں، دوڑ میں مقابلہ کی، اس کے لئے کس قدر فاصلہ مطلوب ہو گا اور چار دیواری اس کی متحمل کہاں، لیکن یہ علامہ سمجھتے ہیں کہ اس سادہ لوح قوم میں اس قدر سوچنے کا مادہ کہاں اگر یہ قوم اس قدر فکر و سوچ والی ہوتی تو میری ایکٹنگ اور شور و غل پر مشتمل اور مغز و روح سے خالی لفاظیت پر مبنی تقریر سے کیوں متاثر ہوتی۔ لہٰذا جو جی میں آئے اور جیسے آئے ویسے بیان کر کے اس قوم سے دادِ تحسین حاصل کی جائے۔ راقم جناب طاہر کی خدمت میں اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہے کہ ؎

پاؤں نہ پھیلاؤ اتنا بے خطر اے خود سرد
خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو

توجّہ

جناب طاہر القادری کی کم علمی اور کج فہمی پر جس قدر بھی کہا یا لکھا جائے کم ہے۔ موصوف کی عربی دانی کا یہ حال ہے کہ معمولی سی نوعیت کی اور بالکل آسان فہم کی عربی عبارات تک کا صحیح معنی سمجھنے سے عاری اور قاصر نظر آتے ہیں۔

تقوٰے کا غلط معنی

جناب طاہر القادری صاحب نے اپنی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟" کے صفحہ ۳۵ پر امام راغب اصفہانی کی کتاب المفردات سے تقوٰی کا معنی لکھتے ہیں پھر اس کا ترجمہ بھی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

التقوىٰ حفظ الشئ مما یوذیه ویضره۔

(ترجمہ) تقوٰی سے مراد ہر اس چیز سے محفوظ رہنا ہے جو تکلیف اور نقصان پہنچائے۔

اس میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ عبارت کے نقل کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ امام راغب کی عبارت میں لفظ "التقوىٰ" نہیں "الوقاية"

چونکہ موصوف "تقوىٰ" کے موضوع پر لکھ رہے تھے اور "مفردات امام راغب" سے جو حوالہ نقل کرنا چاہتے تھے اس میں لفظ "تقوىٰ" نہیں "وقاية" ہے لیکن جناب موصوف نے یہ خیال کر کے کہ ان کے ارد گرد جمع ہونے والے علم سے کورے ہیں ان کی لکھی ہوئی عبارت کو کس نے دیکھنا ہے "وقاية" کے لفظ کی جگہ "التقو

ٹکر ٹکر کام چلتا کیا۔

ع اندھیر نگری چوپٹ راجہ

جب کہ دراصل امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ کی عبارت یوں ہے۔

"الوقایۃ حفظ الشیٔ مما یؤذیہ ویضرہ" (المفردات ص ۵۳۰)

یعنی "وقایہ" کا معنی کسی شیٔ کی ہر اس چیز سے حفاظت کرنا ہے جو اسے ایذاء یا نقصان پہنچا سکتی ہو۔

جناب طاہر القادری نے "الوقایۃ" کی جگہ "التقویٰ" کا لفظ رکھ کر علمی بددیانتی کا ارتکاب کیا۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ "حفظ الشیٔ" کے معنی "محفوظ رہنا" کئے جب کہ اس کے معنی "محفوظ کرنا" ہے، محفوظ رہنا نہیں۔ دونوں معنوں میں بڑا فرق ہے "محفوظ رہنا" فعل لازم ہے اور اس کا تعلق صرف ایک ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی فاعل ہوتی ہے لیکن محفوظ رکھنے کا تعلق دوسری چیز یا دوسرے شخص کے ساتھ ہے اور یہ فعل متعدی ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب کو اس قدر باریکیوں میں جانے اور سوچنے کی فرصت کہاں انہیں تو جلدی جلدی کتابیں تصنیف کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس دور کا سب سے بڑا مصنف کہلوا کر سادہ لوح عوام پر اپنا رعب قائم فرمانا ہے۔

پھر موصوف اپنی اسی کتاب "فرقہ بازی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟" کے صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"تقویٰ کی تعریف ایک مقام پر ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے "التقویٰ حفظ النفس عما یؤثم (المفردات) ترجمہ لکھتے ہیں، تقویٰ سے مراد ہر اس شیٔ سے بچنا ہے جو گناہ میں مبتلا کر دے۔"

موصوف نے یہاں تین غلطیاں کی ہیں ۔

۱۔ یہ کہ ان کا کہنا کہ "ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے" ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے مفردات کے حوالے سے جو عبارت پہلے تحریر فرمائی تھی ۔ جس پر ہم نے کچھ عرض بھی کیا ہے ۔ اسے بھی موصوف نے تقویٰ ہی کی تعریف قرار دیا حالانکہ وہ تقویٰ کی تعریف نہ تھی وہ تو "وقایۃ" کے معنی تھے

۲۔ دوسری غلطی یہ کی کہ المفردات کی مکمل عبارت نقل نہیں کی حالانکہ اس کا نقل کرنا ضروری تھا ۔ مکمل عبارت یوں ہے ۔

وصار التقوی فی تعارف الشرع حفظ النفس عما یؤثم (المفردات ص۵۳۱)	یعنی تقویٰ شریعت کے عرف میں "ہر اس چیز سے نفس کی حفاظت کرنا قرار پایا جو گناہ کا موجب ہو"

۳۔ تیسری غلطی یہ فرمائی کہ یہاں بھی لفظ "حفظ" کے معنی "بچانا" کے کئے حالانکہ اس کے معنی بچانے اور حفاظت کرنے کے ہیں ۔

*

سلسلہ تحریفات

اقوالِ بزرگانِ دین

طاہر القادری نے قرآن وسنت کی طرح اقوالِ بزرگانِ دین پر بھی ہاتھ صاف کئے ہیں اور ان میں بھی تحریفیں کیں یا جہالتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس کی اپنی کتابوں اور کیسٹوں کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

بزرگانِ دین کے اقوال میں معنوی تحریف

پروفیسر طاہر القادری کی تحریف کرنے کی جو عادتِ شریفہ ہے نہ صرف قرآن و سنت
ں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ بزرگانِ دین و ائمہ مجتہدین کے اقوالِ شریفہ بھی ں
ں زد میں آرہے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ان میں سے ایک مثال پیش
دمت ہے۔ اپنی اسی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۵۵ پر موہب لدنیہ
ے ایک حوالہ نقل کرتے پھر ساتھ ہی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

فقال الحافظ ابو یعلیٰ
همدانی الاصح أن العرش
بل القلم

(ترجمہ) حافظ ابو یعلیٰ ہمدانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ قلم سے پہلے عرش کو پیدا کیا گیا۔

امام ابو یعلیٰ علیہ الرحمۃ نے تو لفظ "الاصح" ارشاد فرمایا جو عربی گرامر کی رو سے اسم
ضیل کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں "زیادہ صحیح" لیکن پروفیسر صاحب نے اپنی کم علمی و
فہمی کی بنا پر یوں ترجمہ کر ڈالا۔ "صحیح یہ ہے کہ قلم سے پہلے عرش کو پیدا کیا گیا۔ جب کہ
صحیح کا مقابل غلط اور اصح کا مقابل صحیح ہوتا ہے۔ لفظ "صحیح" صیغۂ صفت مشبہ ہے
جب کہ "اصح" اسم تفضیل ہے۔ امام ابو یعلیٰ نے لفظ اصح (زیادہ صحیح) بلکہ کہ اس
ت کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ اس کے علاوہ بھی ایک قول ہے اور وہ صحیح ہے لیکن
ہیں کہہ رہا ہوں یہ زیادہ صحیح ہے مگر پروفیسر طاہر القادری نے اس کا ترجمہ "صحیح"
۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کے علاوہ جو قول ہے وہ صحیح ہی نہیں بلکہ غلط
ہے۔ گویا مصنف علیہ الرحمۃ کچھ کہنا چاہتے تھے ان کے ترجمان کچھ کہہ گئے حیرت ہے
طرف دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کا دعویٰ اور دوسری طرف قرآن و سنت اور بزرگوں

کے کلام وارشاد کی ترجمانی میں بے راہ رویوں اور بے اعتدالیوں کا یہ عالم ہے

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں!

باہر ہے اختیار سے ان کی زباں ابھی
چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں
گو کھینچتے ہیں پر نہیں کھنچتی کماں ابھی

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ پروفیسر صاحب، اسم تفضیل اور صیغہ صفت مشبہ میں تمیز و تفریق تک سے ناواقف ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کاموں پر مامور فرمایا۔ لاحول ولا قوۃ۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی جملہ کتابیں بھی اسی قسم کی اغلاط و تحریفات سے بھری پڑی ہیں۔ ؎

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

خطبۂ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معنوی تحریف

جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب کی تحریفات کی زد میں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کا خطبہ بھی آگیا۔ چنانچہ موصوف نے اپنی اسی کتاب "فرقہ پرستی..." کے صفحہ ۱۱۷ پر نہج البلاغۃ کی دوسری جلد ہی سے خطبۂ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نقل کر کے اس کا ترجمہ فرمایا۔ اس میں موصوف نے بہت سی غلطیاں فرمائیں مگر ہم وہ حصہ نقل کر رہے ہیں جس میں نہایت ہی فحش غلطی بلکہ بری طرح تحریف کر ڈالی۔ ملاحظہ ہو۔

وسیھلک فی صنفان: محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق۔ (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۸)	(ترجمہ) میرے بارے میں دو گروہ ہلاکت کا شکار ہوں گے۔ پہلا وہ گروہ جس نے میرے ساتھ محبت میں غلو کیا اور حق کے راستے سے دور چلا گیا دوسرا وہ جس نے میرے ساتھ غلو کیا اور گمراہ ہوا۔

(نوٹ) پروفیسر صاحب نے نہج البلاغۃ کا صفحہ ۱۱/۱۲ لکھا ہے لیکن میرے نسخہ کا صفحہ ۸ ہے۔

امیر المومنین و مولائے مسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اس ارشادِ گرامی کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے پانچ غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ "یذھب بہ الحب الی غیر الحق" کا ترجمہ غلط کیا یعنی "حق کے راستے سے دور چلا گیا" حالانکہ "یذھب بہ" باء حرف جر کی وجہ سے متعدی ہو گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اس قاعدہ صرفیہ جسے دینی مدارس کے ادنیٰ طالب علم بھی یاد کئے ہوئے ہوتے ہیں سے بھی ناواقف ہیں۔ کہ "ذَھَبَ" فعل

لازم ہے۔ اس کے معنی ہیں "وہ گیا" اور اس کا فعل مضارع "یذھب" ہے جس کے معنی ہیں وہ جاتا ہے یا جائے گا۔ لیکن جب اس کا صلہ حرف "با" آجائے تو متعدی ہوجاتا ہے، جیسے "ذَھَبَ بہ" وہ اسے لے گیا۔ "یذھب بہ" وہ لے جاتا ہے یا لے جائے گا۔" موصوف نے اسی ایک جملہ میں دراصل دو غلطیاں کی ہیں ایک "یذھب بہ" کے معنی لازم کے کئے حالانکہ یہ متعدی ہے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے معنی ماضی کے کئے۔ حالانکہ یہ فعل مضارع ہے جس کے معنی ہیں حال اور مستقبل کا زمانہ پایا جاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح دوسرے جملہ "یذھب بہ البعض الی غیر الحق" کے معنی بھی غلط کئے۔ یعنی "اور گمراہ ہوا" اس میں بھی موصوف نے دو غلطیاں کی ہیں

ا۔ "یذھب بہ" حرف "با" کی وجہ سے فعل متعدی ہے۔ لیکن موصوف نے اسے فعل لازم بنا دیا۔ اس لئے فعل لازم والا معنی کیا۔

اا۔ دوسری غلطی یہ کی کہ "یذھب بہ" فعل مضارع ہے لیکن موصوف نے اس کا معنی فعل ماضی کا کیا اور پانچویں غلطی یہ کی کہ حرف "س" جو "سَیَھْلِکُ" میں موجود ہے اس کا معنی چھوڑ دیا اور یوں معنی کیا "میرے بارے میں دو گروہ ہلاکت کا شکار ہوں گے۔" پروفیسر صاحب کے اس ترجمہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس پیش گوئی کا تعلق مستقبل قریب کے ساتھ ہے یا مستقبل بعید کے ساتھ۔ مگر جب "س" کا معنی بھی کیا جائے تو اس کے معنی مستقبل قریب میں ایسا ہونے کے ہیں۔ چنانچہ درایہ شرح ہدایۃ النحو میں ہے کہ

انما قدم السین علی سوف لدلالۃ علی الاستقبال القریب (درایہ ص۲۶ طبع دہلی)	کہ صاحب ہدایۃ النحو نے سین کو سوف سے اس لئے پہلے بیان کیا کہ سین مستقبل قریب پر دلالت کرتا ہے۔

آئیے۔ اس کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

"مستقبل قریب میں، میرے بارے میں دو گروہ ہلاک۔ (مستحقِ عذاب) ہوں گے ایک حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا (محبت میں حد سے بڑھنا) اسے گمراہی کی طرف لے جائے گا اور ایک بغض میں حد سے بڑھنے والا (بغض) اسے گمراہی کی طرف لے جائیگا"

قارئین! غور فرمائیں اور نظر انصاف سے دیکھیں کہ جس میں قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے معنوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو پھر اس کے نام کے ساتھ علامہ ڈاکٹر اور پروفیسر کے القاب لگائے جاتے ہوں۔ کیا اس میں ان القاب و خطابات کی توہین نہیں ہے ؎

ہٹ چھوڑیئے بس اب سرِ انصاف آئیے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تک

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی میں تحریف

پروفیسر صاحب نے حسبِ عادتِ شریفہ، امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشادِ گرامی کے معنی نقل کرتے ہوئے اس میں بھی تحریف کر ڈالی۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" کے صفحہ ۱۵/۲۷ پر امام صاحب کا ارشادِ گرامی اور اس کا ترجمہ نقل فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے تابعین کے بارے میں فرمایا۔

فھم رجال و نحن رجال (۱۵) ھم رجال اجتھدوا و نحن رجال نجتھد (۲۷)	سو وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں وہ بھی انسان تھے جنہوں نے اجتہاد کیا اور ہم بھی انسان ہیں ہم اجتہاد کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کی کم علمی یا عربی الفاظ کے معنوی تقاضوں سے بے اعتنائی و بے احتیاطی کا حال ملاحظہ فرمائیں کہ صفحہ ۱۵ اور صفحہ ۲۷ پر دونوں عبارتوں میں وارد لفظ "رجال" کے معنی "انسان" کے کر ڈالے۔ حالانکہ عربی کی معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے طالب علم بھی کبھی ایسی غلطی نہیں کریں گے کہ "رجال" کے معنی "انسان" کے کریں۔ "رجال" "رجل" کی جمع ہے جس کے معنی "مرد" کے ہیں۔ انسان میں اور مرد میں بہت فرق ہے "انسان" ایک جنس ہے اور "رجل یا رجال" اس کی ایک نوع ہے۔ اصولِ فقہ کے طلبہ کو اصولِ فقہ کی پہلی کتاب "اصول الشاشی" کے شروع میں خاص کی بحث پڑھتے ہوتے ہی ان دونوں لفظوں کے درمیان فرق کا علم ہو جاتا ہے کہ "انسان" خاص جنسی اور "رجل" خاص نوعی ہے۔ کوئی بھی سمجھدار اور علم سے کچھ تعلق رکھنے والا شخص "رجل یا رجال" کا معنی انسان اور "انسان" کا معنی "رجل یا رجال" سے نہیں کرے گا۔ کیونکہ

"انسان" میں مرد اور عورت دونوں آجاتے ہیں۔ جب کہ "رجال" صرف مردوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب کے اجتہادِ نو کی روشنی میں شاید "رجل" اور "انسان" میں تساوی کی نسبت ہے اس اعتبار سے گویا پروفیسر صاحب کے نزدیک عورت انسان ہی نہ ٹھہری۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ وہ "عورتوں" پر انسان کے لفظ کا اطلاق نہ کریں۔ بلکہ ان کے لئے اپنے اجتہاد کی روشنی میں کوئی نیا ہی لفظ وضع فرمائیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہر صاحب سے شعور کی نعمت چھن گئی ہے۔

اور یہ ائمہ اربعہ کی کرامت ہے کہ جو شخص ان کی چوکھٹ سے پھر جاتا ہے اس سے عقل و شعور اور علم و عرفان کی نعمت چھن جاتی ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ سے پھرنا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے پھرنا ہے اور ایسے شخص کا انجام ذلت اور خواری کے سوا کچھ نہیں ؎

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

امام راغب کے کلام کی معنوی تحریف

پروفیسر صاحب نے امام راغب کے کلام کی بھی معنوی تحریف کر ڈالی چنانچہ موصوف اپنے رسالہ "معارف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے صفحہ ۹ پر ان کی عبارت نقل کرکے اس کا معنی لکھتے ہیں۔

ومحمد اذا کثرت خصاله المحمودة (مفردات ص ۳۸۵) (ترجمہ) اور محمد اسے کہتے ہیں جس کی قابل تعریف عادات حد سے بڑھ جائیں۔

ناظرین! پروفیسر صاحب نے امام راغب اصفہانی کی عبارت کا ترجمہ غلط کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی تعریف ہی بدل ڈالی۔ اس میں "حد سے بڑھ جائیں" معنی صحیح نہیں، غلط ہے اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"اور محمد اس وقت (کہا جائے گا) جب اس کی قابل تعریف عادتیں بہت ہوں"

پروفیسر صاحب کا "کثرت" کے معنی "حد سے بڑھ جانے" کے کرنا، ایک ایسی فاش غلطی ہے کہ ایک علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر اور عالم دین و عالم عربی زبان کے دعویٰ فرمانے والے شخص سے اس کا سرزد ہونا، نہ صرف تعجب خیز ہے بلکہ اس فحش غلطی سے ان کے یہ سارے دعوے بے حقیقت ہوکر رہ جاتے ہیں۔ نیز موصوف نے کتاب مذکور کا جو صفحہ ۳۸۵ لکھا ہے یہ کسی عربی نسخے کا صفحہ نہیں ہے۔ بلکہ مفردات کے اردو ترجمہ کا ہی صفحہ ہوسکتا ہے کیونکہ عربی والی کتاب کے صفحات کی تعداد "ح م د" کے مادہ تک ۳۸۵ کبھی نہیں ہوسکتے۔ مثلاً میرے پاس عربی کا نسخہ موجود ہے اس میں یہ عبارت صفحہ ۱۳۱ پر موجود ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ موصوف نے کسی اور صاحب کے ترجمہ کو ہی نقل کرکے مکھی پر مکھی ماری ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت حسانؓ رضی اللہ عنہ کے کلام میں معنوی تحریف

موصوف نے اپنے اسی رسالہ معارف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۶ پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو مشہور شعر نقل فرمائے اور ان کے یوں اعراب بھی لگائے ہے۔

وَاَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِيۡ
وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّءً مِنۡ كُلِّ عَيۡبٍ
كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَآءُ

ترجمہ :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خوبصورت شخص کسی ماں نے نہیں جنا"

پروفیسر صاحب نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان دو شعروں میں دو غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ یہ کہ حضرت حسانؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کر رہے ہیں۔ کیونکہ "مِنۡكَ" میں "كَ" کلمہ خطاب ہے۔ مگر پروفیسر صاحب کے ترجمہ میں خطاب کی بجائے غیبت پائی جاتی ہے جیسے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں اپنے خیال کا اظہار کر رہے ہوں۔

حالانکہ ترجمہ یوں ہونا چاہیئے۔

" یارسُول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھکر حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر خوبصورت بیٹا عورتوں نے نہیں جنا

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے۔ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے چاہتے تھے ویسے پیدا کئے گئے۔

۲۔ یہ کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "حسن" کی علی العموم توصیف کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء مبارکہ میں سے کسی ایک چیز کو مخصوص نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں ذکر حسن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کے ساتھ مختص کر ڈالا اور محدود بنا ڈالا۔ حالانکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کلام میں چہرہ اقدس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حسن بے مثال ہیں ؎

داستانِ حُسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
جب سمٹی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام بن گئی۔

امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے کلام میں معنوی تحریف

پروفیسر صاحب نے حسب معمول شریف، امام ابوصیری علیہ الرحمۃ کے کلام پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کی بھی معنوی تحریف فرما دی۔ اسی رسالہ کے صفحہ ۱۹ پر امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے قصیدہ بردہ شریف میں سے تین اشعار نقل فرمائے۔ اور ان کا ترجمہ بھی فرمایا۔

۱۔ فَهُوَالَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْباً بَارِئُ النَّسَمِ

○

۲۔ مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

○

۳۔ فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

ترجمہ:۔ " اللہ تعالیٰ نے آپ کے ظاہری اور باطنی حسن کو درجہ کمال تک پہنچایا اور پھر اپنی محبت کے لئے آپ کو منتخب کرلیا (الی ان قال) آپ کے جود و کرم کی کوئی حد ہے اور نہ علم و فضل کا کوئی ٹھکانہ ہے۔

ان تین اشعار کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے چار غلطیاں کرکے حضرت امام بوصیری رضا علیہ الرحمۃ کے کلام مبارک میں تحریف کر ڈالی۔

۱۔ یہ کہ فَهُوَالَّذِیْ میں "هُوَ" ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی۔ حالانکہ اس سے

مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ہیں۔

۲۔ یہ کہ "تَمَّ" فعل لازم ہے اور اس کا فاعل "معناہ" اور "صُوْرَتُہٗ" ہے۔ جس کے معنی ہیں "پورا ہوا" یا "کامل ہوا"۔ مگر موصوف نے "تَمَّ" کو متعدی قرار دے کر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بنا دیا۔ جو سراسر غلط بلکہ یہ پروفیسر صاحب کے "ترکیبِ نحوی سے کورے ہونے کی دلیل ہے۔

۳۔ یہ کہ "اِصْطَفَاہُ" کا فاعل "ھو" ضمیر مستتر ٹھہرالیا اور "باری النسم" کو ترجمہ میں سے اڑا دیا حالانکہ یہ فعل مذکور "اصطفاہ" کا فاعل ہے۔

۴۔ "ولَمْ یُدانوہُ فی علمٍ ولاکرمٍ" کا ترجمہ "آپ کے جود و کرم کی کوئی حد ہے اور نہ علم و فضل کا کوئی ٹھکانہ ہے" غلط کیا جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے" اور انبیاء علیہم السلام علم و کرم میں آپ کے قریب بھی نہیں ہوئے۔ عام محاورات میں کہتے ہیں" فلاں کو تو فلاں کی ہوا تک نہیں لگی"۔ لیکن ہم نے ادب کی وجہ سے قریب بھٹکنے کی بجائے قریب ہونے کا معنی کیا ہے۔

حضرت بایزید کے قول میں تحریف

پروفیسر صاحب اپنے رسالہ "شاہ ولی اللہ دہلوی اور فلسفہ خودی" کے صفحہ ۹ پر حضرت بایزید کا قول نقل کر کے ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں ہم صرف اس کا وہ ابتدائی حصہ درج کر رہے ہیں جس میں تحریف واقع ہوئی ہے (موصوف نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں)

غصت لجۃ المعارف الخ (ترجمہ) میں نے معرفت کے سمندروں میں غوطہ لگایا۔ (بحوالہ جواہر البحار)

۱۔ موصوف نے "لُجّۃ" کا معنیٰ "سمندروں" سے کیا جو غلط اور سراسر غلط ہے "لُجّۃ" کے معنی گہرے پانی کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سورہ نمل ۴۴) پھر جب بلقیس نے اس (صحن) کو دیکھا اسے گہرا پانی سمجھی۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ موصوف قرآن کے معنوں سے بھی بے خبر ہیں اور دعویٰ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امت کی کشتی کا ناخدا بنا دیا۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ عربی عبارت میں "المعارف" کا ترجمہ "معرفت" کیا حالانکہ یہ جمع ہے معرفت کی۔ ترجمع کا ترجمہ واحد سے کیا۔ جبکہ اس کلمہ کا صحیح ترجمہ معرفتوں ہے۔ "معرفت" واحد ہونے کی وجہ سے صرف ایک قسم کی معرفت کو شامل ہو گا۔ جب کہ حضرت بایزید بسطامی "المعارف" جمع کا لفظ لا کر کئی ایک قسم کی معرفتوں میں غوطہ زنی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی متعدد انواع و اقسام ہیں ۱ معرفت ذات ۲ معرفت صفات ۳۔ معرفت اسماء ۴ معرفت افعال۔ جب حضرت بایزید بسطامی "المعارف" جمع کا صیغہ ارشاد فرما کر معرفت کے متعدد انواع و اقسام میں غوطہ زنی کا اظہار فرما رہے ہیں تو ان کے ارشاد کا معنیٰ، واحد کے صیغے سے کرنا ان کی اس شان میں کمی کرنا ہے جس کا وہ اظہار فرما رہے ہیں۔

انبیاء سابقین کی نبوّت کے بارے میں جاہلانہ فلسفہ

قارئین! اس پروفیسر و علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے طاہر القادری کے اس جاہلانہ فلسفہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے جو اس نے انبیاء سابقین کی نبوّت کے بارے میں بیان کیا کہ ان کی نبوت کو ایک خاص زمانے اور خاص علاقے اور خاص قوم تک کیوں محدود رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "اجزائے ایمان" میں لکھتے ہیں۔

"یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بار بار نزول وحی کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ یہ کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت کا رستہ دکھایا جائے چونکہ ہر نبی کی نبوت اور اس کا دائرہ کار محدود ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ان کا پیغام بھی محدود انسانوں تک پہنچ پاتا تھا۔ رسل و رسائل اور تحریر و کتابت کی سہولتوں کے فقدان یا ان کے غیر تسلی بخش نظام کی بنا پر ان کے پیغامات دور دراز کے انسان تک نہیں پہنچ پاتے تھے اور زیادہ دیر تک محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے جب ایک نبی کا زمانہ نبوت ختم ہونے کو ہوتا تو کسی نئے سلسلے کو جاری کر دیا جاتا"

(اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۴۹)

قارئین! جناب طاہر القادری صاحب کا کہنا یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی ہدایت کے لئے کسی ایک ہی نبی کو بھیجنے کی بجائے زمین پر اس لئے بار بار وحی بھیجی اور انبیاء علیہم السلام کو بار بار اور یکے بعد دیگرے اس لئے بھیجا کہ ان زمانوں میں ہر نبی کی نبوت کا دائرہ کار محدود ہوتا اور اسی وجہ سے اس کا پیغام بھی محدود انسانوں تک پہنچ پاتا تھا۔ تحریر و کتابت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک

پہنچنے کی سہولتیں بھی مفقود و نایاب تھیں اور ان کا نظام بھی تسلی بخش نہ تھا اس لئے ان پیغمبروں کے پیغامات بھی دور دراز کے انسانوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے اور وہ پیغامات زیادہ دیر تک محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نبی کی نبوت کے زمانہ کے ختم ہوتے ہی نئے نبی کو بھیج دیا جاتا۔

گویا انبیاء سابقین کی نبوتوں کو مخصوص علاقوں اور مخصوص قوموں تک محدود رکھنے کی یہی وجہ تھی کہ رسل و رسائل اور ابلاغ و تبلیغ کی وسائل نہ پائے جاتے تھے اور تحریر و لکھائی کا کوئی نظام نہ تھا۔ بلکہ اسی قسم کا نظام یا تھا ہی نہیں اور اگر کہیں تھا تو وہ خراب اور غیر تسلی بخش تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو بار بار وحی بھیجنا پڑتی اور بار بار نبی بھی بھیجنے پڑتے۔ پھر لکھتے ہیں

"مگر یہ نظام ہمیشہ کے لئے نہ تھا۔ انسانیت اپنی منازل طے کر رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کی تمام قدریں، تقاضے، وسائل اور مسائل بھی مائل بہ ترقی تھے اور سلسلۂ ارتقاء ہمیشہ اپنے منتہائے کمال کو پہنچ کر ہی رکتا ہے لہٰذا ممکن یہ نہ تھا کہ یہ ارتقاء کسی آخری منزل کے تعین کے بغیر ہمیشہ جاری رہتا۔ اسے بہرحال اپنے نقطۂ عروج اور منزل تک پہنچ کر ختم ہو جانا تھا۔ انبیاء آتے رہے وحی و نبوت آگے بڑھتی رہی گروہ انبیاء میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم وہ ہستی ہیں جن کی ذاتِ گرامی پر سلسلۂ نبوت اپنے منتہائے کمال کو جا پہنچا"

(اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۱۲۸)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جناب طاہر صاحب واضح فرما رہے ہیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ وسائل بھی ترقی کرتے رہے اور نبوت کا سلسلہ بھی متحرک رہا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری پر نبوت اور وسائل ابلاغ و تبلیغ، تحریر و کتابت، اور ایک

جگہ سے دوسری جگہ تک بلکہ دُور دراز تک پیغام رسانی کے وسائل بھی نقطۂ عروج کو پہنچ گئے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نبوت دی گئی وہ آخری وحی پر مشتمل نبوت تھی۔ زمانہ کی ترقی کی رفتار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پر آکر رک گئی اور وسائل نے جو سلسلۂ ارتقاء طے کرنا تھا وہ طے کر لیا تھا اب اس کے بعد مزید ترقی ممکن نہ تھی اس لئے اس سے آگے سلسلۂ نبوت کو بھی مزید جاری رکھنا بے فائدہ قرار پایا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کو نبوت کے سلسلہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرنا پڑا۔

گویا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک نبوت کے سلسلہ کو زمانہ کے حالات کے تابع رکھا گیا۔ وسائل ابلاغ و تبلیغ محدود تھے تو نبیوں کی نبوتیں بھی مخصوص جگہ اور مخصوص علاقوں تک محدود رکھی گئیں اور جب وسائل و مسائل ترقی کرتے کرتے اپنے کمال کو پہنچ گئے۔ جس سے آگے وسائل و مسائل کی ترقی ممکن نہ تھی تو نبوت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

نام نہاد پروفیسر و ڈاکٹر طاہر القادری کے اس جاہلانہ فلسفۂ ختم نبوت کو اس کی جہالت کا ایک بہت بڑا ثبوت ٹھہرایا جائے تو بجا ہے۔ اس فلسفہ سے نہ صرف انبیاء سابقین کی نبوتوں کی اہانت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی کی تنقیص اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کی بھی توہین ہے۔ لاحول ولا قوۃ ..

قارئین! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کی نبوت کو جو بعض قوموں اور مخصوص علاقوں تک محدود رکھا اس کی وجہ ہرگز ہرگز وسائل و رسل و رسائل و تحریر و کتابت و پیغام رسانی کی سہولتوں کا فقدان نہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک پیغمبر کی آواز روئے زمین کے تمام باشندوں تک ہی نہیں عالم ارواح کی روحوں تک بھی پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ معظمہ کی تعمیر مکمل فرمائی تو انہیں حکم ہوا کہ حج کی ندا کرو انہوں نے

ندا فرمائی تو ان کی ندا کو عالم ارواح تک پہنچا دیا گیا۔ جیسا کہ معتبر روایات و مستند کتب سے ثابت ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کونسی ایسی نئی چیز ایجاد ہوئی تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیلہ تبلیغ کے طور پر استعمال کیا تھا اور وہ چیز پہلے نبیوں کے زمانوں میں ایجاد نہ ہوئی تھی؟ یہی اونٹوں کا سفر، گھوڑوں کا سفر، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ دین میں جو تکلیفیں اٹھائیں اور جن آزمائشوں سے گزرے وہ انبیاء سابقین سے بھی بڑھ کر تھیں۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ لہٰذا جو فلسفہ طاہر صاحب نے جھاڑا ہے وہ ایک اندھے کے بوسیدہ جھاڑو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جس سے صفائی کی بجائے خاک اور تنکے ہی جھڑتے چلے جائیں اور اندھا یہ سمجھے کہ خوب صفائی ہو رہی ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے تھے اور ستارے بیک وقت کئی ایک ہوتے ہیں اور ان کی روشنی بھی اپنی اپنی سمت و مقام تک محدود ہوتی ہے اس لئے ان کی نبوتیں بھی خاص سمتوں اور علاقوں تک محدود رہی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آسمان نبوت کے آفتاب درخشاں و تاباں تھے ان کی جلوہ گری کے بعد ستاروں کے انوار چھپ گئے اور آفتاب کے بعد کسی ستارے کی روشنی کی حاجت محسوس ہی نہیں کی جاتی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بعد کسی دوسرے نئے نبی کی تشریف آوری کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ چنانچہ امام بوصیری فرماتے ہیں:۔

فَاِنَّہٗ شمس فضل ھُم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

پس بیشک وہ آپ فضل و کرم کے آفتاب ہیں باقی انبیاء اسکے ستارے ہیں جو آفتاب کے نور کو اندھیروں میں لوگوں کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔

ایسے علامہ جو دیکھکر بھی قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں

جناب طاہر القادری اس بدقسمت دور کے ایسے علامہ ہیں، جنہیں دیکھکر بھی قرآن صحیح پڑھنا نہیں آتا، چنانچہ دیال سنگھ لائبریری میں عودت کی دیت پر مذاکرہ کے دوران راقم سمیت اور بھی کئی ایک اہل علم حضرات موجود تھے۔ جناب طاہر صاحب تفسیر احکام القرآن جصاص کو سامنے رکھ کر اور دیکھکر درج ذیل آیت پڑھنے لگے۔

" وَمَا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى "، کو " اَوْ اُنْثٰى " پڑھا اور تین بار اور تینوں بار " اَوْ اُنْثٰى "، پڑھا۔ آخر سب نے جناب کو لقمہ دیا کہ آیت کو صحیح پڑھیے " اَوْ اُنْثٰى " پڑھیے۔ تب جناب نے صحیح پڑھا

دوسرا واقعہ جناب رشید احمد صاحب ناظم مطبوعات جمعیۃ شبان اہلحدیث راولپنڈی لکھتے ہیں کہ ۲۵ ستمبر کی شام پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے خطاب بعنوان " رحمۃ للعالمین " میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب (موصوف نے قرآنی آیت " رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا " (المومن ۷) میں وَسِعْتَ کو وَسِعَتْ پڑھا حالانکہ مصحف (قرآن شریف) انکے سامنے تھا۔ " انا للہ وانا الیہ راجعون "۔ (نابغۂ عصر کا مبلغ علم ص ۲ طبع راولپنڈی)، اور تعجب یہ ہے، کہ جناب ڈاکٹر و علامہ پروفیسر کی حد سے بدترین جہالت و حماقت اور قرآن سے قطعاً بے خبری کا عالم یہ ہے، کہ موصوف نے جیسے ٹی وی پر اس آیت کو غلط پڑھا، ایسے ہی تسمیۃ القرآن میں بھی اسے غلط لکھا اور ترجمہ بھی غلط کیا ملاحظہ ہو (تسمیۃ القرآن ص ۱۲۳ طبع ماہ مئی ۱۹۸۱ء)

" رَبُّنَا وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا " ہمارا رب جسکی رحمت اور علم ہر شئی پر حاوی ہے "

حالانکہ صحیح آیت یوں ہے " رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا "، (المومن ۷) اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے، " اے ہمارے رب تو رحمت و علم کے اعتبار سے ہر شئی کو وسیع ہے۔

قارئین :- یہ طاہر القادری کے لئے اور اس کے رفقاء و سرپرستوں کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت عبرت ہے، کہ موصوف جسے نہ قرآن صحیح پڑھنا آتا ہے، نہ ترجمہ درست کرنا آتا

ہے، جعل سازی سے باز آجائیں اور اس کے رفقاء و معاونین اس کی رفاقت و معاونت سے توبہ کریں۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے ہاں جوابدہی کے لئے تیار رہیں، اور ہم موصوف سے بڑے ادب سے عرض کریں گے۔ ؎

حضرت جو تالیف اور تصنیف کریں ہم بیٹھ کے انجمن میں تحریف کریں
حق پر نہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو، بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

اتفاق مسجد کی انتظامیہ سے گذارش

ان دلائل کے بعد اس علامہ پن کی حقیقت کھل گئی کہ یہ عربی زبان اور اسکے قواعد و اصول سے بے بہرہ اور عقائد اسلامیہ سے ناواقف ہے۔ اسکو مسجد اتفاق کی خطابت سے سبکدوش کر کے کسی محقق اہل علم کی خدمات حاصل کی جائیں اور اسکو دی گئی مراعات واپس لے لی جائیں تاکہ اسکی جہالتوں سے جو حق کو نقصان پہنچ رہا ہے اس گناہ میں انتظامیہ بالواسطہ شامل نہ ہو۔ اس شخص کا مقصد اپنی شہرت حاصل کرنے اور دولت جمع کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

؎

دنیا کی امیر اور اسکے مزے دنیا کی چمک دنیا کی صدا
کب اسکو سمجھنے دیتی ہے کس درجہ کمی ایمان میں ہے

پروفیسر طاہر القادری کی بدترین جہالت

قارئین :۔ پروفیسر و علامہ و ڈاکٹر طاہر القادری کے علامہ پن کا مشاہدہ فرمائیں یا اس کی بدترین جہالت کا ایک اور روشن نمونہ ملاحظہ کریں، موصوف اپنی کتاب "تسمیۃ القرآن" میں جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں "میں اپنی زیر تالیف تفسیر "منہاج القرآن" کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں" گر قبول افتد زہے عزو شرف (ملاحظہ ہو، انتساب تسمیۃ القرآن) لکھتے ہیں

"عربی قاعدے کی رو سے "الرحمٰن" اسم فعلان واقع ہوا ہے۔ فعلان کا باب عام طور پر ایسی صفات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو مخص حالت کی حیثیت سے کسی ذات میں موجود ہوتی ہیں، مثلاً پیاسے کے لئے "عطشان" مست و بے خود کے لئے "سکران" غضبناک کے لئے "غضبان" پریشان و ششدر رہنے والے کے لئے "حیران" بہنے والے کے لئے "جریان" اور سرکشی و بغاوت کے لئے "طغیان" (تسمیۃ القرآن صفحہ ۱۱)

قارئین :۔ یقین فرمائیے کہ اس بے ہودہ و لغو اور جاہلانہ تحقیق پر مشتمل کتاب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا کی طرف انتساب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کانپ اٹھی ہوگی اور آپ کو اس انتساب سے یقیناً ایذاء پہنچی ہوگی، اس قدر بڑی جسارت کہ بے سروپا اور بے بنیاد اور جاہلانہ تفسیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف منسوب کیا جائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل علم جانتے ہیں اور جنہوں نے کچھ عربی قواعد پڑھے ہوں گے، وہ پروفیسر صاحب کی اس نرالی تحقیق پر ضرور غم کے آنسو بہائیں گے۔ سب اہل علم جانتے ہیں کہ "رحمٰن" اسم مبالغہ ہے اس کا وزن "فَعْلَان" ہے۔ اس میں پہلے حرف پر فتح (زبر) ہے اور دوسرے حرف پر جزم، لیکن اس کی آخری دو مثالیں، جو نام نہاد علامہ نے پیش کی ہیں۔ یعنی ایک "جَرَیَان" اور دوسری "طُغیان" وہ نہ صرف غلط بلکہ موصوف کی بدترین

جہالت کا روشن ثبوت ہیں۔ کیونکہ "جَـرَیَان" کے پہلے حرف پر اگرچہ زبر ہے، مگر دوسرے پر جزم نہیں ہے، بلکہ اس پر بھی زبر ہے، نیز یہ کوئی رَحْمٰن کی طرح اسم مبالغہ نہیں بلکہ مصدر ہے، ملاحظہ ہو اقرب الموارد میں لکھتے ہیں "جَرَی یَجْـرِی جَـرْیًا و جَـرَیَانًا۔ (اقرب الموارد درج اصفحہ ۱۱۹) لہٰذا اسم مبالغہ کے لئے مصدر کی مثال پیش کرنا اور دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا کسی اہل علم سے نہیں، طاہر القادری جیسے نام نہاد علامہ سے ہی متوقع ہو سکتا ہے۔ اسی طرح موصوف کا لفظ "رَحْمٰن" کی تحقیق میں "طُغْیَان" کی مثال پیش کرنا بھی موصوف کی علمی ابتری کا چمکتا ثبوت ہے۔ کیونکہ "رَحْمٰن" کے پہلے حرف پر فتح (زبر) ہے لیکن "طُغیان" کے پہلے حرف پر ضم (پیش) ہے، پھر "رَحْمٰن" اسم مبالغہ ہے، اور "طُغیان" مصدر ہے، چنانچہ المنجد میں ہے "طَغِیَ یَطْغَیٰ طَغْیًا وَ طُغْیَانًا" (صفحہ ۴۶۷)

قارئین:۔ جب کوئی شخص کسی ایسے منصب پر فائز ہو جائے، جس کا وہ اہل نہیں تو اس منصب کی جو مٹی پلید ہو گی۔ اس کا قیاس کون کر سکتا ہے۔ طاہر القادری صاحب جو بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں، جھوٹے خوابوں اور جھوٹی بشارتوں کے ذریعے اور جھوٹے علامہ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے، قرآن کی تفسیر لکھنے اور اس کے الفاظ و معانی کی تحقیق فرمانے لگے ہیں، ان سے ایسی جاہلانہ باتوں کا سرزد ہونا کوئی عجیب بات نہیں، بس ان کی خدمت میں اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ کہ خدارا تصنیف و تالیف کے دھندے سے باز آ جائیں، بہت کچھ کما لیا ہے، اب خدا کا خوف کریں اور قرآن و سنت اور اسلامی علوم کو مزید تختۂ مشق و ستم نہ بنائیں۔ ؎

بس ایک سخن بندۂ عاجز کا ہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو۔

کرَام اور مُقطّعات

جناب طاہر اپنی جملہ مطبوعات و تصنیفات کی قابلِ قبول باتوں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان میں کی گئی غلطیوں اور جہالتوں کو اپنے ساتھیوں کے سر پہ ڈال دیتے ہیں کہ میری کتابوں کی تدوین و ترتیب اور نظر ثانی کرنا جناب نیر صاحب، جاوید صاحب اور حافظ و مفتی محمد خاں کی ذمہ داری ہے۔ غلطیوں کو ان کی طرف لوٹایا جائے اور اچھائیوں کو میرے پلے باندھا جائے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت مولانا تقدس علی خاں کی خدمت میں ارسال کئے گئے جواب میں لکھا ہے۔ لیکن تسمیۃ القرآن و تفسیر سورۃ فاتحہ ایسی اور بھی کئی کتب و رسائل ہیں۔ جن پر کسی اور کا نام ہی نہیں ہے۔ ان میں بھی بے شمار جہالتیں اور حماقتیں بھری پڑی ہیں اور کیسٹوں میں الفاظ کے تلفظ تک کی پھر ان کے معنوں کی بے شمار غلطیاں ہیں مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی دوڑ والی حدیث، اور اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جو ہماری اس کتاب میں آپ کو ملیں گی۔ اسی طرح آپ ایک لفظ بولتے ہیں۔ "کَرام" کاف کی فتح یعنی زبر کے ساتھ حالانکہ صحیح لفظ " کِرام " ہے اور لفظ " مقطّعات" طا کی کسرہ (زیر) کے ساتھ کہتے ہیں حالانکہ یہ لفظ مقطّعات ہے (سنئے خطبۂ جمعہ مورخہ $\frac{5}{84}$ ۵ شمائل نبوی قسط نمبر ۱۔ حلیہ مبارک، سراپا) اسی طرح سن لیجئے $\frac{3}{84}$ ۲۳ خطبۂ جمعہ خلقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسلسلہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسط نمبر ۲۔ اس میں ایک حدیث پڑھتے ہیں۔ اس میں لفظ "تَنَبَّتَ" کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں لفظ "تَنَبَّتَ" نہیں ہے یہ غلط ہے اور جناب طاہر کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ جب کہ یہ لفظ اصل میں "تَنَبَّأَتْ" ہے۔ لیکن علامہ، ڈاکٹر، مفکر کہلانے والے جناب طاہر کو اس قدر بھی شعور نہیں کہ یہ لفظ کیا ہے؟ جب علمی بے بضاعتی کا یہ عالم اور جہالت کا یہ حال

کاف کی فتح یعنی زبر کے ساتھ حالانکہ صحیح لفظ "کِرام" کاف کی کسرہ زیر سے ہے اور

ہو کر حدیث رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کے الفاظ صحیح سمجھ میں نہ آئیں اور ان کے تلفظ کی صحت تک جناب کو معلوم نہ ہو۔ پھر دعویٰ کرنا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دودھ کا پیالہ پلایا اور منہاج القرآن بنانے کا حکم فرمایا اور خود لاہور تشریف لانے کا وعدہ فرمایا۔ سراسر جھوٹ، بہتان اور ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خدمت کے لئے ایسا ہی شخص ملا تھا جو ایل ایل بی سے بڑھ کر کوئی صلاحیت نہیں رکھتا اور فریب دہی کے ذریعے علما کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؎

کہتی ہے فلک کی گردش ان سے
تم کیا ہو تمہاری ہستی کیا ہے

داڑھی کی حدِ شرعی

جناب طاہر کی ہم نے ایک کیسٹ مسئلہ داڑھی کے بارے میں سنی اس میں

جناب طاہر کا یہ کہنا کہ داڑھی ایک قبضہ سے کم دو انگل کے برابر بھی سنت ہے۔ بالکل غلط اور جاہلانہ بات ہے۔ ہمارے فقہاء کرام واضح فرما رہے ہیں کہ

المسنون وھو القبضۃ — کہ مسنون قبضہ ہی ہے (یعنی چار انگل)

(ہدایہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی داڑھی مبارک ایک قبضہ تھی اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر اس سے زائد بال تراش دیتے تھے یہ حدیث بخاری شریف کتاب الحج میں اور ابوداؤد و نسائی کی کتاب الصوم میں موجود ہے اور فتح القدیر میں ہے۔

واما الاخذ منھا وھی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد (ج ۲ ص ۳۴۸) — کہ داڑھی میں سے کچھ لینا کہ وہ قبضہ سے کم ہو جائے۔ جیسا کہ بعض اہل مغرب اور مخنث مرد کرتے ہیں تو اسے کسی نے بھی جائز نہیں کیا۔

درمختار میں ہے "المسنون وھو القبضۃ" کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ایک قبضہ ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ سنت کا اس سے کوئی کم حصہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم جواز کے لئے اس پر عمل بھی فرماتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اس سے کم نہ فرمائی اور جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ فرمایا ہو اور اسے کبھی بھی ترک نہ کیا ہو وہ واجب ہوتا ہے لہٰذا داڑھی بقدر قبضہ واجب ہے اور اسے مسنون بایں معنی کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے یعنی اس کا واجب ہونا

سنت سے ثابت ہے۔ لہٰذا طاہر صاحب کا کہنا کہ دو انگل بھی سنت میں شامل ہے ان کا جاہلانہ اجتہاد ہے اور اسلامی تعلیمات میں گمراہ کن ترمیم و تبدیلی اور اس غرض کا ہی حصہ ہے جس کے لئے ادارہ منہاج القرآن معرضِ وجود میں لایا گیا۔

نیز کتب فقہ میں ہے کہ جب داڑھی سنت کے مطابق ہو تو اسے اس نیت سے تیل نہ لگائیں کہ یہ اور بڑھے کیونکہ سنت کی مقدار پوری ہو گئی اب اسے بڑھانے کی حاجت نہیں ہے اس پر علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ شرح در مختار میں فرماتے ہیں کہ

واذا کانت بقدر المسنون وھو القبضۃ) اما اذا لم تکن القدر المسنون فلا یکرہ لتصلہ (طحطاوی ج ۱ صفحہ ۴۶)	جب داڑھی بقدرِ مسنون ہو اور وہ قبضہ ہے تو اسے تیل نہ لگائے کہ اور بڑھے لیکن جب قدرِ مسنون نہ ہو تو حرج نہیں تاکہ بڑھ کر قدرِ مسنون کو پہنچ جائے۔

علامہ امام طحطاوی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ دو انگل داڑھی ہرگز سنت نہیں ہے اگر سنت ہوتی تو اسے مزید بڑھانے کے لئے تیل لگانے کی حاجت و اجازت نہ ہوتی. جب کہ امام طحطاوی فرماتے ہیں کہ اگر داڑھی قدرِ مسنون قبضہ سے کم ہے تو اس نیت سے داڑھی کو تیل لگانے میں حرج نہیں کہ وہ بڑھ کر قدرِ مسنون تک پہنچ جائے۔ لہٰذا طاہر صاحب کا دو انگل داڑھی کو قدرِ مسنون قرار دینا اسلامی تعلیمات میں تحریف اور دین کے مسلمات میں تبدیلی کرنے کی جسارت اور اپنی شریعت ایجاد کرنا ہے ؎

جسے چاہیں اسے حق مانتے ہیں

جسے چاہیں خطا گردانتے ہیں۔

سبع مثانی کی مراد میں غلط بیانی اور تحریف

پروفیسر طاہر القادری صاحب عام طور پر جلی قسم کی باتیں کر کے عام لوگوں کو اپنی مصنوعی علمیت سے متاثر کرنے کی خوب مہارت رکھتے ہیں بلکہ خلافِ واقعہ باتیں بڑی جسارت کے ساتھ سپردِ قلم فرما دیتے ہیں۔ اس کی کئی ایک مثالیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور آگے بھی آئیں گی۔ کہ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۳۰ پر "السبع الثانی" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ سے مراد بالاتفاق سورۃ فاتحہ ہے"

اسی طرح صفحہ ۴۲ اور ۳۱ پر بھی موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ "اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سبع ثانی سے مراد سورۃ فاتحہ ہے"۔ لیکن، قارئین الیقین فرمائیں کہ پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ، قرآنی علوم کی تحقیق میں کذب بیانی، غلط گوئی اور کھلی تحریف ہے۔ بلاشبہ پروفیسر صاحب کے اس دعویٰ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ موصوف قرآنی علوم سے صحیح خبر نہیں رکھتے بلکہ خود بھی بھٹکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

سچ بات یہ ہے کہ سبع مثانی سے، سورۃ فاتحہ کے مراد ہونے میں آئمہ کا کوئی اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ "سبع ثانی" کی مراد میں، خود صحابہ کرام اور تابعین میں اختلاف رہا ہے اس سلسلے میں کہ "سبع مثانی" سے کیا مراد ہے۔ اصحابِ تفاسیر نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض مفسرین نے تین قول نقل کئے اور بعض نے چار اور امام فخر الدین عمر رازی علیہ الرحمۃ نے پانچ اقوال نقل کئے اور آخری قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ پانچواں قول، چوتھے

ول سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اگرچہ ان میں بعض اقوال بعض کی نسبت قوی یا اقوی

یں۔ ملاحظہ ہو۔ امام رازی لکھتے ہیں:-

"وللناس فیہ اقوال" سبع مثانی کے بارے میں کئی اقوال ہیں؛

پہلا قول جو اکثر مفسرین کا قول ہے۔ یہ ہے کہ اس سے مراد فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ

فاتحہ ہے یہ حضرت علی، عمر، ابن مسعود، ابوہریرہ، حسن، ابوالعالیہ، مجاہد، ضحاک،

سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سبع مثانی سے مراد

سات طویل سورتیں ہیں۔ بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور انفال و

براءۃ (کیونکہ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہ لا کر ان میں فرق نہیں

کیا گیا)، اور ان کو مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ ان میں حدود/ امثال وغیرہ مکرر مذکور ہوتے

ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور بعض روایات کی رو سے حضرت ابنِ عباس اور ان کے

شاگرد، سعید بن جبیر و مجاہد کا قول ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت سفیان سے

یہ قول بھی مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سبع مثانی سے وہ سات سورتیں ہیں جو طوال و

مئین سے کم اور مفصل سے زائد ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ سبع مثانی سے مراد سارا

قرآنِ کریم ہے اور یہ بھی بعض روایات میں حضرت ابن عباس اور ان کے شاگرد حضرت

طاؤس سے مروی ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد فاتحہ اور مثانی سے مراد

سارا قرآنِ کریم ہے۔"

(تفسیر کبیر ج ۱۹ صفحہ ۲۰۷ تا صفحہ ۲۱۱ و تفسیر مظہری ج ۵ صفحہ ۳۱۴ تا صفحہ ۳۱۷ و

تفسیر درمنثور ج ۴ صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۵ و تفسیر روح المعانی ج ۱۴ صفحہ ۷۳ تا ۷۹ و تفسیر

امام قرطبی ج ۱۰ صفحہ ۵۴/ ۵۵ و تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل امام ابی البرکات

نسفی ج ۱ صفحہ ۲۰۸)

قارئین ملاحظہ فرمائیے۔ دورِ جدید کے خود ساختہ مفسر پروفیسر طاہر القادری صاحب

کا دعویٰ کہ " سبعا من المثانی " سے مراد " بالاتفاق " سورۃ الفاتحہ " ہے ان کی کس قدر صریح غلط بیانی ، علوم قرآن سے بے خبری اور عوام مسلمانوں کو علوم قرآن سے متعلق غلط معلومات فراہم کرنے کی بڑی جسارت ہے ۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دین کے بیڑے کا ناخدا بنانے لگے تھے ۔ جو امت کو قرآن و سنت کی غلط تعبیر و غلط تفسیر فراہم کر کے الٹا اس کے بیڑے کو ڈبوئے جا رہا ہے ؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ، پروفیسر صاحب کو امت سے کیا غرض ان کو تو سستی شہرت اور اس کے ذریعے سادہ لوح قوم سے لاکھوں اور کروڑوں روپے چندہ سے دلچسپی ہے۔

کرم کوشیاں ہیں ، ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

پروفیسر طاہر القادری کا ائمہ دین پر ایک اور بہتان

قارئین! پروفیسر طاہر القادری نے "سبع مثانی" سے متعلق ایک دعویٰ کیا تھا کہ "سبع مثانی سے مراد بہ اتفاق سورۂ فاتحہ ہے"۔ ان کے اس دعویٰ کو دلائل کی روشنی میں ہم غلط اور ائمہ پر بہتان قرار دے چکے۔ اب موصوف نے ایک اور دعویٰ فرمایا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۴۴ پر دعویٰ فرماتے ہیں کہ

"ائمہ محدثین کا اجماع ہے کہ یہ عبادت ملتِ ابراہیمی کے مطابق زیادہ تر تفکر و مراقبہ پر مشتمل ہوتی تھی"

پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ قطعاً غلط بلکہ ائمہ محدثین پر کھلا افتراء، اور دین میں تحریف ہے۔ ائمہ محدثین کا اس بات پر کوئی اجماع نہیں ہے۔ بلکہ پروفیسر صاحب کے دعویٰ کے برعکس اس میں ائمہ محدثین کا اختلاف ہے:

چنانچہ امام محمد بن یوسف الکرمانی، شارح بخاری، شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں جو عبادت فرماتے تھے اس میں تین احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ کسی سابقہ شریعت کے مطابق عبادت فرماتے تھے۔ پھر اس میں بھی کئی ایک اقوال ہیں کہ وہ کس کی شریعت تھی ایک قول شریعتِ نوح کا ہے دوسرا شریعتِ ابراہیم کا، تیسرا شریعتِ موسیٰ کا اور چوتھا شریعتِ عیسیٰ کا اور ایک قول یہ ہے کہ اس عبادت کا کسی کی شریعت سے ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہی عقل و شعور کے تقاضا کے مطابق ہوتی تھی اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ وہ عبادت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شریعت کے مطابق تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رویائے صالحہ سے حاصل ہوتی تھی۔"

(خلاصۂ عبارت شرح کرمانی ج ۱ صہ ۳۲/۳۳)

اور امام بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

"ان عبادته عليه الصلوٰة والسلام قبل البعثة هل كانت شريعة احد ام لا؟ فيه قولان لاهل العلم وعزى الثانى الى الجمهور، انما كان يتعبد بما يلقى اليه من نور المعرفة الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی عبادت، کیا کسی کی شریعت تھی یا نہ؟ اس میں اہل علم کے دو قول ہیں دوسرے قول کی نسبت جمہور کی طرف کی گئی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر جو نور معرفت ڈالا جاتا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کے مطابق عبادت کرتے تھے

(عمدۃ القاری ج ۱ صہ ۶۱)

لیجئے، جناب پروفیسر طاہر القادری کی علمی صحت و تحقیق کا نظارہ بھی کیجئے۔ جن کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ادارہ منہاج القرآن اس لئے قائم کر رکھا ہے کہ وہ دور جدید کے تقاضوں کے مطابق، دین کی جدید تعبیر کریں گے۔ اور یہ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ خدمت سونپی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جس شخص کی معلومات کا یہ عالم ہو کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت کا صحیح علم نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں فرماتے تھے۔ اس کا اجتہاد، دین کی جدید تعبیر و ترجیہہ کرنے اور خدمت دین کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ سادہ لوح عوام کو مغالطے میں ڈالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اہل علم حضرات جنہوں نے اس شخص کو قریب سے دیکھا ہے خوب پہچان گئے ہیں۔ خدا کرے

اس کی شب بیداریوں کے چکروں میں پڑے ہوئے عوام بھی اس کو پہچان لیں سہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من انداز قدت را مے شناسم

غرض یہ کہ جناب پروفیسر صاحب اپنی نادانی سے اسے تمام ائمہ و محدثین کا اجماع و اتفاق قرار دے کر نہ صرف ائمہ و محدثین پر افتراء و بہتان باندھ رہے ہیں۔ بلکہ آنے والی خالی الذہن نسلوں کو بھی جہالت و نادانی کے گڑھے میں گرا رہے ہیں اور قوم کے دکھوں اور کروڑوں روپے اسی جہالت کو فروغ دینے پر بے دریغ صرف فرما رہے ہیں۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

تصوّف میں تحریف

جناب طاہر القادری صاحب نے جہاں قرآن وحدیث وفقہ میں تحریف فرمائی ہے وہاں تصوّف بھی جناب کی تحریف سے محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ اہلِ علم حضرات، اس بات سے باخبر ہوں گے۔ تصوّفِ عملی کی ابتدا تزکیۂ نفس سے ہوتی ہے اور تزکیۂ نفس کے بعد فنا کا مقام آتا ہے۔ جناب طاہر القادری صاحب تصوّف کا درس بھی دیتے اور اپنے آپ کو روحانی پیشوا کی حیثیت سے منوانے کے لئے اخبارات میں اپنی شب بیداریوں کے اشتہارات بھی چھپواتے ہیں۔ جب کہ اس سلسلے میں جناب کی علمی صلاحیت کا یہ عالم ہے کہ نہ تو تزکیۂ نفس کے معنی جانتے ہیں اور نہ ہی فنا کے معنی ومفہوم کی سمجھ رکھتے ہیں

تزکیۂ نفس کے غلط معنی

چنانچہ تزکیۂ نفس کی امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے جو تعریف کی ہے۔ موصوف اپنی اسی کتاب "اسلامی فلسفۂ زندگی" میں اس کو نقل کرنے کے بعد اس کا ترجمہ فرماتے ہیں

"تنمیتھا بالخیرات والبرکات" (ترجمہ) خیرات وبرکات کا انسانی نفس میں نشوونما پانا تزکیۂ نفس ہے۔

اس ترجمہ کی رو سے مطلب یہ ہوگا کہ نفسِ انسانی میں خیرات وبرکات (نیکیاں) نشوونما پاتی ہیں۔ یہ ترجمہ غلط ہی نہیں جاہلانہ اور احمقانہ بھی ہے۔ جب کہ اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "نفسِ انسانی کو خیرات وبرکات (نیکیوں) کے ذریعے نشوونما دینا اور

پروان چڑھانا، تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خیرات و برکات نشو و نما نہیں پاتیں۔ بلکہ ان کے ذریعے نفس کو نشو و نما دی جاتی ہے۔ یعنی خیرات و اعمالِ صالحہ، نفس کے ستھرا کرنے اور اس کو سنوارنے کا ذریعہ ہیں۔ پھر پروفیسر طاہر القادری صاحب کی کم علمی کا مظاہرہ بھی دیکھیے کہ امام راغب کے کلام میں لفظ تنمیتھا " میں تنمیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے اور متعدی ہے جس کے معنی ہیں، نشو و نما دینا اور پروان چڑھانا مگر موصوف نے اس کا ترجمہ "نشو و نما پانا" کر کے اسے لازم بنا دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جناب طاہر صاحب نے جو امام راغب کی عبارت کا ترجمہ فرمایا۔ اس کی رو سے جناب طاہر صاحب کے نزدیک گویا خیرات و برکات (نیکیاں)، نشو و نما پاتی ہیں لیکن نفسِ انسانی وہاں کا وہاں ہی رہتا ہے۔ غالباً موصوف نے اپنے ہی حال کے مطابق اس کا ترجمہ فرمایا ہے۔

افسوس کہ جس شخص کو تزکیۂ نفس کا معنی کرنا نہیں آتا وہ لوگوں کو تزکیۂ نفس کی تعلیم دے رہا ہے۔ پروفیسر صاحب قرآن و حدیث کا بھی یہی حشر فرما رہے ہیں۔ ان کی تحریفی کارستانیوں سے کوئی بھی شعبہ علم و تحقیق محفوظ نہیں رہا۔ ؎

دستِ جنوں نے ایسی اڑائی ہیں دھجیاں
چھوڑا نہ ایک جیب و گریباں کے تار کو!

فنا کی غلط تفسیر

محترم طاہر القادری صاحب نے اپنے خود ساختہ تصور تصوف کے سلسلے میں فنا کی جو تفسیر فرمائی ہے وہ نہ صرف غلط بلکہ گمراہی ہے اور گمراہ کن بھی۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "اسلامی فلسفۂ زندگی" کے صفحہ ۵۰ پر فنا کی تفسیریوں بیان کرتے ہیں "اپنی ذات کو فنا کر دو" ۔ " وصال ذات کی شرط فنائے ذات قرار دے دی گئی"۔

"فان لم تکن " (کہ تم خود نہ رہو) یعنی اپنی ذات کو فنا کر دو

"مطلب یہ کہ اگر تمہارا وجود فنا ہو جائے جو حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ میں حاجب و مانع ہے تو تم اللہ کو دیکھ لوگے"۔ ص ۵۷

پھر ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کے ایک جملہ کے معنی کرتے ہوئے اس میں اپنی طرف سے پیوند لگاتے ہیں " یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے حالت فنا میں داخل ہو جائے الخ "

" مجاہدہ کرے کہ فنائے ذات کے مقام پر فائز ہو جائے"۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہی ہے کہ فنا کے معنی بندے کا اپنی ذات کو معدوم کر دینا ہے خواہ وہ اس کا مطلب کچھ بیان کریں لیکن لفظ فنا کی نسبت ذات کی طرف کرنا صوفیاء کرام کے مسلک سے ہٹ کر گمراہوں اور بے دینوں کا مسلک اختیار کرنا ہے ان کا یہ فنا کا تصور بالکل جہل و گمراہی ہے۔ بندے کی ذات کبھی بھی فنا نہیں ہوتی نہ اس کا وجود فنا ہو جاتا ہے اور نہ ہی اس کی ہستی معدوم ہوتی ہے بلکہ فنا کا تعلق صرف صفات کے ساتھ ہے۔ چنانچہ علامہ میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمۃ م ۸۱۶ھ کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں۔

الفناء سقوط الاوصاف یعنی فنا بری صفات کا زائل ہونا ہے

المذمومة كما ان البقاء وجود الاوصاف المحمودة — جیسا کہ بقا اچھی صفات کا موجود ہونا ہے

(کتاب التعریفات صہ ۷۳)

اور علامہ عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری جامع العلوم میں فرماتے ہیں۔

(الفناء فی الله) هو تبدل الصفات البشرية بالصفات الالهية (جامع العلوم ج ۳ صہ ۳۵) — یعنی فنا فی اللہ، بشری صفات کے خدائی صفات کے ساتھ بدل جانے کا نام ہے

ان دونوں بزرگوں نے جو فنا فی اللہ کی تعریف کی ہے اس سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ اس میں فنائے ذات کا کوئی تصور نہیں بلکہ فنا فی اللہ اس بات کا ہی نام ہے کہ بندہ (احکام شریعت پر عمل اور اعمال صالحہ کے اکتساب کے ذریعے) اپنے اندر کی ناپسندیدہ صفات کو دور کر کے اپنے میں وہ صفات پیدا کرے جو خدائے قدوس کو پسند اور اسکی صفات کی عکاسی کرتی ہوں

اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی میں فرماتے ہیں۔

ومعنى الفناء فی اصطلاح الصوفية تبديل الصفات البشرية بالصفات الالهية دون الذات (حا عبدالحکیم سیالکوٹی علی عبدالغفور صہ ۸) — اور صوفیہ کی اصطلاح میں فنا صفاتِ بشریہ کے صفاتِ الٰہیہ سے تبدیل کرنے کا نام ہے نہ کہ ذات کی تبدیلی۔

لیجیے امام المحققین علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے تو "دون الذات" کی قید لگا کر مزید واضح کر دیا کہ فناء میں صفات کی تبدیلی ہوتی ہے ذات کی نہیں، لہٰذا جناب طاہر القادری صاحب کا فنا کی تعریف و تفسیر میں ذات کو معدوم و فنا کر دینے کا ارشاد فرمانا، لغو و باطل اور جہل کے سوا کچھ نہیں۔ افسوس کہ آج علم تصوف سے بے خبر اور رموزِ تصوف سے عاری جناب طاہر القادری جیسے لوگ مسندِ ارشاد پر متمکن اور تصوف کا درس دے رہے ہیں۔

نبی اور رسُول کی غلط تعریف

جناب طاہر صاحب اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ پر "نبی اور رسول میں فرق" کے عنوان سے فرماتے ہیں کہ

"نبی تو ہر وہ پیغمبر ہے جسے شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا ہو"۔

نبی کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی۔ یہ تعریف جناب کی خود ساختہ یا دوسرے لفظوں میں ایجادِ بندہ ہے کیونکہ اس سے نبی کا تصور واضح نہیں ہوتا اور نبی کا فارسی میں ترجمہ "پیغمبر" ہے۔ اور جب کہ نبی کی صحیح تعریف یوں ہے۔

"نبی اس بشر (آدمی) کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو"۔ (بہارِ شریعت ج ۱ صفحہ ۱)

قارئین! غور فرمائیں کہ جناب طاہر صاحب کے برعکس صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کی کس قدر واضح اور جامع تعریف فرمائی کہ اس کے ذریعے نبی کا ایک واضح تصور علم میں آجاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں طاہر صاحب کی تعریف (نبی کی) غلط ہے پھر رسُول کی تعریف فرماتے ہیں۔

"رسول اسے کہتے ہیں جسے نبوت کے بعد منصب رسالت پر بھی سرفراز کیا گیا ہو اور اسے کسی مخصوص قوم کی طرف دعوت و تبلیغ کا باقاعدہ پیغام اور پروگرام دے کر بھیجا ہو۔ یہ پروگرام اسے کتاب یا صحیفے کی صورت میں باری تعالیٰ نے سپرد کیا ہو"۔

(اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۲۶)

رسول کی یہ تعریف بھی کسی نے نہیں کی۔ یہ طاہر صاحب کی خود ساختہ اور من گھڑت

اور سراسر غلط ہے۔ رسول کی تعریف میں پروفیسر صاحب نے اس قدر لمبی چوڑی لو خود ساختہ عبارت لکھی ہے کہ آپ کتابیں کھول کھول کر ڈھونڈتے پھریں ایسی تعریف کہیں نہیں ملے گی یہ تعریف غیر ضروری اور غیر واضح الفاظ پر مشتمل ہے اور اس میں طاہر صاحب نے یہ بات بھی شامل کی ہے کہ رسول کے لئے کتاب یا صحیفے کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جسے کتاب یا صحیفہ نہ دیا گیا ہو وہ رسول نہ ہو گا۔ طاہر صاحب کی بیان کردہ تعریف سے کئی ایک رسول، رسول قرار نہیں پائیں گے (معاذ اللہ) مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے

وکان رسولا نبیا کہ وہ رسول نبی تھے۔

اور یہ بھی مسلم بات ہے کہ ان کو کوئی کتاب نہ دی گئی اور نہ ہی نئی شریعت یا نئے احکام بلکہ وہ شریعتِ ابراہیم کے تابع تھے۔ اس کے باوجود وہ نبی رسول تھے لیکن طاہر صاحب کی بیان کردہ تعریف سے تو ان کی رسالت کی نفی لازم آتی ہے (معاذ اللہ) اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھی رسول ہیں جن کی رسالت کی گواہی بھی قرآن دے رہا ہے۔ چنانچہ سورۃ غافر میں ہے کہ

ولقد جاءکم یوسف اور البتہ بے شک تمہارے پاس
من قبل بالبینات پہلے یوسف معجزات لائے۔

(سورۃ غافر ۳۵)

اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف حضرت یوسف علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ معجزات لائے مگر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب یا صحیفہ نہیں دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ رسول ہیں۔ چنانچہ امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

فقد بعث اللہ فیہم بے شک بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام

رسولا من قبل موسیٰ علیہ السلام وھو یوسف علیہ السلام

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۹)

سے پہلے اللہ نے ایک رسول کو بھیجا اور وہ یوسف علیہ السلام ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کے رسول ہونے میں بھی کوئی شک نہیں بلکہ یہ قطعی اور یقینی بات ہے اور یہ بھی قطعی اور یقینی بات ہے کہ ان کو کوئی کتاب یا صحیفہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ تو طاہر صاحب کی بیان کردہ تعریف کی رو سے جس میں انہوں نے رسول کے لئے کتاب یا صحیفہ کا دیا جانا بیان کیا، لازم آتا ہے کہ حضرت اسماعیل کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھی رسول نہ ہوں اور ایسا خیال نہ صرف غلط، بلکہ کفر ہے (معاذ اللہ) اس لئے علماء محققین نے رسول کی تعریف کرتے ہوئے کتاب یا صحیفہ یا شریعت جدیدہ لانے کی شرط کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو شرح عقائد میں رسول کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

الرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام

(صفحہ ۹۵ طبع مصر)

رسول اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لئے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔

نبی اور رسول میں جو فرق علامہ شیخ ابو العلا محمد مصطفیٰ استاذ جامعہ ازہر قاہرہ نے بیان کیا وہ نہایت ہی موزوں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

الرسول ھو انسان ذکرٌ حرٌ اوحی الیہ بشرع وان لم یکن جدیدًا لیعمل بہ فی خاصۃ نفسہ وامر

رسول وہ انسان مرد آزاد ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو اگرچہ نئی شریعت کی نہ ہو تاکہ وہ اس پر خود عمل کرے اور اسے اس کے دوسروں

بتبليغه والنبي هو انسان ذكر حر اوحي اليه بشرع ليعمل به ني خاصة نفسه سواء امر بتبليغه اولم يؤمر۔

تک پہنچانے کا حکم کیا گیا ہو اور نبی وہ انسان مردِ آزاد ہے جسے شریعت کی وحی کی گئی ہو تاکہ وہ خود اس پر عمل کرے خواہ اسے دوسروں تک اس کے پہنچانے کا حکم کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

(حدیث الاسلام ج ۱ صفحہ ۱۴۱ طبع قاہرہ)

اس سے فرق واضح ہو گیا کہ وحی دونوں کو ہوتی ہے لیکن رسول پر تبلیغ فرض ہوتی ہے جب کہ نبی کے لئے تبلیغ کی فرضیت ضروری نہیں۔ یعنی اگر تبلیغ فرض ہوگی تو وہ رسول بھی ہوگا اور نبی بھی اور اگر تبلیغ فرض نہ ہوگی تو وہ نبی ہوگا لیکن رسول نہ ہوگا علامہ ازہری نے رسول کی تعریف میں اسے کتاب کے دیے جانے کو لازمی قرار نہیں دیا۔ گویا نبی محض وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام و معارف کی وحی کی جائے لیکن اس پر ان احکام و معارف کا دوسروں تک پہنچانا فرض نہ ہو اور اس پر اگر کتاب نازل ہو تو اس میں احکام نہ ہوں بلکہ علوم و معارف بیان کئے گئے ہوں اس صورت میں نبی صاحبِ کتاب بھی ہو سکتا ہے اور صاحبِ کتاب ہونے کے باوجود وہ رسول نہ ہو گا۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام۔ چنانچہ دنیائے علم و عرفان کے شیخِ اکبر حضرت امام محی الدین بن عربی متوفی ۶۳۸ھ جن کی ولادت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہوئی۔ اپنی تفسیر میں نبی اور رسول کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بخوفِ طوالت اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

"نبی اور رسول کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبی اس کو کہتے ہیں جو مقامِ قرب میں فنا کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ مقامِ استقامت کی طرف وجودِ موہوب کے ساتھ رجحان رکھتا ہو۔ متحقق بالحق اور عارف بالحق ہو۔ حق

کے امر سے حق کی ذات، صفات، افعال اور احکام کی خبر رکھتا ہو۔ اپنے سے پہلے رسول کی شریعت کی بنا پر اس کی طرف دعوت دینے کو مبعوث ہوا ہو۔ لوگوں کے لئے شریعت کے احکام نہ لایا ہو اور نہ حکم و ملت کا واضع ہو، معجزات دکھانے والا، لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام، کہ وہ سب کے سب دین موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے تھے۔ کسی ملت و شریعت کے واضع نہ تھے اور ان میں سے کوئی صاحب کتاب بھی تھا۔ جیسے داؤد علیہ السلام، ان کی کتاب (زبور) معارف و حقائق اور وعظ و نصیحت کی باتوں پر مشتمل تھی، احکام و شرائع پر نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں اور وہ اولیاء، عارفین اصحاب تصوف ہیں اور رسول وہ ہے جو اس سب کچھ کے علاوہ شریعت و قوانین کا واضع بھی ہو۔" (تفسیر امام ابن عربی ج ۲ صفحہ ۱۱)

شیخ اکبر علیہ الرحمہ نے رسول کی طرف شریعت و قوانین کے وضع کرنے کی نسبت فرمائی یہ وضع عام ہے کہ نئی ہو یا شریعت سابقہ کی تجدید و تبلیغ کی صورت میں ہو کیونکہ اس میں الفاظ یہ ہیں۔

"والرسول ھو الذی یکون لہ مع ذلک کلہ وضع شریعۃ وتقنین" (ج ۲ صفحہ ۱۱)

اور رسول وہ ہے جس کے لئے اس سب کچھ کے باوجود شریعت و تقنین کی وضع بھی ہو۔

اس میں "شریعۃ وتقنین" کے الفاظ مطلق ہیں یعنی اس میں شریعت جدیدہ اور تقنین جدید کی کوئی قید و شرط نہیں ہے۔ جو شریعت جدیدہ و سابقہ اور تقنین جدید و سابق،

دونوں کو عام ہے۔ لیکن اس تعریف میں کتاب یا صحیفے کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا طاہر القادری صاحب کی تعریف نہ تو جامع قرار پاتی ہے کہ اس سے حضرت اسماعیل اور حضرت یوسف علیہما السلام رسول ہونے سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا رسول ہونا قرآن سے قطعاً ثابت ہے اور نہ ہی یہ تعریف مانع ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نبی محض ہونے کے باوجود صاحبِ کتاب ہونے کی وجہ سے رسول قرار پاتے ہیں حالانکہ وہ رسول نہ تھے۔ نبی محض اور امرِ خداوندی سے شریعت موسیٰ علیہ السلام کے داعی و مبلغ تھے

یہ ہیں علامہ طاہر القادری صاحب کے جوشِ خطابت اور مدہوشِ قلم کی ستم کاریاں کہ نبی اور رسول میں فرق بیان کیا تو ایسا کہ نبی کی تعریف رسول پر اور رسول کی تعریف نبی پر صادق آتی ہے۔ کہیں رسول، نبیِ محض ٹھہر رہے ہیں اور کہیں نبیِ محض رسول قرار پا رہے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ جناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی خدمت سونپی اور کشتیِ امت کا واحد ناخدا بنا دیا ہے اور دودھ کے پیالے پلائے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ پھر سادہ لوح سنیوں پر تعجب ہے جو ایسے جہلِ مرکب سے دین کی خدمت کی توقعات لئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگے پھر رہے ہیں ؎

ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

نیز طاہر صاحب کا رسول کی تعریف میں یہ کہنا کہ "اسے کسی مخصوص قوم کی طرف دعوت و تبلیغ کا باقاعدہ پیغام اور پروگرام دے کر بھیجا ہو" اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ اس تعریف میں "مخصوص قوم" کی قید لگائی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ تعریف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہ آئیگی کیونکہ حضور کو کسی "مخصوص قوم" کی طرف نہیں بھیجا گیا بلکہ آپ تو ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے جیسا کہ قرآن و حدیث سے ظاہر ہے۔

نزولِ وحی کے بارے میں طاہر القادری صاحب کا غلط عقیدہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نزولِ وحی کے بارے میں طاہر قادری صاحب نے جو عقیدہ اپنا رکھا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں

" وحی محمدی کے بعد تا قیامت وحی نازل نہیں ہو سکتی "

(اجزائے ایمان حصہ دوم صہ ۱۱)

حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور چونکہ وہ نبی ہیں اس لئے ان پر وحی کا نزول بھی ہو گا۔ لیکن طاہر صاحب کی عبارت سے اس کی بھی نفی ہو گئی جو بالکل غلط اور عقیدہ اہلسنت کے خلاف اور سنتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منافی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہو گا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث میں ہے۔

ثم یاتی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ قوم قد عصمہم اللہ منہ فیمسح عن وجوہہم ویحدثہم بدرجاتہم فی الجنۃ فبینما ہو کذلک اذا وحی اللہ الیٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کے پاس آئیں گے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دجال سے بچا لیا ہو گا پس شفقت سے ان کے چہروں کو سہلائیں گے اور انہیں ان کے جنت کے درجوں کی خبر دیں گے۔ پس اس حال میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اللہ تعالیٰ وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے

انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور الخ
(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

بندے (یاجوج و ماجوج کی قوم کے لوگ باہر) نکالے ہیں کہ کسی کو ان سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ پس تم میرے ان بندوں کو کوہِ طور کی طرف پناہ میں لے جاؤ الخ

اس حدیث میں سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہو گا۔ لہٰذا طاہر القادری صاحب کا اپنی اس کتاب میں یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی بھی شخص پر اور کسی بھی رنگ میں وحی نازل نہ ہو گی اور یہ کہ وحی محمدی کے بعد تا قیامت وحی نازل نہیں ہو سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمودات کے خلاف ہے۔ اس قسم کی حدیثیں اور بھی بے شمار مقامات پر کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً صحیح ترمذ، صحیح ابن ماجہ، مسند امام احمد اور مستدرک امام حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس سے آئمہ محدثین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسب فرمان قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور ان پر وحی بھی نازل ہو گی۔ جناب طاہر القادری صاحب نے چونکہ باقاعدہ درسِ نظامی نہیں پڑھا اور دورۂ حدیث مکمل کرنے کی سعادت سے محروم رہے ہیں۔ اس لئے کتبِ حدیث کے نام تو گن سکتے ہیں۔ لیکن ان سے کما حقہٗ استفادہ کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتے اس لئے تو عقائد میں بھٹکے اور اپنی جہالت کی وجہ سے راہِ حق کو گم کئے پھر رہے ہیں۔ پھر تکبر اور غرور اور "چوں من دیگرے نیست" کے گھمنڈ کی وجہ سے امام اہلسنت قبلہ سید احمد سعید الکاظمی علیہ الرحمۃ کی کوشش کے باوجود بھی راہِ راست پر نہیں آئے اور طاہر القادری صاحب کے قبولِ حق سے مایوس ہو کر انہیں کہنا پڑا کہ "اگر آج تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تم گمراہ نہ ہوتے۔" اور اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو گی کہ وہ آئمہ و فقہاء اُمت کو اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں

کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں (ہمارے پاس اس کی کیسٹ موجود ہے سُن سکتے ہیں) اگر جناب طاہر کو ان احادیث کا علم ہوتا تو یوں کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تا قیامت کسی پر بھی وحی نازل نہ ہوگی۔

خُدا کو خیال اور احساس؟

قارئین۔ یقین فرمائیے کہ جناب طاہر صاحب جو پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر ایسے اونچے اونچے القاب رکھتے ہیں ان کے مبلغِ علم کا یہ عالم ہے کہ آداب خداوندی اور اوصاف پروردگار سے متعلق بنیادی عقائد تک سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "اجزائے ایمان" کے حصہ اوّل میں خدا تعالیٰ کے لئے لفظ "خیال" اور لفظ "احساس" بھی استعمال کر گزرے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ خداوندِ قدوس کو اپنی مخلوق کی سہولت اور آسانی کا کس قدر خیال اور احساس تھا"

(اجزائے ایمان حصہ اوّل ص۱۲۶)

جب کہ خیال، وہم اور شک مخلوق کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ خیال سے قطعاً و یقیناً پاک ہے اسی طرح "احساس" بھی "حیوان" (جاندار) چیز کی صفت ہے جس کا جسم ہو اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے قطعاً اور یقیناً پاک ہے۔ لہٰذا اس کے لئے خیال اور احساس کے کلمات استعمال کرنا عقائد سے بے خبری کی دلیل ہے اور جو عقائد سے واقف نہ ہو وہ قوم کا راہنما اور اسلام کا مبلغ نہیں ہوسکتا۔

حرکتِ زمین اور قرآنِ مجید

جناب طاہر القادری صاحب نے اپنی کتاب "اجزائے ایمان" کے حصہ دوم صفحہ ۸۶ پر سورۃ انبیاء کی آیات نمبر تیس سے چونتیس تک کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل آیت سے زمین کی تیز رفتاری اور اس کی حرکت کو ترجمۂ قرآن کا حصہ بنا کر قرآن کریم کے ساتھ ناقابلِ برداشت زیادتی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ﴿ الخ (الانبیاء)

(ترجمہ) اور ہم نے زمین کی تیز رفتاری کے باعث اس میں پیدا ہونے والی جنبش کو ختم کرنے کے لئے اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ وہ اپنے اوپر بسنے والی مخلوق کو لے کر کانپے بغیر حرکت کرے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کس قدر بڑی زیادتی ہے جسے موصوف نے قرآن کریم کے ساتھ روا رکھا ہے کہ اس ترجمہ میں، زمین کی تیز رفتاری اور اس کا حرکت کرنا دونوں کو ترجمہ میں شامل کر کے دونوں باتوں کو معنی و مفہوم قرآن کا جزو اور حصہ بنا دیا تاکہ ایک خالی الذہن شخص جب جناب طاہر القادری صاحب کا کیا ہوا ترجمۂ قرآن پڑھے تو شعوری یا لاشعوری طور پر اس بات کا قائل ہو اور یہ عقیدہ اختیار کر لے کہ زمین متحرک ہے اور زمین کی حرکت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ بات بھی کچھ بعید نہیں رہے گا کہ جو اہلِ فکر و دانش اور اربابِ علم و نظر زمین کی حرکت کے قائل نہیں بلکہ زمین کو ساکن مانتے ہیں وہ قرآن کے بھی منکر ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جب کہ

اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انہیں لے کر نہ کانپے"

(ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

ہمارے علماء کرام نے اسی آیت سے زمین کے حرکت نہ کرنے کا مسئلہ نکالا ہے

چنانچہ حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر قرآن "نور العرفان" میں

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"معلوم ہوا کہ زمین حرکت نہیں کرتی کیونکہ رب تعالیٰ نے

پہاڑوں کو لنگر فرمایا۔ لنگر ڈال دیئے۔ پر پہاڑ جنبش نہیں کرتا۔

ایسے ہی زمین اب جنبش (حرکت) نہیں کرتی"

(صفحہ ۱۰۱ طبع گجرات)

طاہر القادری صاحب اسلام کو سائنس کے تابع کرنے میں مصروف ہیں

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب طاہر القادری صاحب اسلام کو سائنس کے تابع کرنے میں مصروف ہیں اور ان کے نام نہاد اجتہاد کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن و سنت کے معنوں میں تحریف کر کے دورِ جدید کا ایک عظیم اور جدید مفکر کہلایا جائے

امامِ اہلسنت، مجددِ دین و ملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرکتِ زمین کے خلاف، رسالہ تحریر فرمایا۔ نیوٹن اور آئن سٹائن کے نظریات کی نہایت ہی معقول دلائل سے تردید کی۔ ۱۹۱۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل اور پاک و ہند کے ممتاز ریاضی دان پروفیسر مولوی حاکم علی۔ جو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سائنسی موضوعات پر خط و کتابت کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تبادلہ خیال کرتے رہتے تھے اور بریلی جا کر بھی بالمشافہ گفتگو کرتے اور سائنسی تجربات بھی کرتے تھے اور ان کا قیام اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک ایک ماہ رہتا تھا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ

"غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ (نظریہ حرکتِ زمین میں) متفق ہو جاؤ تو پھر ان شاء اللہ سائنس اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

"محبِ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلاتِ دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے یوں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی۔ نہ کہ سائنس

نئے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اُسے (سائنس کو) اختلاف ہے۔ سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائل سے سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس کے اقوال سے مسئلہ اسلامی کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس دان کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں۔ الخ

(امام احمد رضا اور نظریۂ حرکت زمین: صفحہ)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے حرکت زمین کے رد میں ۱۰۵ دلائل ارشاد فرمائے جن میں سے ۱۵ دلائل اگلی کتابوں کے ہیں اور ۹۰ دلائل خود اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی ایجاد ہیں جو اہل علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔ (۱۰) اور بہت سے سائنس دان آج بھی حرکت زمین کے نظریہ کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ان کے نام "امام احمد رضا اور نظریۂ حرکت زمین" میں مذکور ہیں۔

مگر جناب طاہر القادری صاحب کو تو جدید دور کے مفکر کہلانے کا شوق لئے پھر رہا ہے لہٰذا جناب والا! اس شوق کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قرآن کریم کے معانی و تعلیمات کو مسخ کرنے میں مصروف ہیں۔ ناواقف اور سادہ لوح مالداروں اور حکومت کی لامحدود اعانت موصوف کی پشت پر ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم قرآن کریم اور حدیث شریف کے معنوں کو اس طرح غلط اور موڑ توڑ کر چھاپتا تو اس کے خلاف عوام و خواص کی جانب سے ایک طوفانِ احتجاج بلند ہو جاتا ہے مگر یہاں اس کے باوجود سب کچھ گوارا کیا جا رہا ہے کیوں؟ اس لئے کہ قرآن کریم کے ساتھ ایسی زیادتی کرنے والا، خود قرآن ہی کی تعلیمات کو فروغ دینے کا مدعی ہے ؎

کسی دشمن نے یہ عزت مجھے اب تک نہیں بخشی
ہمیشہ دوست ہی کا ہاتھ پہنچا ہے گریباں تک۔

نیّتِ مقدم اور ارادہ مؤخر؟

جناب طاہر صاحب جو مدعی ہیں کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کا کام سونپا ہے۔ تجدید و تحقیق اور اجتہاد کے کیسے کیسے گل کھلا رہے ہیں۔ اسی کتاب میں فرماتے ہیں۔ صفحہ ۱۷۳

نیّت مقدم ہوتی ہے اور ارادہ مؤخر، لہٰذا ارادہ ہمیشہ نیت کے تابع ہوتا ہے۔ جس شخص کو اس قدر علم بھی نہ ہو بلکہ علم و تحقیق کے نام پر جہالت پھیلا رہا ہو۔ اسے مفکرِ اسلام و مفسرِ قرآن اور علامہ کے القاب سے یاد کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر اور ستم کیا ہوگا۔

آئیے، اب صحیح اہلِ تحقیق کی بھی سنئے۔ ہدایہ میں ہے" والنية هي الارادة" کہ نیت ارادہ ہی ہے۔ اس کی شرح میں علامہ عینیؒ "البنایہ شرح ہدایہ" میں فرماتے ہیں۔

النيه هي الارادة هذا تفسير النية اى الارادة الجازمة القاطعه (البنایہ ج ۱ ص ۵۷۸)

نیت ارادہ ہی ہے یہ نیت کی تفسیر ہے یعنی وہ ارادہ جو پکا اور قطعی ہو۔

گویا ارادہ کی دو قسمیں ہیں ایک ارادۂ محضہ جس میں جزمیت اور قطعیت نہ ہو دوسرا وہ ارادہ جس میں جزمیت اور قطعیت ہو جسے دوسرے لفظوں میں عزم بالجزم کہتے ہیں اسی عزم بالجزم کا نام نیت ہے اس کے بعد عمل کا ہی مرحلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام اکمل الدین متوفی ۷۸۶ھ عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

النية فى اللغة العزم والعزم هو الارادة الجازمة

نیت لغت میں عزم کا نام ہے اور عزم وہ ارادہ ہے جو پکا اور قطعی ہو۔

القاطعة (العنایہ ج ۱ صـ۲۶۶)

اس عبارت سے ہی ارادے کی تقسیم ظاہر ہو رہی ہے ایک وہ جو پکا اور قطعی نہ ہو۔ یہ ابتدائی نوعیت کا ارادہ اور دوسرا وہ جو پکا اور قطعی ہو اور یہ جزمیت اور قطعیت ارادے کا دوسرا اور آخری درجہ ہے۔ اسی کا نام نیت ہے۔

امام زین الدین ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمۃ متوفی ۹۷۰ھ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں۔

النیۃ اسم للمقترن بالفعل (البحر الرائق ج ۱ صـ۲۵)

یعنی نیت اس عزم و پختہ ارادہ کا نام ہے جو فعل کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے

امام ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے نہ از حد وضاحت و صراحت ہی فرما ڈالی کہ نیت اس پختہ ارادہ اور عزم بالجزم کا نام ہے جس کے بعد کام کی ہی نوبت آجاتی ہے۔ یعنی نیت اور کام کے درمیان کوئی اور مرحلہ باقی نہیں رہ جاتا۔ روزنامہ نوائے وقت کے علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ ترتیب یوں ہے۔

"پہلے خواہش پھر غور و خوض پھر نیت پھر عزم و ارادہ پھر عمل"

(اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۱۷۲-۱۷۳)

لیکن ائمہ اہلسنت فرماتے ہیں کہ پہلے ارادہ پھر نیت یعنی عزم بالجزم۔ چنانچہ امام شمس الدین محمد الخراسانی علیہ الرحمۃ متوفی ۹۶۲ھ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ

النیۃ لغۃ العزم وشرعا القصد الی الفعل الخ

نیت کے لغوی معنی عزم کے ہیں اور شریعت میں فعل کا ارادہ کر لینا نیت ہے

(فتاویٰ قہستانیہ ج ۱ صـ۳۱)

امام موصوف نے بھی واضح کر دیا کہ نیت کے بعد ارادہ کا مرحلہ نہیں ہے عمل کا مرحلہ ہے اور امام زین الدین ابو یحییٰ زکریا الانصاری علیہ الرحمۃ فتح الوہاب میں فرماتے ہیں کہ

النية قصد الشئ مقترنا بفعله (فتح الوہاب ج ۱ ص ۱۰۷) — نیت کسی شئ کا ارادہ کرنا جب کہ ارادہ فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

ان ائمہ کرام کی تحقیق سے واضح ہوگیا کہ جناب طاہر صاحب کا یہ کہنا کہ پہلے نیت ہوتی ہے پھر ارادہ ہوتا ہے پھر عمل۔ سراسر غلط اور جاہلانہ بات ہے۔ اسی سے ہی قارئین اندازہ فرمالیں کہ جناب موصوف کس طرح متلاشیانِ علم و تحقیق کو علم کے نام پر غلط معلومات فراہم کر رہے ہیں یہ کیا ہی غضب اور کیا ستم ہے۔ کہ ایک شخص کو نہ علم سے واسطہ ہے اور نہ تحقیق کی خبر۔ وہ زمانہ کا مفکر و مفسر بنا ہوا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہم کو آئینِ چمن بندی سکھانے آتے ہیں
گلستان کے رنگ و بُو سے ہیں جو بیگانے ابھی

طاہر القادری کا عقیدہ کہ جس جسم پر موت واقع ہوئی وہ دوبارہ زندہ نہ ہو گا اور نہ ہی اسے عذاب ہوتا ہے۔

جناب ڈاکٹر طاہر القادری کا ایک نیا عقیدہ، نئی تحقیق، نیا اجتہاد اور عقائدِ اسلام میں ایک نئی اختراع و گمراہ کن بدعت و ضلالات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

" بعث بعد الموت (مرنے کے بعد اٹھائے جانے) کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بعینہٖ اسی بدن اور اسی جسم کو (جو دنیا میں ہے اور جس پر موت وارد ہوتی ہے) دوبارہ انہی ذرات اور خلیوں (SELLS) کے ساتھ زندہ کیا جائے جن سے اس کا دُنیوی وجود تشکیل پایا تھا۔"

(اجزائے ایمان حصہ اوّل ص ۲۱۵)

عذابِ قبر کا انکار

اس کے بعد عذاب قبر کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ کوئی جرم کرتا ہے پھر پکڑا جاتا ہے پھر خواب ہی میں اس کی سزا پاتا ہے اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ درد بھی محسوس کر رہا ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ سزا اس کے اسی جسم کو دی جا رہی ہے جو چارپائی پر پڑا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کا خواب میں چارپائی پر پڑے ہوئے جسم کے مشابہ کوئی مثالی جسم ہوتا ہے اس پر عذاب ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

" جب آپ خواب کے دوران میں کرب و الم (تکلیف) کی خاص

کیفیت سے گذر رہے تھے اس وقت آپ کو قطعاً یہ احساس نہیں تھا کہ
جس جسم کو خواب میں سزا دی جا رہی ہے اور اس پر تکلیف وارد ہو رہی ہے
وہ کوئی دوسرا جسم ہے اور حقیقی جسم چارپائی پر پڑا ہے۔

(اجزائے ایمان حصہ اوّل صفحہ ۲۱۷)

جناب ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹری جاگی تو اجتہاد اور جدید تحقیق کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد کا آپریشن شروع کر دیا اور واضح کر کے رکھ دیا کہ جیسے خواب میں سونے والے کو اپنے جسم پر وارد ہونے والی تکلیف اسی دُنیوی اور عنصری یا مادی جسم پر گزرتی محسوس ہوتی ہے لیکن دراصل وہ خواب کے محض تصوراتی اور خیالاتی جسم پر ہوتی ہے۔ اس سے مادی جسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اسے عینیت کا شعور ہوتا ہے کہ وہ خواب میں اس خیالی جسم کا خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو خیال میں وہی خواب والا جسم بعینہ مادی جسم محسوس ہوتا ہے۔ یہی حال اہلِ قبور کے عذاب کا اور موت کے بعد اٹھائے جانے کا ہے وہ عذاب اس جسم حقیقی پر نہیں ہوتا یونہی موت کے بعد اُٹھایا جانا اور عذاب ہونا اسی مثالی و خیالی جسم کے ساتھ ہو گا۔ کیونکہ وہ مادی جسم تو خاک ہو گیا یا جانوروں کی غذا بن گیا یا جل کر راکھ ہوا پھر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ لہٰذا اس پر عذاب کیسے وارد ہو سکتا ہے چنانچہ موصوف مزید لکھتے ہیں۔

"بعینہ اس شخص کی حالت اور کیفیت وہی ہوتی ہے جسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اس کے جسم کے مادی ذرات کو بلاشبہ مٹی کھا گئی۔ اس کی ہڈیوں کو زمین نے ختم کر دیا۔ اس کے جسمانی ذرات اور خلیوں میں سے کچھ نہ بچا۔ لیکن اس شخص کی رُوح تو باقی ہے وہ نہ فنا ہوتی اور نہ ہی اسے مٹی نے نگلا ہے۔ مٹی انسانی جسم، بدنی ذرات اور خلیوں کو تو ختم کر سکتی ہے مگر رُوح اور اس میں پائے جانے والے احساسِ عینیت کو ختم

نہیں کر سکتی۔ (اجزائے ایمان حصہ اول ص ۲۱۴)
پھر فرماتے ہیں۔

"لہٰذا جسم انسانی کے گل سڑ جانے کے باوجود اس کی حقیقی شخصیت، اس کا شعور ذاتی اور اس کا ادراک نفس اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور وہ عالم برزخ میں اس کے بدن پر جزا و سزا کا جو سلسلہ مرتب ہوتا ہے وہ اس کے ظاہری جسم اور مادی خلیوں پر نہیں بلکہ اس کی حقیقی اور اصل شخصیت پر ہوتا ہے۔ جو روح کے تشخص کے باعث مثالی جسم کی صورت میں موجود رہتی ہے اسی طرح اگر جسم آگ میں جل گیا ہو یا سمندر میں ختم ہو گیا ہو تب بھی اصل شخصیت باقی رہتی ہے جو جزا و سزا کے لئے کافی ہے"

(اجزائے ایمان ص ۲۱۵)

پھر فرماتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کا تعلق جسم کے خاکی ذرات کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے باطنی تشخص اور روحانی تمثیل کے ساتھ ہے"

(اجزائے ایمان حصہ اول ص ۲۱۸)

طاہر القادری کا عقیدہ کتاب و سُنّت اور اُمّت کے خلاف اور کفر ہے

طاہر القادری کا یہ عقیدہ جو تفصیل کے ساتھ حوالوں سے اوپر بیان ہوا۔ کتاب وسنت اور اجماعِ اُمّت کے خلاف اور کھلی گمراہی ہے۔ بلاشبہ سنت، کتاب الٰہی کی تفسیر و تشریح ہے جو سنت میں ہے اس کا سرچشمہ کتاب اللہ ہے۔ آئیے سنت کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ مسئلہ کی حقیقت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے جسم پر کچھ بھی گزرے خواہ وہ مٹی میں دفن ہو یا آگ میں جل جائے یا سمندر میں ڈوب جائے یا اسے جانور کھا جائے۔ بہر صورت اس کے جسم کے اجزاء جنہیں اجزاء اصلیہ کہا جاتا ہے۔ روح کا ان سے تعلق رہتا ہے اور ان میں روح کا لوٹایا جانا سنت سے ثابت ہے۔ جس کا انکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ

ویعاد روحہ فی جسدہ (مشکوٰۃ ص۲۵) — میت کے جسم میں رُوح کو لوٹایا جاتا ہے۔

مسلک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایسی احادیث کی روشنی میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے عقائد کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "الفقہ الاکبر" میں لکھا ہے۔

واعادۃ الروح الی العبد حق (الفقہ الاکبر) — اور بندے کی طرف (موت کے بعد) اس کی روح کا لوٹایا جانا حق ہے۔

اس کی شرح میں امام المحدثین قدوۃ الفقہاء والمحققین امام علی القاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

واعادۃ الروح الی ردہ! — رُوح کا لوٹایا جانا بندے کی طرف یعنی

او تعلقها الى العبد اى جسده الخ

اس کے جسم کی طرف حق ہے۔

"حق" شرح فقہ اکبر ص۱۲۱)

پھر لکھتے ہیں۔

بجميع اجزاءه او ببعضها مجتمعة او متفرقة فى قبره حق (ص۱۲۱)

یعنی خواہ روح کا بندے کے تمام جسم کی طرف یا اس کے بعض اجزاء کی طرف لوٹایا جانا، خواہ وہ اجزاء اکٹھے ہوں یا الگ الگ ہوں حق ہے۔

نیز ابو الشکور سالمی علیہ الرحمۃ تمہید شریف میں فرماتے ہیں۔

"قالت المعتزلة ان الاجسام تفنى وتصير معدومة ثم ان الله تعالى خلق جسدا غير هذا الجسد يوم القيامة وادخل الروح وعذبه واثابه وهذا كفر والمذهب عند اهل السنة والجماعة ان هذه الاجساد تحشر بعينها بدليل قوله تعالى "كل نفس بما كسبت رهينة" وقوله "جزاء بما كانوا يعملون" ولان العمل حصل من هذا الجسد ولو جوزنا تعذيب جسد آخر

یعنی معتزلہ نے کہا کہ اجسام فانی ہو کر معدوم ہو جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ روز قیامت اس جسم کے علاوہ ایک اور جسم پیدا کرے گا اور اس میں رُوح ڈالے گا اور اسے عذاب و ثواب دے گا اور یہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے اور اہلسنت و جماعت کے نزدیک مذہب یہ ہے کہ یہی جسم بلاشبہ اٹھائے جائیں گے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ہر جان اپنے کمائے کے ساتھ گروی رکھی ہوئی ہے" اور یہ ارشاد بھی ہے کہ ان کو ان کے عمل کی بھرپور جزا دی جائے گی اور اس لئے بھی کہ عمل اسی دنیا والے جسم نے کیا اور اگر ہم دوسرے جسم کے عذاب د

بسبب هذا العمل فانه لایکون
عدلا واللہ تعالیٰ یقول ولا
تزر وازرة وزر اخریٰ فوجب
ان یحشر هذا الجسد بعینه
حتی یجازیٰ ویکافی باعماله۔
(صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴)

ثواب دیئے جانے کو جائز قرار دیں اس عمل
کی وجہ سے تو یہ عدل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے بوجھ
کو نہیں اُٹھائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ
اسی جسم کو زندہ کیا جائے بعینہٖ، تاکہ اسے
اس کے اعمال کی جزا دی جائے

نیز امام المحققین حضرت علی القاری لکھتے ہیں کہ

فالسؤال یشمل الاموات
جمیعها حتی ان من مات و
اکلته السباع فان اللہ تبارک و
تعالیٰ یعلق روحه الذی فارقه
بجزئه الاصلی الباقی من اول
عمره الی آخره المستمر علی
حالتی النمو والذبول الذی
تتعلق به الروح اولا فیحیا
بحیاته سائر اجزاء البدن
یسأل فیثاب او یعذب ولا
یستبعد ذلک فان اللہ تعالیٰ
عالم بالجزئیات والکلیات کلها
حسب ما هی علیها فیعلم الاجزاء
بتفاصیلها ویعلم مواقعها و

سوال قبر تمام مردوں کو شامل ہے
یہاں تک کہ یقیناً (اس کو بھی) شخص مر گیا اور
اسے درندے کھا گئے۔ پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ
اس کی رُوح کو جو اس سے جُدا ہو گئی اس
کے (جسم کے) اس اصلی چیز کے ساتھ
متعلق فرماتا ہے۔ ابتدائے عمر سے آخر عمر
تک، بڑھنے اور سکڑنے کی دو حالتوں پر
ہمیشہ رہتا ہے جس کے ساتھ روح پہلے
شروع سے متعلق ہوتی ہے پھر وہ زندہ ہوتا
ہے اور اس کی زندگی کے ساتھ بدن کے
تمام اجزاء زندہ ہوتے ہیں۔ تاکہ اس سے
سوال کیا جائے پھر اسے ثواب دیا جائے یا
عذاب۔ اور روح کا جسم کے اسی اصلی جز
کے ساتھ متعلق ہونا بعید نہیں پس بلاشبہ

محالها ويميز ما هو اصل و فصل ويقدر على تعليق الروح بالجزء الاصلي منها حالة الانفراد وتعليقه به حال الاجتماع فان البنية عندنا ليست شرطا للحياة بل لا يستبعد تعليق ذلك الروح الشخصي الواحد بكل واحد من تلك الاجزاء المتفرقة في المشارق والمغارب.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا ص ٦٨)

اللہ تعالیٰ تمام جزئیات اور کلیات کے جاننے والا ہے ان کے حقائق کے مطابق پس وہ جسم کے تمام اجزاء کو ان کی تفاصیل کے ساتھ جانتا ہے اور ان کے مواقع کو جانتا ہے (کہ وہ اجزاء کہاں کہاں منتشر ہو کر پڑے) اور وہ اس کو تمیز کر سکتا ہے جو اصل ہے اور جو الگ ہے اور وہ رُوح کو ان اجزاء میں سے اصلی جز کے ساتھ متعلق کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس کے منفرد ہونے کی حالت میں اور دوسرے اجزاء کے ساتھ جمع ہونے کی حالت میں۔ پس بلاشک ہمارے نزدیک حیات برزخی کے لئے جسمانی ڈھانچہ کا ہونا شرط نہیں بلکہ ایک شخص کے ان تمام جسمانی اجزاء میں سے جو مشارق و مغارب میں پھیل گئے، ہر ایک جز کے ساتھ رُوح کا متعلق کیا جانا بعید نہیں ہے:

الحمد للہ! ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ طاہر القادری کا عقیدہ اہلسنت کا نہیں۔ فرقہ معتزلہ۔ گمراہوں کا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے جسے طاہر القادری نے اختیار کیا ہے جیسا کہ امام ابو الشکور سالمی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں ہے "وَهٰذَا كُفْرٌ" اور مذہب حق یہی ہے کہ حیات برزخی کیلئے انسانی جسم کا ڈھانچہ کی صورت میں رہنا ضروری نہیں بلکہ جسم کے اجزاء بکھر کر مشرق و مغرب تک پھیل جائیں انکی صورت و نوعیت بدل جائے جب بھی رُوح اس سے متعلق رہتی ہے

پروفیسر طاہر کا عقیدہ کہ مُردہ کے جسم کی تمام ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے

طاہر القادری کا عقیدہ کہ مردہ کے جسم کی تمام ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قطعاً خلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کی تمام ہڈیوں کو زمین نہیں کھاتی۔ اگر کھلاتے بھی، تو ایک ہڈی ایسی ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ویبلیٰ کل شیٔ من الانسان الا عجب ذنبہ فیہ یرکب الخلق (صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۱۱)

اور انسان کے جسم میں سے ہر شئی گل جاتی ہے سوائے اس کی اس ہڈی کے جو کمر کے آخر میں جڑ والی ہڈی ہے اس میں انسان کی تخلیق ترکیب پاتی ہے۔

اس کی شرح میں امام سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

"وہ ہڈی باقی رہتی ہے تاکہ انسان کا وہ جسم جسے مثلاً عذاب پہنچے۔ بعینہ وہی جسم ہو جس سے گناہ سرزد ہوا۔ اسی ہڈی سے دوبارہ جسم انسانی کی تخلیق وہاں سے ہوتی ہے وہ بنیاد ہے۔ اس سے جسم انسانی کا دوبارہ تخلیق پذیر ہونا بعینہ اسی جسم سابق کا دوبارہ معرض وجود میں آنا ٹھہرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس سے پیدا نہ کیا جائے تو وہ نیا جسم ہوگا جس کا دنیا کی نیکی و بدی سے تعلق ہی نہ ہوگا اور یہ بات درست نہیں ہے۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۱)

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس ہڈی کے جسے عجب الذنب کہا جاتا ہے ہمیشہ کے لئے باقی رہنے کا فلسفہ بیان فرما دیا کہ وہ حصہ اس لئے باقی رکھا جائے گا گلتا سڑتا نہیں بلکہ صحیح وسالم رہتا ہے تاکہ جس کو عذاب وثواب پہنچے وہ بعینہٖ وہی جسم یا اسی کا حصہ ہو جس نے بدی یا نیکی کی۔ لیکن طاہر القادری صاحب اس کے برعکس ایک تو سارے کے سارے جسم کے گل جانے کے قائل ہیں جو اس حدیث کے خلاف ہے اور دوسرے عذاب و ثواب میں مثالی جسم کے قائل ہیں جس کا دنیا کی نیکی یا بدی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ اور اس سے تعذیب بلا معصیت لازم آتی ہے یعنی بلا قصور کسی کو سزا دینا۔ یہ ہے مجتہد صاحب کے اجتہاد کا نتیجہ جو تعلیماتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف برعکس برآمد ہو رہا ہے ؎

ہر تسلی ہر تشفی ہے نئے انداز سے
اب شکایت کیا کرے بیمار چارہ ساز سے

صحیح بخاری کی دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

لیس من الانسان شیٔ الا یبلی الا عظما واحدا وھو عجب الذنب ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۵)

ایک ہڈی کے سوا انسان کی ہر چیز گل جاتی ہے اور وہ ہڈی عجب الذنب ہے اور قیامت کے دن اسی سے دوبارہ انسان کی تخلیق ترکیب پذیر ہو گی۔

عجب الذنب کے معنی اور مقدار

عجب الذنب کے معنی دم کی جڑ کے ہیں

عجب الذنب کے معنی دم کی جڑ کے ہیں اور یہاں انسان کی پیٹھ کی ہڈی جو کمر کو جاتی ہے اس کے آخری حصہ کے ہیں اور وہ لطیف (باریک) ہڈی ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔

کل ابن آدم تاکل الارض الا عجب الذنب منه خلق و منه یرکب (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۶)

تمام انسان کو زمین کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے اسی سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کو دوبارہ بنایا جائیگا

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں ہے " ومنه یرکب الخلق یوم القیامة " (ج ۲ ص ۴۰۷) کہ قیامت کے دن دوبارہ اسی ہڈی سے انسان کو بنایا جائے گا۔ (نیز ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ ص ۳۱۵ و مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۱۵ - ۳۲۲)

امام طیبی فرماتے ہیں " لانه لا یفنیٰ اصلا " کہ یہ ہڈی ہرگز فنا نہیں ہوتی نسائی شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے حاشیہ پر امام سندھی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ ہڈی کیا چیز ہے یعنی اس کی مقدار کس قدر ہے؟ فرمایا " مثل حبة خردل " رائی کے دانہ کے برابر ہے (نسائی ج ۱ ص ۲۹۳)

اور مسند امام احمد علیہ الرحمۃ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ

ماهو یا رسول الله؟ قال مثل حبة خردل منه تنبتون (ج ۳ ص ۲۸)

یہ ہڈی کس قدر ہے؟ فرمایا رائی کے دانہ کے برابر ہے تم قیامت کے دن اسی سے اُگائے جاؤ گے۔ (پیدا کئے جاؤ گے)۔

یہ حدیث موطا امام مالک میں بھی ہے اس کی شرح میں امام باجی علیہ الرحمۃ فرماتے

ہیں کہ اگرچہ مٹی انسان کے سارے جسم کو کھا جائے گی لیکن اس کو نہیں کھاتی (گویا اللہ تعالیٰ کا امر یہی ہے کہ یہ ہڈی باقی رہے اور جسے خدا رکھے اسے کون چکھے)

پھر فرماتے ہیں کہ

لانہ اول ما خلق من الانسان وھذا الذی یبقی منہ لیعاد ترکیب الخلق الیہ۔
(المنتقی شرح موطا ج ۲ صہ ۳۱)

کیونکہ یہی ہڈی انسان کے اعضا میں سے پہلے پیدا کی جاتی ہے اور یہی وہ ہڈی ہے جو باقی رہتی ہے تاکہ اس کی ترکیب تخلیق اسی کی طرف لوٹائی جائے یعنی انسان کی دوبارہ تخلیق وہاں سے ہو۔

طاہر القادری کا ایک اور اجماع کا انکار

ثابت ہوا کہ وہ ہڈی جسے "عجب الذنب" کہتے ہیں سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق وہ ہرگز نہ گلتی ہے اور نہ ہی جلتی ہے وہ رائی کے دانہ کے برابر بڑی لطیف ہڈی ہے وہ ہڈی ہمیشہ رہتی ہے وہ ہی انسان کی تخلیق کی بنیاد ہے شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔ اس میں روح لوٹا کر اللہ تعالیٰ میت کو ثواب یا عذاب پہنچاتا ہے۔ اور اسی پر سب آئمہ اہلسنت کا اجماع اور اتفاق ہے اس کے گل جانے اور نیست و نابود ہو جانے کا اہل حق میں سے کوئی بھی قائل نہیں بلکہ سب معترف ہیں۔
طاہر القادری ایک نئے نام نہاد مجتہد ہیں جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع آئمہ کے خلاف راستہ لئے جا رہے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ آمین

جن کا جسم قبر میں سلامت رہتا ہے۔

امام قسطلانی شارح بخاری نے ارشاد الساری شرح بخاری میں "غیر الانبیاء" کی قید لگا کر واضح فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی چنانچہ حدیث میں بھی ہے۔

اور امام باجی نے شہداء کو بھی شامل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے اجسام کو بھی زمین نہیں کھاتی (ج ۲ ص ۲۱)

اور امام عبدالباقی زرقانی نے شرح موطا میں ایسے دس حضرات کا ذکر کیا ہے جن کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی

"امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ شریف "کل ابن آدم" کہ ہر انسان یا ہر ابنِ آدم کے جسم کو زمین کھا جاتی ہے سوائے اس ہڈی کے جسے "عجب الذنب" کہتے ہیں، عام مخصوص عنہ البعض ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء اور شہداء کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی اور تمہیں وہ دلیل کافی ہے جو احد کے شہیدوں کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان کو ۴۶ سال کے بعد ان کی قبروں سے نکالا گیا تو ان کے اجسام تر و تازہ تھے۔ گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا کہ جن کے جسموں کو مٹی کھاتی ہے ان کے سارے جسم کو کھاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب کے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسے مٹی نہیں کھاتی تو یہ بات بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ شہیدوں کے جسم کو بھی نہیں کھاتی اور یہ بات ان کے حق میں تسلیم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کر

عملاً تسلیم کرتے ہیں (یعنی صحیح العقیدہ اور شریعت کے پابند ہیں) اور امام ابن عبدالبر کے علاوہ بعض آئمہ نے اس پر مزید فرمایا ہے کہ صدیقین[۳]، علماء اہلسنت[۴]، ثواب کی غرض سے اذان دینے والے[۵]، قرآن[۶] کے حافظ[۷]، مجاہد[۸]، طاعون سے مرنے والے، جنہوں نے اس پر صبر کیا تاکہ ثواب ہو، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے[۹] ذکر کرنے والے اور آپس میں محض[۱۰] اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والے یہ دس لوگ ہیں جن کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔" (شرح زرقانی علی المؤطا ج ۲ ص ۲۹۵)

خیر! یہ تو ایک ضمنی بات تھی کہ کون کون سے لوگ ہیں۔ جن کے اجسام مبارکہ کو مٹی نہیں کھاتی مگر بتانا یہ تھا کہ جناب طاہر کا یہ کہنا کہ انسان کا سارا جسم مٹی ہو جاتا ہے یا جل جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے تمام ذرات اور خلیوں کو بھی مٹی کھا جاتی ہے اس کے جسم سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا، ان تمام احادیث کے قطعاً خلاف اور اجماع کے بھی منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظاہرہ

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظاہرہ جس سے طاہر القادری بے خبر ہے۔ کیونکہ اس نے دورۂ حدیث باقاعدہ پڑھا ہی نہیں، حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حضور منت وسماجت اور سفارش کے ذریعے حدیث کی سند لے کر کام چلانا شروع کر دیا۔ اگر فی الواقع دورۂ حدیث پڑھا ہوتا تو یہ گمراہ کن عقیدہ اختیار نہ کرتے کہ:

۱۔ "بعث بعد الموت مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ بعینہٖ اسی بدن اور اسی جسم کو دوبارہ انہی ذرات اور خلیوں کے ساتھ زندہ کیا جائے جن سے اس کا دنیوی وجود تشکیل پایا تھا۔" (اجزاء ایمان حصہ اول ص ۱۵)

اور یہ کہ:

۲۔ "جسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اس کے جسم کے مادی ذرات کو بلاشبہ مٹی کھا گئی۔ اس کی ہڈیوں کو زمین نے ختم کر دیا۔ اس کے جسمانی ذرات اور خلیوں میں سے کچھ باقی نہ رہا۔" (اجزائے ایمان حصہ اول ص ۱۷)

۳۔ "واقعہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کا تعلق جسم کے خاکی ذرات کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے باطنی تشخص اور روحانی تمثیل کے ساتھ ہے۔" (اجزائے ایمان حصہ اول ص ۱۸)

جناب طاہر کے یہ تینوں خیالات کتاب وسنت کے قطعاً خلاف اور اجماعِ امت سے متصادم ہیں۔ ابھی پچھلی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

۱۔ "میت کے جسم میں رُوح لوٹائی جاتی ہے":

امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ گرامی بھی گزرا کہ:

۲۔ "موت کے بعد بندے کی رُوح کا میت کے جسم میں لوٹایا جانا حق ہے"

(فقہ اکبر)

مُلا علی قاری علیہ الرحمۃ کی تشریح بھی دیکھ چکے کہ

۳۔ "رُوح کا بندے کے جسم کی طرف صرف تعلق رکھنا ہی نہیں بلکہ لوٹایا جانا حق ہے۔ خواہ رُوح بندے کے تمام جسم کی طرف لوٹائی جائے یا اس کے بعض اجزاء کی طرف اور خواہ وہ اجزاء اکٹھے ہوں یا الگ الگ ہوں" (شرح فقہ اکبر)

پھر مرقاۃ کے حوالے سے بھی پڑھ لیا کہ

۴۔ "خواہ میت قبر معروف میں ہو یا اسے درندہ کھا گیا ہو یا اس کے جسم کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا جُدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مشرق و مغرب تک پھیل گئے ہوں۔ رُوح اس کے اجزاءِ اصلیہ سے متعلق ہوتی ہے اور یہ کہ اس کے ہر ہر جزء کے ساتھ رُوح کا تعلق ہوتا ہے"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی حدیث شریف میں دیکھ چکے کہ

۵۔ "انسان کے جسم کو مٹی کھائے تو اس کے سارے جسم کو کھانے کے باوجود عجب الذنب کو نہیں کھاتی۔

اب اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظاہرہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے انہیں ذرات کو اور خلیوں کو دوبارہ ان کی اصلی حالت میں لا کر اپنے بندے کو اپنی بارگاہ میں

جائز کرتا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد کتب حدیث کے حوالوں کا مشاہدہ کریں۔ نسائی میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اسرف عبدٌ علی نفسہ حتی حضرتہ الوفاۃ قال لاھلہ اذا انا متُّ فاحرقونی ثم اسحقونی ثم اذرونی فی الریح فی البحر فواللہ لئن قدر اللہ علیّ لیعذبنی عذابا لایعذبہ احدا من خلقہ، قال ففعل اھلہ ذلک قال اللہ عزوجل لکل شیٔ اخذ منہ شیئا ادِّ ما اخذت منہ، فاذا ھو قائم، قال اللہ عزوجل ماحملک علی ما صنعت؟ قال خشیتک فغفر اللہ لہ۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۳)

ایک بندے نے اپنی جان پر زیادتی کی (گناہ کئے) یہاں تک کہ اس کی وفات کا وقت آگیا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ میں جلا دینا پھر مجھے پیسنا۔ پھر مجھے ہوا میں دریا کے اندر اڑا دینا۔ پس خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ مجھے اس قدر عذاب دے گا کہ ایسا عذاب اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دے گا۔ تو اس کے گھر والوں نے ویسا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شیٔ کو جس نے اس کے جسم میں سے کچھ لیا تھا حکم دیا کہ جو کچھ تو نے اس کے جسم سے لیا اسے ادا کر۔ پس جبھی (فوراً) وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کی تیرے ڈر سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کی جلد دوم صفحہ ۹۵۹، اور صفحہ ۹۷۷

پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور جلد اوّل کے صفحہ ۴۹۱، اور صفحہ ۴۹۵ پر بھی روایت کیا۔ اس میں ہے "وَكَانَ نَبَّاشًا" کہ وہ شخص کفن چور تھا۔ نیز اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم کی جلد دوم صفحہ ۳۵۰ پر روایت کیا۔

نیز اس حدیث کو امام مالک علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "مؤطا" میں بھی روایت کیا ہے (ملاحظہ ہو مؤطا مع شرح زرقانی ج ۲ ص ۲۹۸) مؤطا میں ہے کہ انہوں نے اس کے جسم کو جلا کر اس کی آدھی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اور آدھی راکھ کو دریا میں بہا دیا

امام زہری جو امام مالک کے استاذ ہیں، کی روایت میں یوں ہے: "قال لبنیہ اذا انا مت فاحرقونی ثم اطحنونی" کہ اس شخص نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے آگ میں جلانا پھر مجھے پیسنا (پھر راکھ کو اڑا دینا)۔ اس حدیث کو امام ابو عوانہ علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا۔ اس میں ہے "فی اسرع من طرفۃ عین" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جس کے پاس اس کے جسم کا کوئی ذرہ تھا اور جس حالت میں تھا، حکم دیا کہ اسے واپس ادا کرے تو وہ آنکھ جھپکنے سے بھی بڑھ کر تیزی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اصلی جسم کے ساتھ کھڑا ہوا۔

اِمام بدرُالدین عینی اور امام زرقانی کے کلام سے طاہر کا رَد

ان تمام حدیثوں سے طاہر کا رد تو خود بخود ہو ہی گیا مگر ائمہ کے کلام سے بھی رد ملاحظہ فرماتے جائیں۔

چنانچہ امام عبدالباقی زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

وفیہ دلالۃ علی رد من زعم ان الخطاب لیس وجہہ	اس حدیث میں اس شخص کی تردید پر دلالت ہے جو یہ خیال باطل رکھتا ہے

لان التحريق والتذرية انما وقعا على الجسد وهو الذى جمع واعيد ولابى عوانة من حديث حذيفة عن الصديق ۰ انه آخر اهل الجنة دخولا

(شرح زرقانی علی الموطا ج ۲ ص۲۹۸)

کہ قبر کا سوال وجواب صرف رُوح سے ہوتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے کیونکہ جلائے جانے اور ہوا میں بکھیرے جانے کے دونوں عمل اس کے جسم پر واقع ہوتے تھے اور اسی جسم کو جمع کیا اور اصلی حالت میں (جہاں اللہ نے چاہا) لوٹایا گیا (اور حاضر کیا گیا) اور امام ابوعوانہ کی روایت میں حضرت حذیفہ سے حضرت ابوبکر صدیق سے ہے کہ یہ شخص آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔

اور صحیح بخاری کے الفاظ میں جہاں "فَجَمَعَ اللّٰهُ" ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کی راکھ کو جہاں جہاں اور جس حال میں تھی اپنے حکم سے اکٹھا کیا، کے تحت امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں

"ای جمع جسده لان التحريق والتفريق انما وقعا عليه وهو الذى يجمع ويعاد عند البعث وفى حديث سلمان الفارسى عند ابى عوانة وصححه فقال الله، كن فكان كاسرع من طرف العين"

(عمدۃ القاری ج ۱۶ ص۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے جسم کو اکٹھا کیا۔ کیونکہ جلانے اور بکھیرنے کے دونوں عمل اس کے جسم پر ہی واقع ہوئے تھے اور مرنے کے بعد اسی جسم کو دوبارہ اکٹھا کیا اور لوٹایا جاتا ہے اور امام ابوعوانہ کی سند میں حضرت سلمان فارسی کی حدیث میں ہے اور اسے انہوں نے صحیح قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو اکٹھا کرنے اور حاضر کرنے کا ارادہ فرمایا تو "کُن"

فرمایا، تو وہ شخص آنکھ جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے حاضر ہو گیا۔

ان تمام حدیثوں اور ان کے شارحین ائمہ اہلسنت سے طاہر صاحب کے اس گمراہ اور گمراہ کن نظریے کی انتہائی وضاحت سے تردید ہو گئی کہ مرنے کے بعد دوبارہ اسی جسم کو زندہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مرنے والے کو ایک اور مثالی جسم یعنی پہلے جسم سے ملتے جلتے ایک خیالی جسم کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر کیا جاتا ہے اور کیا جائے گا اور جزا و سزا کا سلسلہ اسی مثالی وخیالی جسم پر گزرتا ہے۔ کیونکہ اس کا پہلا جسم تو مٹی ہو گیا یا جلا دیا گیا یا پانی میں ڈوب گیا اور جانوروں کی غذا ہو گیا۔"

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے کلام سے طاہر کا رد

امام حافظ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور کتاب "شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور" میں لکھتے ہیں

وھی لاتزال متعلقۃ بہ وان بلی وتمزق وتقسم وتفرق (صفحہ ۶۰)

اور زندگی کا تعلق مرنے والے کے جسم کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ اس کا جسم گل جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور بٹ جائے اور بکھر جائے۔

امام صاحب نے واضح فرما دیا کہ مرنے والے کے جسم اور بدن کے ساتھ زندگی جو ایک خاص نوعیت کی ہوتی ہے۔ ہمیشہ متعلق اور قائم رہتی ہے اگرچہ اس کا جسم گل جائے یا ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی بدن کے ساتھ روح کے تعلق سے ہی ہے روح کے تعلق کے بغیر نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا بحوالہ عمدۃ القاری

شرح صحیح بخاری۔

نیز امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ

ان من لم يدفن ممن
بقى على وجه الارض يقع
لهم السؤال و العذاب و يحجب
الله ابصار المكلفين عن روية
ذلك كما حجبها عن رؤية
الملائكة والشياطين قال
بعضهم و ترد الحياة الى
المصلوب و نحن لا نشعر به كما
انا نحسب المغمى عليه ميتا و
كذلك يضيق عليه الجو كضمة
القبر ولا يستنكر شيئا من
ذلك من حافظ الايمان قلبه
وكذلك من تفرقت اجزاءه
يخلق الله الحياة فى بعضها او
كلها و يوجه السوال عليها قاله
امام الحرمين قال بعضهم و
ليس هذا بابعد من الذر الذى
اخرجه الله من صلب آدم
واشهدهم على انفسهم الست

بلاشبہ جو دفن نہیں کئے گئے ان لوگوں
میں سے جو زمین پر باقی رہ گئے ان کے لئے
سوال اور عذاب دونوں واقع ہوتے ہیں
اور اللہ تعالیٰ مکلفین کی آنکھوں کو اس کے
دیکھنے سے روکتا ہے جیسا کہ اس نے انہیں
فرشتوں اور شیطانوں کے دیکھنے سے روکا
بعض ائمہ نے فرمایا کہ جو پھانسی پر لٹکایا گیا
اس کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور ہم
اس کا شعور نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ہم بے ہوش
کو مردہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اس میں جان
ہوتی ہے مگر وہ بے حس و حرکت پڑا ہوتا
ہے۔ اور اسی طرح اس پر فضا، قبر کی
تنگی کی طرح تنگ کی جاتی ہے اور وہ شخص
اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا جس کے دل
میں ایمان رچا بسا ہے اور اسی طرح جس
شخص کے جسم کے اعضا بکھر گئے اللہ تعالیٰ
اس کے کل یا بعض اجزا میں روح ڈالتا ہے اور اس پر
سوال متوجہ کیا جاتا ہے۔ یہ امام الحرمین
نے ارشاد فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ان

بربکم قالوا بلیٰ ۔ (شرح الصدور ص ۵۹)

کے ذرّوں سے بڑھ کر بعید نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیٹھ سے نکالا اور انہیں ان پر گواہ کیا۔ فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کی ۔ " کیوں نہیں "

قارئین! غور فرمائیں کہ طاہر صاحب کا یہ کہنا کہ "وہ جسم گل جاتا ہے ، مٹی ہو جاتا ہے یا اسے جانور کھا گئے یا وہ جل کر راکھ ہو گیا اور ہواؤں میں بکھر گیا ۔ ختم ہو گیا ۔ لہٰذا جزا و سزا اور عذاب و ثواب اسی جسم کو نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک اور مثالی جسم ہوتا ہے اسی پر کیفیات عذاب و ثواب وارد ہوتی ہیں "

بالکل غلط ، حدیث اور ائمہ کی بھی تحقیق کے برعکس منکرین سنت ۔ واجماع کا مذہب ہے جسے جناب طاہر صاحب اپنے خود ساختہ اجتہاد کی آڑ میں سادہ لوح مسلمانوں کے قلب و دماغ میں راسخ کر رہے ہیں ۔

سیدی امام عبدالوہاب شعرانی اور امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہم اللہ علیہ کے کلام سے طاہر کا رد ۔

قارئین! اب سیدی امام عبدالوہاب شعرانی و امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی علیہ الرحمۃ کے کلام سے بھی طاہر کا رد ملاحظہ فرمائیں ۔ سیدی امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ "مختصر تذکرۃ القرطبی" میں فرماتے ہیں ۔

وقد اجمع اهل الکشف

اور اہل کشف نے اس بات پر اتفاق

على ان الميت يحس بضغطة القبر ويحس باختلاف اضلاعه ولو كان في بطون السباع والطيور او كان قد حرق وذري في الريح فتحس كل ذرة بالالم ولو كانت متفرقة۔

(مختصر تذکرۃ القرطبی صفحہ ۳۹)

کیا کہ میت قبر کی تنگی محسوس کرتا ہے اور پسلیوں کے باہم پیوست ہونے کو محسوس کرتا ہے اگرچہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا جلا دیا گیا ہو اور ہوا میں بکھیر دیا گیا۔ پس اس کے جسم کا ہر ذرہ درد کو محسوس کرتا ہے اگرچہ اس کے جسم کے ذرے منتشر ہو گئے ہوں۔

ان ائمہ نے فرمادیا کہ کسی کا جسم گل جائے، راکھ ہو جائے، ہواؤں میں بکھر جائے، پانی میں ڈوب جائے یا جانوروں کی غذا ہو کر ان کے پیٹ میں چلا جائے۔ کہیں ہو اور کسی بھی حالت میں ہو اس کے جسم کا ذرہ ذرہ درد والم کو محسوس کرتا ہے مگر اس کے برعکس طاہر صاحب کے اجتہاد نے جو گل کھلائے ملاحظہ فرمائیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کا تعلق جسم کے خاکی ذرات کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے باطنی تشخص اور روحانی تمثیل کے ساتھ ہے"

(اجزائے ایمان طاہر حصہ اوّل صفحہ ۲۱۹)

طاہر صاحب کی اس جاہلانہ اور نام نہاد تحقیق واجتہاد پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے ؎

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

علامہ تفتازانی کے کلام سے طاہر کا رد

درس نظامی کی مشہور کتاب

• شرح عقائد کے مصنف علامہ امام تفتازانی علیہ الرحمۃ کے کلام سے بھی جناب طاہر کا رد ملاحظہ فرماتے جائیں۔ لکھتے ہیں کہ

ان الغریق فی الماء او الماکول فی بطون الحیوانات او المصلوب فی الهواء یعذب وان لم نطلع علیہ۔

(شرح عقائد مصری ص ۱۶۳)

بلاشبہ جو پانی میں ڈوب گیا یا جانوروں کے پیٹ میں کھایا گیا یا ہوا میں پھانسی پر لٹکا ہوا ہے اسے بھی عذاب دیا جاتا ہے اگرچہ ہم اس پر مطلع نہ ہوں۔

طاہر القادری کی کی ہوئی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے درس نظامی پڑھا ہی نہیں ورنہ اس کے کلام میں اس قدر حماقتیں دیکھنے میں نہ آتیں۔ یہ جھوٹ موٹ کے فاضل اور نام نہاد مجتہد اپنی جاھلانہ تحقیقات سے مسلمانوں کو گمراہ کئے جا رہے ہیں اور ان سادہ لوح مسلمانوں کو خدا تعالیٰ ہی سمجھ دے جو اپنی دولت کو لٹا کر جہالت کو فروغ دینے میں اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

ایک سوال کا جواب

قارئین! آپ نے ان تمام حوالہ جات میں پڑھ لیا کہ اگر کسی کو جانور کھا گیا اور وہ اس کے پیٹ کی غذا بن گیا وہ جہاں ہے اور جس حال میں ہے وہاں بھی اسے عذاب پہنچتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسے وہاں عذاب ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ اس جانور کو اس کے عذاب کا احساس ہو اور وہ بے چین نظر آئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ عذاب کا تعلق عالم آخرت سے ہے جسے وہی شخص ہی محسوس کرتا ہے جسے عذاب ہوتا ہے۔

جب شریعت ایک بات ارشاد فرمادے تو بندے کا کام اسے تسلیم کرنا ہے اس کو اپنی ناقص عقل سے ماپنا نہیں ورنہ ان تمام چیزوں کا انکار کرنا ہوگا جنہیں ہم دیکھے بغیر مانتے ہیں بلکہ ان کو ایمان کا ہی حصہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے پیٹ میں کیڑے اور جراثیم موجود ہیں۔ اور ہم کیڑوں کے ختم کرنے اور جراثیم کے خاتمہ کے لئے دوا استعمال کرتے ہیں جس سے وہ کیڑے ایذا پاتے ہیں پھر مر جاتے ہیں مگر انسان ان کی ایذاء کو محسوس ہی نہیں کرتا۔ چنانچہ محقق خیالی لکھتے ہیں کہ

واما تعذیب الماکول بخلق نوع الحیاۃ فی بطن الاکل فواضح الامکان کدودۃ فی الجوف وفی خلال البدن فانھا تتألم وبتلذذ بلا شعور منا (خیالی علی شرح العقائد ص۱۶۳)

رہا کھائے گئے انسان کو، کھانے والے جانور کے پیٹ میں ایک طرح کی زندگی پیدا کر کے، عذاب دینے کا مسئلہ تو یہ واضح الامکان ہے جیسے پیٹ کے اور بدن کے درمیان کیڑا ہے کہ وہ درد اور لذت پاتا ہے۔ ہمیں اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔

ابھی نبراس شرح شرح عقائد، شرح تجرید، شرح مواقف، شرح مقاصد اور مسامرہ شرح مسایرہ وغیرہا کتب کلام و عقائد میرے پیش نظر ہیں، انکے حوالہ جات بھی درج کرنے لگوں تو کتاب دقلم کی منزل اور دور ہو جائے بس انہیں حوالہ جات پر اکتفا مناسب ہے۔ اگر کسی کو خدا تعالیٰ ہدایت دے تو ایک حرف بھی کافی ہے ورنہ ہزاروں اور لاکھوں کتابوں کے حوالہ جات پیش کئے جائیں جب بھی کچھ نہیں اور نہ ہی اس قدر فرصت ہے، کہ اس سے بڑھکر کچھ عرض کیا جائے ابھی تو جناب کی کیسٹیں باقی ہیں، راقم نے جناب کی تین چار کیسٹیں بھی سنی ہیں جنکی اغلاط و بیہودہ تحقیقات اور جاہلانہ تفسیرات و تشریحات پر ایک الگ۔ اور مستقل کتاب معرض وجود میں آنے کی انشاء اللہ

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

مرزا قادیان اور جناب طاہر القادری

قارئین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور جناب طاہر القادری کے عقائد میں کچھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً غلام احمد قادیانی ان تمام حدیثوں کا منکر ہے جو اس کے موقف کے خلاف ہیں۔ اسی طرح طاہر القادری صاحب نے ان تمام صحیح حدیثوں کا انکار کر دیا جن سے ان کے باطل و بے بنیاد موقف عورت کی دیت سو اونٹ کے خلاف پچاس اونٹ کا واضح ثبوت میسر آتا ہے۔ اسی طرح قادیانی نے اجماع کا انکار کیا تو طاہر القادری صاحب نے بھی اجماع کا انکار کر کے پوری امت کے فقہاء و آئمہ مجتہدین کو اپنا فریق قرار دیا اس کے علاوہ مرزا قادیانی انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا منکر ہو گیا اور ان سے اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور طاہر القادری صاحب ان انگریزوں کے پیدا کردہ اور ان کے مداح مخالفینِ اہلِ سنت گمراہ فرقوں کے خلاف لسانی و قلمی جہاد کرنے کے منکر ہو کر ان کے ساتھ اتحاد کے داعی بن بیٹھے۔ قادیانی بھی کہتا ہے کہ اسے خدا اور رسول نے یہ خدمت سونپی ہے۔ اس کا شعر ملاحظہ ہو ؎

اب تو جو فرمان ملا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دل فگار

(براہین احمدیہ ج ۵ ص ۹۵)

اور طاہر القادری صاحب نے بھی یہ دعویٰ کر دیا کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی اور فرمایا" "تم اللہ کے دین کا، میری امت کی نصرت اور میری سنت کی خدمت کا اور میرے دین کی سربلندی کا کام کرو۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں" میں نے عرض کیا۔ میں تو ایک ناکارہ نا اہل کمزور اور ناتواں انسان ہوں، خطاکار ہوں اور

اس لائق نہیں ہوں کہ یہ کام کر سکوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ تم شروع کرو اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ منہاج القرآن کا ادارہ بناؤ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں خود آؤں گا۔ تم منہاج القرآن کا ادارہ نصرت دین کے لئے قائم کرو، میرا وعدہ ہے کہ میں لاہور میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں آؤں گا۔" (قومی ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۲)

پہلے تو طاہر القادری صاحب کا یہ دعویٰ مسلک اہلسنت کی نفی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہیں اس مسلک کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ درحقیقت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اس قدر قریب ہیں کہ اس قدر ہماری جانیں بھی ہمارے قریب نہیں ہیں۔ قرآن کہتا ہے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ — کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

بس درمیان میں ایک حجاب درپردہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس حجاب درپردہ کو دور فرما دیں تو ہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے میں موجود پائیں گے اور یہ شان اعجازی ہے جو ہماری عقل ناقص سے ماورا ہے۔ لیکن طاہر صاحب کا دعویٰ نہ صرف مسلک اہلسنت کی نفی کرتا ہے بلکہ یہ دعویٰ غلام قادیانی کے دعویٰ سے مماثلت رکھتا ہے۔ وہی الفاظ "ضعیف و ناتواں" کے جو قادیانی نے استعمال کئے۔ طاہر صاحب نے بھی وہی کہے۔

پھر غلام احمد قادیانی نے اس پیش گوئی کا دعویٰ کیا کہ مجھے وحی آئی ہے۔

"ہر طرف سے مال آئے گا"

پھر کہتا ہے کہ

"یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آ چکی ہے بلکہ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے"۔

(براہین احمدیہ ج ۵ صفحہ ۸۷)

اسی طرح طاہر القادری صاحب نے بھی پیش گوئی جڑ دی اور کہا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ:-

"رسول اللہ نے فرمایا کہ، تم شروع کرو، اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا" (قومی ڈائجسٹ نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۲)

پھر قادیانی کی طرح تسلیم بھی کرتے ہیں کہ

ادارہ منہاج القرآن کا ماہانہ چندہ سوا لاکھ روپے ہے (صفحہ ۴۴)

نیز غلام احمد قادیانی کا دعویٰ تھا کہ وہ بیک وقت نبی بھی ہے اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

"مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کہہ کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے میں ظلی طور پر نبی ہوں۔ پس میں امتی بھی ہوں اور ظلی طور پر نبی بھی ہوں۔ میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی"

(براہین احمدیہ ج ۵ صفحہ ۱۸۴/۱۸۸/۱۸۹)

غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت وہ نبی اور امتی دونوں ہو سکتا ہے چنانچہ وہ اس کی مثال یہ دیتا ہے کہ:-

"جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ پیغمبر غیر تشریعی نبی بھی ہوتے تھے اور اپنے سے پہلے رسول کی امت میں اور اس کی شریعت کے تابع ہوتے تھے۔

اور جناب طاہر نے بھی اسی قادیانی موقف کی تائید کر دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"پھر انہی (موسیٰ علیہ السلام) کی امت و شریعت میں حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ جنہیں کتاب زبور مرحمت فرمائی گئی (الی ان قال) پھر

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنہیں کتاب انجیل مرحمت فرمائی گئی (اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۴۶)

طاہر صاحب نے اس عبارت میں واضح طور پر اس بات کا اظہار فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام دونوں اپنی اپنی جگہ پیغمبر اور نبی ہوتے ہوئے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں تھے۔ اُمت میں ہونے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ ان کے اُمتی تھے۔ یعنی نبی بھی تھے اور اُمتی بھی۔ اور یہی مرزا غلام احمد قادیانی کا موقف ہے کہ وہ بھی ایک جہت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمتی ہے اور دوسری جہت سے نبی بھی ہے۔ اس موقف کی تائید میں وہ طاہر القادری صاحب کی اس عبارت کو پیش کر سکتے ہیں اور بلاشبہ طاہر القادری صاحب کا مفہوم و مقصود بھی یہی ہے۔ جب کہ یہ سراسر غلط ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُمتی ہوں بلکہ وہ تو بجائے خود پیغمبر اور مستقل طور پر نبی تھے۔ کسی نبی کے اپنے سے پہلے رسول کی شریعت و کتاب کے احکام کی پیروی کرنے یا اس کی روش کو اپنانے سے اس کا اُمتی ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر انبیائے سابقین کی نبوتوں اور ان کی کتابوں کی تصدیق فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی روش کے اپنانے کا بھی حکم ہوا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت کی پیروی کریں اور ملت پر رہیں تو کیا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اُمتی ہو گئے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّل مخلوق ہونے اور باقی سب کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام الانبیاء اور امام المرسلین ہیں اور سب نبیوں کے کمالات اور خوبیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی خوبیوں کا عکس

ہیں۔ اس لئے تمام انبیاء ، انبیاء ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء وامتی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن انبیاء سابقین میں سے کسی کو کسی دوسرے رسول کی امت میں یا اس کا امتی شمار کرنا۔ جیسے طاہر صاحب نے کیا۔ قادیانی نظریہ کی حمایت اور اس عقیدہ میں اس کی ہمنوائی ہے۔

طاہر القادری کا فکری تنزل

جسے فکری بلند پروازی کا نام دیئے ہوئے گئے ہیں

۱۔ پروفیسر کو یہ سوال ہر وقت پریشان کرتا رہتا کہ ..... ہماری درس گاہوں (دینی مدارس) کی فضاء اس قابل کیوں نہیں کہ وہ طلباء کو فکری بلند پروازی عطا کر سکے۔ (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے صہ ۲۱-۲۲)

(یہ دینی درس گاہوں کے علماء وطلباء پر تنقید ہے جس میں انہیں فکری بلند پروازی سے محروم بتایا جا رہا ہے)۔

۲۔ غیر مسلم داعیانِ انقلاب کارل مارکس فریڈرک اینجلز، لینن، سٹالن اور ماؤزے تنگ وغیرہ کے افکار کے مطالعے سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوتی کہ ان کی تحریروں میں افکار اور فلسفۂ انقلاب کی بابت جو خود اعتمادی وعزم کی پختگی، نظریاتی خالصیت اور نتیجہ خیزی کا یقین پایا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے بیشتر اسلامی داعیانِ انقلاب کی تحریروں میں وہ بھی نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس تقابلی مشاہدے نے آپ کو (پروفیسر صاحب کو) مزید پریشان کیا کہ آج باطل کے مقابلہ میں حق کے علمبردار کس قدر مایوسی بے یقینی، نظریاتی التباس، فکری مرعوبیت اور ذہنی شکست خوردگی کا شکار ہو چکے ہیں ان کی

تمام تر مساعی کے نتائج صرف عقیدۂ آخرت میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ الخ
(فرقہ پرستی صہ ۲۳-۲۴)

اس عبارت میں موصوف نے کفار کی مدح سرائی فرمائی اور ان کے مقابلہ میں
علما کو قریب قریب مایوسی کا شکار، بے یقینی، عقائد و نظریات میں التباس واشتباہ
کا شکار، اور کفار سے مرعوب اور شکست خوردہ ٹھہراتے ہوئے اس بات کا برا منایا کہ وہ
قوم کو آخرت کی فکر کا سبق کیوں دیتے ہیں۔

طبعی رجحانات اور اجتہاد کی طرف پیش قدمی کا پروگرام

پروفیسر صاحب راسخ العقیدہ حنفی المذہب ہونے کے باوجود، جدید قانونی
اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کے
قائل ہیں۔
"آپ شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ آئمہ متقدمین و متاخرین کی فقہی آراء
کی روشنی میں اجتہادی کاوشیں جاری رہنی چاہییں" (فرقہ پرستی صہ ۲۵)

تقلید سے بیزاری

"اگر تمام معاملات میں محض تقلید ہی مکمل طور پر حاوی وطاری رہی
تو مسلمانوں کی علمی صلاحیتیں زنگ آلود ہو کر ناکارہ رہ جائیں گی"
(فرقہ پرستی صہ ۲۵)

فروع کی بجائے صرف اصول میں تقلید

ملت کے احیاء اور امت کے عروقِ مردہ میں تازہ زندگی پیدا کرنے کے لئے اسلاف امت اور ائمہ اسلام کی پیروی میں، ان کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق اجتہادی اور تحقیقی انداز میں علمی ارتقاء کا سلسلہ قائم رہنا چاہیئے۔

شریعت کے مصادر و مآخذ

اسلام نے شرعی مسائل کی تحقیق کے لئے درج ذیل چار بنیادی دلائل تجویز کئے ہیں جنہیں مصادرِ شریعت اور مآخذ قانون کہا جاتا ہے۔

۱۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب طاہر القادری ص۵)

آخری فیصلہ کتاب و سنت کا بس (وہابیانہ عقیدہ)

اگر کسی معاملہ میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو حتمی فیصلہ کے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے تا اختلاف واقع ہونے کی صورت میں (فردوه الى الله والرسول فرمانِ خدائے قدوس کے مطابق) رجوع کا حکم صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف ہے۔

اولوالامر کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ــــــــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون کا مصدر اصلاً صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۹۶)

اولوالامر کو حکم

اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا جو حکم مذکورہ بالا آیت (فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ) میں دیا گیا ہے وہ بھی دراصل اولوالامر ہی کو حکم دیا گیا ہے۔ (تحقیق مسائل ص۳)

اطاعتِ خدا اور رسول غیر مشروط اور اولوالامر کی مشروط ہے

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت تو مستقل اور غیر مشروط ہے لیکن اولوالامر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کے احکام، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تابع ہوں اور ان میں کوئی تضاد و تخالف نہ ہو۔ (تحقیق مسائل ص۴)

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ آیت متذکرہ کی رو سے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اساسی، مستقل اور غیر مشروط حیثیت حاصل ہے۔ جب کہ صاحبانِ امر کی اطاعت غیر مستقل، مشروط اور پہلی دونوں اطاعتوں کے تابع قرار

دی گئی ہے (تحقیق مسائل ص۳)

امراء و حکام، آئمہ مجتہدین اور علماء و فقہاء صاحبانِ امر ہیں

امراء و حکام، آئمہ مجتہدین اور علماء و فقہاء سب صاحبانِ امر کے زمرے میں شامل ہیں ان کی فقہی آراء، علمی اقوال، فتاویٰ، تحقیقات اور اجتہادات کی حجیت ہمیشہ کتاب و سنت کے تابع اور مشروط ہوتی ہے (تحقیق مسائل ص۳) کیا عوام اس کا فیصلہ کریں گے کہ ان کے امام جن کی وہ تقلید کرتے ہیں کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟

دیگر اہلِ علم کسی مسئلے پر فقہا و مجتہدین سے اختلاف کر سکتے ہیں (وہابیہ عقیدہ)

شریعت نے بے شک فقہا و مجتہدین کے اجتہادات سے استفادہ کرنے اور ان کی آراء و اقوال کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے مگر صرف اسی صورت میں جب کسی مسئلہ پر کتاب و سنت خاموش اور غیر واضح ہوں۔ مزید براں ان کی حجیت چونکہ مشروط ہوتی ہے اس لئے دیگر اہلِ علم کا ان سے کسی مسئلہ پر تحقیقاتی اختلاف کرنا شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں قولِ فیصل کتاب و سنت کو تصور کیا جاتا ہے۔

"فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول" کا یہی منشاء ہے (تحقیق مسائل ص۳)

پھر لکھتے ہیں "تابعین (اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آگئے) یا ان کے بعد کے اقوال اور اجتہادات (اس میں باقی آئمہ ثلاثہ آگئے) سے اہلِ علم (جیسے طاہر القادری صاحب کہ ان سے بڑا اہلِ علم اور کون ہو گا جس کا دعویٰ ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی خدمت کا کام سونپا اور ادارہ بنانے کا حکم دیا) کسی دلیلِ شرعی

کی بنا پر اختلاف کر سکتے ہیں (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص ۱۶)

اپنے لیے راستہ ہموار فرما دیا

جناب طاہر صاحب نے مذکورہ بالا تحقیق فرما کر اپنے لئے اس بات کا راستہ ہموار فرما دیا کہ آپ دعوائے حنفیت و سنیت کے باوجود ایک اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے آئمہ و فقہاء و مجتہدین سے کسی بھی مسئلہ پر اختلاف کر سکتے ہیں ان کے لئے یہ جائز ہے۔ ان کے لئے قولِ فیصل کتاب و سنت ہوگی۔ نہ کہ آئمہ و مجتہدین کی بات، ورنہ اختلاف کیونکر؟ چنانچہ دیت کے مسئلہ پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ عورت کی نصف دیت اکثر فقہاء کا مذہب ہے اور اکثر صحابہ کا اجماع ہے پھر بھی انہوں نے اکثریت کے مذہب کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ انہوں نے قرآن سے ہی عورت کی پوری دیت یعنی سو اونٹ استنباط فرمائی ہے۔ کیونکہ دیت کا مسئلہ سنہ ۸۴ء میں اٹھایا اور یہ کتاب "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" سنہ ۸۵ء میں لکھی

اس پر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ پہلے تو تمام صحابہ و ائمہ کرام کا اجماع ہے۔ اسے اکثریت کا اجماع کہنا بڑی جہالت اور ڈھٹائی کی بات ہے تاہم اگر اسے سب کا نہیں اکثریت کا ہی اجماع تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کے منحرف ہونے والے کو کیا کہنا چاہیئے؟ اس سلسلے میں ہم جناب طاہر القادری ہی کا قول خود ان کی اپنی ذات پہ لاگو کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

جناب طاہر اپنے فتوی سے منافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف اور گمراہ ٹھہرے

جبکہ جناب طاہر اپنی کتاب "منافقت اور اس کی علامات" میں لکھ چکے ہیں
"امت کی اکثریت کا کسی مسئلے پر متفق ہو جانا خود بھی شرعی دلیل قرار پاتا ہے۔ اس پر عمل اور اس سے انحراف حرام ہوتا ہے (غالباً اس پر عمل فرض اور اس سے انحراف حرام کہنا چاہتے ہوں گے) کیونکہ قرآن مجید نے بالعموم اہل ایمان کی راہ کی پیروی نہ کرنے کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور گمراہی قرار دیا۔

(منافقت اور اس کی علامات ص ۴۵-۴۶)

نوٹ:- طاہر صاحب کے خیالات کے اور اعلیٰ حضرت بریلوی و مجدد الف ثانی رحمہا اللہ تعالیٰ علیہ کے خیالات کے درمیان کھلا تضاد ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل ایک حوالہ کے علاوہ مزید تحقیق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "الفضل الموہبی" اور اس پر راقم کا حاشیہ "النفل الرضوی علی الفضل الموہبی" میں ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ ایمان تازہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی ج ۱ ص ۶۵۹-۶۶۰)

"ما مقلدان را نمے رسد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرأت در اشارات نمائیم"

(ترجمہ) ہم مقلدین امام اعظم کے لئے جائز نہیں کہ احادیث کے مقتضا پر عمل کرتے ہوئے اشارہ میں جرأت دکھائیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض احادیث صحیحہ میں "تشہد" میں انگلی اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے تاہم چونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہ (فقہ حنفی) کی ظاہر الروایۃ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ہم مقلدین امام اعظم اپنے امام کے فرمان کے خلاف، ان حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے انگلی سے اشارہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے امام ہماری نسبت کتاب و سنت کو زیادہ جانتے تھے۔"

مگر ظاہر صاحب فرماتے ہیں کہ دیگر اہل علم فقہاء و مجتہدین سے کتاب و سنت کی روشنی میں اختلاف کر سکتا ہے۔ حجت صرف کتاب و سنت ہے اور یہی غیر مقلدین کا مذہب ہے۔

یہاں درج کرنا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے اور جو ان چاروں کے خلاف کرے وہ بدمذہب و گمراہ ہے۔ اہلسنت سے نہیں ہے کیونکہ حق ان چاروں کے اندر محدود ہے۔

(طحطاوی و ابن نجیم الاشباہ کا صفحہ ۲۳)
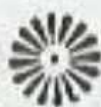
پروفیسر طاہر القادری کا ایک اور بہت بڑا جھوٹ

"اپنے منہ میاں مٹھو" کی مصداق "کتاب" "نابغۂ عصر" وغیرہ میں جناب پروفیسر صاحب اپنے شوقِ اجتہاد کا اظہار فرما چکے ہی تھے۔ لیکن کویت میں اپنے ایک حالیہ دورے کے دوران، وہاں کے عربی زبان میں چھپنے والے ایک مقامی اخبار "القبس" کو جو موصوف نے اپنے مجتہد ہونے اور اجتہاد کا دروازہ کھولنے کی خوشخبری سنائی اور اپنے جامعہ منہاج القرآن کے طلباء و متعلمین کی حیرت انگیز تعداد بتائی اسے اخبار نے شائع کیا اور موصوف نے اس اخبار کے ایک صفحہ کا عکس بھی اپنے ماہنامہ "منہاج القرآن" بابت ماہ جولائی ۱۹۸۷ء کے صفحہ ۴۸ پر شائع کیا۔ ہم اس عکس کی عبارت قارئین کو پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور پروفیسر صاحب کی مکاری اور فریب دہی کی داد دیں۔

جامعہ منہاج القرآن کے طلباء و متعلمین کی تعداد

الجامعه تضم حاليا ۲۰۰ طالب في النظام الداخلي واكثر من اثني عشر الف متعلم يترددون على المركز لحضور مجالس العلم و الذكر (صفحہ ۴۸).

اس وقت جامعہ منہاج القرآن میں اقامت رکھنے والے طلباء کی تعداد دو صد ہے اور جو طالبعلم جامعہ میں علم و ذکر کی مجلسوں میں آتے اور واپس لوٹ جاتے ہیں ان کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہے۔

یہ "بارہ ہزار متعلمین" کی تعداد کا اس قدر بڑا جھوٹ جو طاہر القادری صاحب نے غیر ملکی اخبار کے سامنے غیر ملک میں جا کر صادر فرمایا ہے۔ انہی کا ہی حصہ ہے۔ ان کے اسی ایک جھوٹ سے ان کی دوسری کذب بیانیوں کی کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر طاہر صاحب یہ فرمائیں کہ اس بارہ ہزار سے ان کے جمعہ کے نمازی مراد ہیں یا شب بیداری کے ممبران ہیں

تو ان کا فرمانا اس لئے غلط ہے کہ ایسے لوگوں کو متعلم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن عربی اخبار ادر رسالہ منہاج القرآن میں جو الفاظ شائع ہوئے ہیں ان میں بارہ ہزار متعلم کے الفاظ ہیں اور متعلم کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ ان کی مراد عام نمازی اور جمعہ والے نہیں ہیں اور اگر ایسے لوگ متعلم ہیں تو پھر بادشاہی مسجد، داتا صاحب کی مسجد، ہماری مسجد جامعہ غوثیہ گلبرگ لاہور اور دیگر مساجد کے سب نمازی اور سامعین وعظ بھی متعلم ہوئے۔ پھر تو ایسی صورت میں ہر مسجد کے خطیب ملک سے باہر جا کر اپنی اپنی مسجدوں کے سامعین اور نمازیوں کو جو کثیر تعداد میں ہوتے ہیں اپنی اپنی درس گاہوں کے طلباء و متعلمین کی فہرست میں شمار کر کے سب کی مجموعی تعداد بتا کر اپنے غیر ملکی بھائیوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال سکتے ہیں ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عرف کے لحاظ سے انہیں ہرگز "متعلم" نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے لوگوں کو "متعلم" قرار دے کر ان کو اپنے جامعہ سے منسوب کرنا جیسا کہ طاہر القادری صاحب نے کیا ہے۔ سفید جھوٹ اور غیر ملکی دینی بھائیوں کو فریب اور دھوکہ میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں ہے اور یقین جانئے کہ پروفیسر صاحب کا دعویٰ کہ "انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی کہ ادارہ منہاج القرآن بناؤ۔ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا اور یہ کہ میں نے اپنے دین کی تبلیغ کا کام تمہارے سپرد کیا ہے "۔

اسی طرح کی کذب بیانی اور سادہ لوح عوام کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے سوا کچھ نہیں

دعوئ اجتہادِ مطلق

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس اخبار سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ اجتہاد کا دروازہ بھی کھول چکے ہیں اس اخبار کے وہ الفاظ ملاحظہ ہوں جو انہوں نے وہاں سے اپنے ماہنامہ منہاج القرآن جولائی ۱۹۰۰ء کی اشاعت میں خراجِ تحسین حاصل کرنے کے لئے نقل کئے ہیں

ودعا القادری الی فتح باب الاجتہاد المنضبط بالاصول والقواعد التی وضعها الخ.

(ماہنامہ منہاج القرآن جولائی ۲۰۰۰ء ص۴۸)

اور قادری نے ایسے اجتہاد کے دروازہ کو کھولنے کی دعوت دی (دعویٰ کیا) جو ایسے اصول اور قواعد کے ساتھ منضبط ہے جنہیں قادری نے (مسلمانوں کے لئے) طے کر دیا ہے۔

جناب طاہر القادری صاحب نے باہر جا کر نہ صرف اجتہاد کے دروازے کھول دینے کا دعویٰ کیا بلکہ یہ خوشخبری بھی سنادی کہ انہوں نے اجتہاد کے اصول و قواعد بھی وضع فرما دیئے ہیں۔ گویا مسلمانوں کو ان آئمہ اربعہ کے بعد اب نئے زمانہ کا ایک نیا امام میسر آگیا ہے۔ جس نے اجتہاد کے صدیوں سے بند شدہ دروازہ کو کھول ڈالا ہے اور اس کے قواعد و اصول بھی طے کر دیئے ہیں۔ اسے جہادِ مطلق کہتے ہیں۔

یعنی اب جناب نے ائمہ اربعہ کی طرح مجتہد ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

جبکہ پہلے ان کا دعویٰ فروع میں اجتہاد کرنے کا تھا مگر اب جناب کو اور زیادہ مالی وسائل ہاتھ آگئے ہیں اور دولت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے لہٰذا اب جناب اور اونچے اڑنے لگے ہیں۔

طاہر صاحب اپنے آپ کو صحابۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ عالم سمجھتے ہیں

جناب طاہر صاحب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں عرض کی تھی کہ میں پہلے قرآن سے مسئلہ تلاش کروں گا۔ اس میں نہ ملے تو حدیث سے، اس میں نہ ملے تو اجتہاد کروں گا۔

نقل کرنے کے بعد ہر ایک پڑھے لکھے کو اجتہاد کرنے کی ہدایت عام صادر فرماتے ہیں

۱۔ ہر علمی اور دینی مسئلے کا حل سب سے پہلے قرآن مجید سے تلاش کیا جائے۔

۲۔ اگر پوری سعی واستعداد بروئے کار لانے کے باوجود قرآن مجید سے کوئی حکم میسر نہ آسکے تو پھر اس کا فیصلہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تلاش کیا جائے۔

۳۔ اگر کسی مسئلے کا حل پوری جستجو کے باوجود سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی دستیاب نہ ہو سکے تو پھر کتاب وسنت کی روشنی میں، اجتہاد کیا جائے

۴۔ اجتہاد کے لئے تمام دینی اور علمی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھرپور سعی کی جائے تاکہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان

جناب طاہر القادری اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

"امام مالک نے بھی اثبات احکام کے لئے ورثہ شرعیہ کی اسی ترتیب سے تمسک کیا۔ آپ نے کتاب و سنت کو جملہ دلائل و مصادر پر ترجیح دی صرف ان کی عدم موجودگی میں تعامل اہل مدینہ اور اس کے بعد فتاوی و اقوال صحابہ کی طرف التفات فرمایا اور اپنے قول کو کبھی بھی نص کے مقابلہ میں اہمیت نہ دی۔" (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۱۶)

یہ امام مالک علیہ الرحمۃ پر بہتان ہے آیئے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کا مذہب ملاحظہ فرمائیے :۔

امام مالک علیہ الرحمۃ مجتہد ہیں اور مجتہد کے لئے حجت نص ہی ہوتی ہے لیکن مقلد کے لئے ضروری نہیں کہ اسے معلوم ہو کہ امام مجتہد کے پیش نظر فلاں نص ہے۔ امام ابن الحاج مالکی علیہ الرحمۃ امام مالک کا قول لکھتے ہیں۔

العمل اثبت من الاحادیث   علماً کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے

(المدخل ج ۱ ص ۱۲۲)

لیجئے یہ امام مالک علیہ الرحمۃ ہیں جو فرماتے ہیں کہ علماء دین و ائمہ مجتہدین کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم و معتبر ہے کیونکہ وہ احادیث کو اس عالم سے بہتر جانتے ہیں جو مجتہد نہ ہو۔

علمائے مجتہدین کا عمل اور حدیث

امام ابن الحاج فرماتے ہیں کہ امام مالک

علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں نے کہا۔

وانہ لضعیف ان یقال فی مثل ذلک حدثنی فی مثل ذلک فلان عن فلان

ایسی صورت میں حدیث سنانا اور حدثنی فلان عن فلان کہنا پوچ و کمزور بات ہے

(المدخل ج ۱ صـ ۱۲۲)

یعنی جب علمائے مجتہدین کا عمل معلوم ہو تو اس کے خلاف کسی حدیث کو حجت لانا کمزور اور غیر معتبر بات ہے۔ کیونکہ مجتہد جو حدیث سنانے والے کی حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو ضرور اس کی نظر میں اس سے بڑھ کر قوی دلیل موجود ہو گی۔

نیز فرماتے ہیں

وکان رجال من التابعین تبلغهم عن غیرهم الاحادیث فیقولون ما نجهل هذا ولکن مضی العمل علی غیره۔

یعنی تابعین کی ایک جماعت کو جب دوسروں سے ان کے خلاف حدیثیں پہنچتیں وہ کہتے کہ ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اس کے خلاف ہے۔

(المدخل ج ۱ صـ ۱۲۲)

لیجئے اب نام نہاد منکر ان آئمہ تابعین پر کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے کہ وہ منکرین حدیث تھے یا وہ جناب کی بیان کردہ ترتیب سے بے خبر؟

نیز موصوف مزید لکھتے ہیں کہ

وکان محمد بن ابی بکر بن جریر ربما قال له اخوه لم تقض بحدیث کذا فیقول لهم احد الناس

امام محمد بن ابی بکر بن جریر بارہا ان کے بھائی کہتے تم نے فلاں حدیث کے مطابق فیصلہ کیوں نہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہیں پایا۔

علیہ (المدخل ج ۱ ص ۱۲۲)

جناب طاہر القادری جو آئمہ مجتہدین کو اپنا فریق بنائے بیٹھے ہیں۔ ذرا خوف خدا کو دل میں جگہ دیں یا در ہوش ہیں اگر جعلی اجتہاد سے (جو سراسر فساد فی الدین سے عبارت ہے) توبہ کریں اور قادریت کا فریب دے کر سادہ لوح عوام کو مزید بے وقوف نہ بنائیں۔

امام موصوف مزید فرماتے ہیں کہ

امام بخاری ومسلم کے استاذ الاستاذ امام المحدثین عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ

السنة المتقدمة من سنة اهل المدينة خير من الحديث (المدخل ج ۱ ص ۱۲۲)

اہلِ مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔

اہل مدینہ کی پرانی سنت جس پر اہلِ مدینہ چلے آ رہے ہیں۔ ضرور کسی دلیل ثابت پر مبنی ہوگی جس کی انتہا مجتہد پر ہوگی اور وہ مجتہد ضرور اس حدیث سے باخبر ہوگا جو اس کے عمل کے خلاف اور عمل اہلِ مدینہ کے مقابلہ میں ہے لہٰذا اس کے پاس اس کا مناسب جواب ہوگا یا تاویل معقول۔ اس کے بعد جناب طاہر کے ارشادات عالیہ مکڑی کے جالے سے زیادہ قوت نہیں رکھتے ؎

آں تیغ عقل و آں نگہ پُر فسوں نماند
سودا بجوش آمد و آں رنگ خون نماند

طاہر القادری کے نزدیک تقلید کی حیثیت

ان اہلِ علم حضرات سے بڑے ادب سے درخواست ہے جو سنی حنفی کہلاتے اور طاہر القادری کی خوشامد محض اس لئے کرتے پھر رہے ہیں کہ اس کے وزیر اعلیٰ سے تعلقات ہیں اور کام نکلوانے کی مجبوریاں درپیش رہتی ہیں نامعلوم کب ان کی خدمات کی ضرورت پڑ جائے یا ان کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم ہیں، وہ طاہر صاحب کے "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کے مصداق حالیہ انٹرویو، جو انہوں نے حال ہی میں اپنی حسبِ مرضی سوالات قائم کئے اور خود ہی جوابات دیتے ہیں، شائع کیا۔ اس کی بجائے وہ ان حقائق کو مدِّ نظر رکھیں جو ان کی اپنی تصانیف میں یا خطبات اور کیسٹوں میں ہیں جن کے حوالہ جات راقم پہلے بھی عرض کر چکا ہے مزید بھی عرض کرتا ہے طاہر القادری کے نزدیک تقلید کی جو حیثیت ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

"اقوال صحابہ اور دیگر آئمہ کے اقوال کو تیمم کے مقام پر رکھا گیا ہے کیونکہ اس کی طرف بھی عرف اس وقت توجہ کی جاتی ہے جب پانی میسر نہ آئے"۔ (تحقیقِ مسائل کا شرعی اسلوب صہ۲۲)

اہلِ علم حضرات اس بات کو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جناب طاہر صاحب عوام و خواص کو تربیت دے رہے ہیں کہ آئمہ مجتہدین کی تقلید و پیروی کی حیثیت وہی ہے جو تیمم کی ہے کہ تیمم کی طرف رجوع اس وقت کیا جاتا ہے جب پانی نہ ملے۔ ہر شخص کو پانی کی تلاش کرنی چاہیئے اور تلاش بسیار کے باوجود اگر نہ ملے تو بامر مجبوری تیمم اس کے نماز ادا کر لینی چاہیئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تیمم "حکم اصلی" نہیں ہے بلکہ "حکم ثانی" (؟) دنو ہے۔

دیا طاہر صاحب کے نزدیک عوام و خواص کے لئے حکم اصل یہ ہوا کہ وہ براہ راست قرآن و
حدیث سے مسائل اخذ کریں اور اسی کی جد و جہد اور کوشش کریں کہ انہیں اقوال اصحابہ و
اقوال آئمہ مجتہدین کی حاجت نہ پڑے اور اگر ایسی مجبوری پیش آئے کہ قرآن و سنت سے مسئلہ
نہ ملے تو مجبوری کا تصور کرتے ہوئے اقوال اصحابہ و اقوال آئمہ کو دیکھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ "ہر علمی اور دینی مسئلے کا حل سب سے پہلے قرآن مجید سے تلاش کیا جائے"

۲۔ "اگر پوری ذہنی واستعداد بروئے کار لانے کے باوجود قرآن مجید سے
کوئی حکم میسر نہ آسکے تو پھر اس کا فیصلہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
سے تلاش کیا جائے"

۳۔ "اگر کسی مسئلے کا حل پوری تلاش و جستجو کے باوجود سنت رسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی میسر نہ آئے تو پھر کتاب و سنت کی روشنی
میں اجتہاد کیا جائے" (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب صفحہ)

یہاں اقوال صحابہ و تابعین و اقوال آئمہ مجتہدین کو چھوڑ گئے تاکہ "عورت کی دیت کے
مسئلے کی طرح جناب طاہر کو صحابہ و مجتہدین کے اقوال و ارشادات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگر
پڑے تو آپ یہ کہہ کر رد کر سکیں کہ یہ لوگ تو "اس کیس میں میرے فریق ہیں" بات صرف
کتاب و سنت پر ہوگی ورنہ حکم یہی ہے کہ کتاب و سنت کے بعد اجتہاد ہے، سو میں نے
کتاب و سنت سے اجتہاد کر کے یہ مسئلہ ایسے ہی اخذ کر لیا ہے۔ میرے پاس سنت ہے
گویا میرے پاس پانی موجود ہے یہی تیمم (اقوال صحابہ و آئمہ پر عمل) کیوں کروں۔ چنانچہ وہ
فرماتے ہیں۔

"لہٰذا اقوال صحابہ و تابعین اور آئمہ کے اجماع و اجتہاد کی تمام صورتیں
مصادر قانون کے طور پر صرف اس وقت حجیت حاصل کرتی ہیں جب کسی مسئلے
پر کتاب و سنت کی کوئی نص موجود نہ ہو۔ اگر مسئلہ کتاب اللہ سے ثابت ہو

قول سے سنت پر ترجیح حاصل ہوگی اور اگر سنتِ صحیحہ سے ثابت ہو تو آثارِ صحابہؓ
تابعین اور اقوال ائمہ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا
(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۲۲)

اس لئے جناب طاہر نے عورت کی دیت کے مسئلہ میں براہِ راست قرآن سے مسئلہ اخذ کیا اور نام نہاد اجتہاد ذبا کر اپنے زعمِ باطل میں عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے ساتھ مقدار میں برابر قرار دیا اور چونکہ دیت کے مسئلہ میں انہوں نے ۱۹۸۲ء میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماعِ صحابہ اور اجماعِ ائمۂ اہلسنت کے برعکس موقف اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے اپنے اس غلط موقف کو ثابت کرنے کے لئے ایک نیا انداز اختیار کیا تاکہ جب کبھی اس مسئلہ پر یا دوسرے مسائل پر کوئی اعتراض کرے تو آپ اس کتاب "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" جو بعد میں ۱۹۸۵ء میں شائع کی کے ذریعے پہلے ہی سادہ لوح پڑھے لکھے حضرات کے ذہنوں کو اپنے حق میں ڈھال چکے ہوں اور یہی غیر مقلدین کا مسلک ہے۔

چنانچہ علامہ سلیمان بن سحمان نجدی اپنی کتاب "الہدیۃ السنیہ" میں لکھتے ہیں

"حدیث کے ہوتے ہوئے کسی فقیہہ یا مجتہد کی رائے ہمارے لئے حجت نہیں (طبع امرتسر ۱۹۲۶ء)

پھر لکھتے ہیں

"ہاں ضرورت کے وقت اور ایسی حالت میں جب کہ احادیثِ رسول سے متعلق واقفیت نہ ہو یا اس کی اہلیت نہ ہو یا قواعد استنباط سے بے خبر ہو تو تقلید کی اجازت ہے لیکن یہ بھی اجازت عام نہیں بلکہ نہایت ضروری اور تکلیف کی حالت میں ہے" ص۴۹۔

یہی طاہر القادری کا مسلک ہے کہ تقلید کو تیمم کے برابر قرار دیا۔ لیکن اس بے خبر کو اب بتائیے کہ یہ قواعد وضع کیا جنہوں آپ "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" کے عنوان سے

بیان کر کے ان پر عمل کر رہے ہیں اور پڑھے لکھے شخص کو ان قواعد پر عمل کرنے کی تلقین کرتے اور ترغیب دیتے ہیں، آپ جیسے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ یہ آئمہ مجتہدین کے لئے ہیں آپ کیا جانیں کہ سنت کیا ہے اور اس سے استنباط (مسائل اخذ) کرنے کا کیا طور وطریق ہے۔ آپ جیسے لوگوں کے لئے ایسا کرنا گمراہی میں پڑنے کا سبب ہے۔ اس لئے آپ خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہی میں ڈالے جا رہے ہیں اور (۳) گمراہی کی انتہا یہ ہے کہ آئمہ مجتہدین کو بھی اپنا فریق بنا ڈالا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جھوٹے حوالے

جناب علامہ طاہر القادری صاحب اپنی تقاریر میں جھوٹے حوالے اور جھوٹی و من گھڑت عبارتیں پیش کرنے کے عادی بھی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سامعین کوئی علماء دین تو ہیں نہیں۔ لہٰذا جو جی میں آئے کہتے اور لکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ

موصوف اپنی اسی کتاب اجزائے ایمان کے حصہ دوم صفحہ ۱۰۳ پر فرماتے ہیں

"عدل کی تعریف علمائے لغت نے ان الفاظ میں کی ہے

"وضع الشیٔ علی محلہ"

امام راغب الاصفہانی، مفردات القرآن، بذیل مادہ عدل"

یعنی امام راغب نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں عدل کے مادہ کے تحت عدل کی تعریف یوں لکھی ہے" وضع الشیٔ علی محلہ" لیکن یقین فرمائیے کہ امام راغب علیہ الرحمۃ نے عدل کے مادہ کے تحت عدل کی یہ تعریف ہی نہیں لکھی۔ اہل علم حضرات کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اور جناب طاہر صاحب کی علمی دیانت کی داد دیں۔

حدیث، علما کو گمراہی میں ڈالنے والی ہے، سوائے مجتہدین کے

اس سلسلے میں امام ابن عینیہ کا ارشادگرامی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ امام سفیان بن عینیہ مکی ہیں جو امام جعفر صادق ایسی شخصیتوں کے شاگرد اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ الاستاذ (استاذوں کے استاذ) ہیں جنکی پیدائش ۱۰۷ھ کو ہوئی اور وصال ۱۹۸ھ میں ہوا جن کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لولا مالك وسفيان لذهب علم الحجاز (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۹)

اگر امام مالک اور امام سفیان بن عینیہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم جا چکا ہوتا۔

اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

ما رأيت احدا من الفقهاء اعلم بالقرآن والسنن منه۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۱)

میں نے فقہاء میں سے کوئی نہیں دیکھا جو امام ابن عینیہ سے بڑھ کر قرآن و سنت کا جاننے والا ہو۔

اس امام جلیل کا ارشادگرامی سنئے۔ امام ابن الحاج مکی المدخل میں فرماتے ہیں کہ

قال ابن عيينه: الحديث مضلة الا للفقهاء الخ۔ (المدخل ج ۱ ص ۱۲۸)

امام ابن عینیہ نے فرمایا، حدیث، آئمہ مجتہدین کے سوا دوسروں کے لئے گمراہ کرنے والی ہے۔

یعنی حدیثوں کو سمجھنا دراصل مجتہدین کا کام ہے۔ جناب طاہر جیسوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔

طاہر صاحب کا لوگوں کو آئمہ کی تقلید سے متنفر کرنے کا نیا سلسلہ

افسوس کہ طاہر صاحب اپنے آپ کو سُنی بھی کہتے ہیں اور حنفی بھی۔ مگر ان کی تین رسوا کن تصانیف اِن دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دیتی ہیں۔ ایک "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے ؟" دوسری " اجتہاد اور اس کا دائرۂ کار" اور تیسری "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب"۔

موصوف "تحقیقِ مسائل کا شرعی اسلوب" میں امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اقوال بحوالہ امام ابن قیم شاگرد امام ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

۱۔ اگر صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

۲۔ اگر تمہیں میری کتاب میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فتویٰ دو اور میرے قول کو ترک کر دو۔

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۱۸-۱۹)

جناب طاہر کو یہ معلوم ہو کہ امام شافعی کا یہ ارشاد آپ اور میرے جیسے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے ان شاگردانِ عزیز کے لئے ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز تھے جیسے حضرت امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگردانِ رشید، امام محمد و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ چنانچہ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

وھذا الذی قالہ الشافعی	یہ جو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے ارشاد
لیس معناہ ان کل احد رای	فرمایا اس کا یہ معنی نہیں کہ جو شخص بھی
حدیثا صحیحا قال ھذا	حدیث صحیح دیکھے وہ کہہ دے کہ یہ امام

مذهب الشافعی وعمل بظاهرہ وانما هذا فیمن له رتبة الاجتهاد فی المذهب۔ (شرح المجموع ج ۱ ص ۶۴)

شافعی کا مذہب ہے اور اس حدیث کے ظاہر پر عمل شروع کر دے یہ فرمان تو ایسے شخص کے بارے میں ہے جسے اجتہاد فی المذہب کا مرتبہ حاصل ہو۔

اب جناب طاہر صاحب کی آنکھیں کھلنی چاہیئں اور انہیں اس بات کو صدق دل سے باور کرتے ہوتے کہ وہ اپنے نام نہاد اجتہاد اور

اپنی غیر مقلد ذہنیت سے تائب ہو کر آئمہ کو فرقہ

کہنے اور "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" اور "اجتہاد اور اس کا دائرہ کار" اور "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" ایسی رسوائے زمانہ تحریروں سے علانیہ رجوع کر لینا چاہیئے

علاوہ ازیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی جو اس طرح کے ارشادات فرمائے ہیں کہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں نہیں ہمارا کوئی قول ملے تو اس پر عمل نہ کرنا اسے چھوڑ دینا اور سمجھ لینا کہ ہمارا مذہب وہی صحیح حدیث ہے، یہ دراصل ان علماء کے لئے ہے جو ان کے مذہب میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں یہ ارشاد جناب طاہر القادری جیسے لوگوں کے لئے نہیں جو اجتہاد تو کجا رہا عربی عبارت تک صحیح پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

ایک اور مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت

قارئین احباب طاہر القادری صاحب نے اپنی کتاب "اجزائے ایمان" کے حصہ اول صفحہ ۱۷۶ پر حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کی۔ جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور اس میں بھول کر دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا نماز چھوٹی کر دی گئی ہے یا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھول گئے؟

طاہر القادری لکھتے ہیں۔

"اس پر آپ نے دوسرے صحابہ کی طرف دیکھا سب نے ذوالیدین کی تائید کی۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر مزید دو رکعت ادا فرمائی اور اس کے بعد سلام پھیر کر سجدہ سہو ادا کیا۔ (۱) یہ اس لئے کیا گیا کہ اگر لوگوں سے کسی وقت بھول ہو جائے تو اس کی تلافی کی وہ صورت بھی ان کے سامنے موجود ہو جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمائی"۔ (اس کے بعد لکھتے ہیں) (۲) کوئی شخص چار رکعتوں پر مشتمل نماز میں بھول جائے اور دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر اس نے کسی سے گفتگو نہ کی اور قبلہ سے کلیتہً رُخ نہ پھیرا تو وہ شخص اپنی بقیہ نماز مکمل کر کے بعد ازاں سجدہ سہو کر لے تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔ ورنہ اسے چاری رکعتیں مکمل کرنا ہوں گی۔ (۳)، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ آپ نے بات چیت کرنے کے باوجود اسی نماز کو مکمل فرمایا!

(اجزائے ایمان حصہ اول صہ ۱۷۶، ۱۷۷)

اس میں جس عبارت پر نمبر ایک درج ہے یعنی یہ اس لئے کیا گیا...... " اسے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر نمازی چار رکعت والی نماز میں بھول کر چار کی جگہ دو پڑھ کر سلام پھیر دے پھر آپس میں بھول چوک سے متعلق گفتگو کرلیں تو ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل تلافی کا راستہ دکھاتا ہے کہ وہ گفتگو کے باوجود بقیہ دو رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کریں گے یوں ان کی نماز ہو جائے گی اور اس کے بعد نمبر ۲ کو دیکھئے اس میں بقیہ نماز کے مکمل کرنے کی میں " گفتگو نہ کرنا " شرط قرار دیا۔ جب کہ نمبر ایک میں جسے تلافی کے لئے کافی قرار دیا اس میں گفتگو کا ثبوت موجود ہے تو ان دونوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ جناب مفکر اسلام، علامہ اور ڈاکٹر تو بن گئے۔ تبلیغ وعلم کا یہ حال ہے کہ اپنی بات میں تضاد تک کا شعور نہیں ہے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے یارب!
لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں!

پھر نمبر ۳ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات چیت کرنے کے باوجود اسی نماز کو مکمل فرمایا۔ جب کہ جناب کی یہ تاویل و توجیہہ خود حدیث کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ابتداً کا واقعہ ہے جب نماز میں بوقتِ ضرورت گفتگو کرنے کی اجازت تھی۔ پھر اس کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا فقلنا	ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے اور آپ نماز میں ہوتے تو آپ ہمیں سلام کا جواب دیتے پھر جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس لوٹے تو آپ نے ہمیں سلام کا جواب نہ دیا۔ تو ہم

یارسول اللہ کنا نسلم علیک فی الصلوٰۃ فترد علینا فقال ان فی الصلوٰۃ لشغلا (مشکوٰۃ ص ۹۰)

عرض کی " ہم آپ کو نماز کی حالت میں سلام عرض کرتے تھے آپ ہمیں جواب دیتے تھے فرمایا بلا شبہ نماز میں سلام سے ایک مانع چیز ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ " لشغلا " کے معنی لکھتے ہیں " ای مانعا من السلام " (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۳) یعنی نماز کی حالت اس بات سے مانع ہے کہ میں کسی کو اس کے سلام کا جواب دوں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ علامہ امام مظہر علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں۔

کان الکلام فی بدء الاسلام جائزا فی الصلوٰۃ ثم حرم (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۳)

کہ ابتداء اسلام میں نماز میں گفتگو کرنا جائز تھا پھر حرام کر دیا گیا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ امام ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا فرمانا کہ بعد میں نماز کی حالت میں گفتگو کرنے کی ممانعت ہو گئی اور اسے حرام ٹھہرا دیا گیا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی نماز میں کسی سے گفتگو کرنا منع تھا۔ جب سلام کا جواب نہ دیا تو گفتگو کیسے جائز ہو گئی۔ لہٰذا جناب طاہر صاحب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مستثنیٰ کرنا فقہ حنفی اور مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ہے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت والی بات کو حسب عادت محققین " قیل " بصیغۂ تمریض ذکر کر کے اس کے خلاف تحقیق ہونے کی طرف ارشاد فرمایا لیکن جناب طاہر کو اس سے کیا غرض وہ تو ہر وہ بات کریں گے جس سے عوام خوش ہو کر انہیں داد دیں۔ خواہ عند اللہ یا عند التحقیق وہ بات درست ہو یا غلط۔ اب دوسری حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

كنا نسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وهو في الصلوة قبل ان نأتي ارض الحبشة اتيته فوجدته يصلي فسلمت عليه فلم يرد حتى اذا قضى صلوته قال ان الله يحدث من امره مايشاء وان مما احدث ان لا تتكلموا في الصلوة فرد على السلام وقال انما الصلوة لقراءة القرآن وذكر الله فاذا كنت فيها فليكن ذلك شانك (مشکوٰۃ ص ۹۱)

ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے اور آپ نماز میں ہوتے اس سے پہلے ہم سرزمین حبشہ کو آتے۔ تو آپ ہمیں جواب دیتے پھر جب ہم سرزمین حبشہ سے واپس لوٹے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو نماز پڑھتے پایا۔ پس میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ اپنی نماز ادا کرلی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جو چاہتا ہے ظاہر کرتا رہتا ہے اور بے شک ان احکام سے جو اللہ نے ظاہر کئے یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو۔ پھر آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا نماز قرآن کی قراءۃ اور اللہ کی یاد کے لئے ہی ہے۔ پس جب تم نماز میں ہو تو تمہارا یہی حال ہونا چاہیئے۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی اس بات سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ اگر مستثنیٰ ہوتے تو آپ سلام کا جواب دے دیتے اور ان کو فرما دیتے کہ تمہیں نماز میں سلام وکلام کرنا منع ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ تعالیٰ کا ایک حکم عام قرار دے کر اپنے آپ کو بھی شامل رکھا اور مستثنیٰ نہ کیا۔

اب تیسری حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:۔

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان هذه الصلوٰة لا یصلح فیها شیٔ من کلام الناس انما هی التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن الخ

بے شک یہ نماز، اس میں لوگوں کی گفتگو میں سے کوئی بھی چیز لائق وجائز نہیں یہ تو تسبیح وتکبیر اور قرآن کی قرأۃ ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۳)۔

اس حدیث میں کسی استثناء کے بغیر علی العموم فرما رہے ہیں کہ نماز میں گفتگو جائز و داخل نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرماتے تو اس پر جواب دینا اور اطاعت کرنا فرض تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت تھی اور ہے اور رہو گی الخ۔ یہ بھی ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ فرض تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی حالت میں کسی سے بات نہ فرمائیں حتیٰ کہ کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حدیثوں سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مستثنیٰ کرنا ان حدیثوں کے منافی اور غلط ہے

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

قال ابو حنیفه والکوفیون تبطل (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۳)۔

یعنی امام ابو حنیفہ اور کوفیوں کے نزدیک لوگوں کے ساتھ کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اس میں جناب طاہر صاحب کی تشریح نمبر ایک کی تردید ثابت ہو گئی۔ جس میں وہ فرماتے

ہیں کہ " یہ اس لئے کیا گیا (یعنی گفتگو کے باوجود بقیہ نماز ادا کر کے سجدہ سہو سے نماز مکمل کر لی جائے) کہ اگر لوگوں سے کسی وقت بھول ہو جائے تو اس کی تلافی کی وہ صورت بھی ان کے سامنے موجود ہو جو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمائی۔ ان حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ یہ غلط ہے۔ نماز از سر نو پڑھنا ہوگی۔ سجدہ سہو سے تلافی نہ ہوگی۔ اب چوتھی حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

کنا نتکلم فی الصلوٰۃ یکلم الرجل صاحبہ وھو الیٰ جنبہ فی الصلوٰۃ حتی نزلت "وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ" فَاُمِرنا بالسکوت و نھینا عن الکلام

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۰۴)

ہم نماز میں آپس میں باتیں کر لیتے تھے مرد نماز کے اندر اپنے ساتھی کے ساتھ بات کر لیتا اور وہ اس کے پہلو کے ساتھ ہوتا یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی " اور کھڑے ہو اللہ کے لئے فرمانبرداری کرنے خاموش ہونے والے ہو کر تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم کیا گیا اور ہمیں کلام کرنے سے روک دیا گیا۔

اس حدیث سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے اور صحابہ کرام کا آپس میں نماز کے دوران گفتگو کرنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ جو بعد میں بحکم خداوندی منسوخ و ممنوع ہو گیا اور اس حکم میں بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی داخل تھے، مستثنیٰ نہ تھے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے سلام کا جواب ضرور عنایت فرماتے۔ حضرت امام اعظم کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ والکوفیون یبطل۔

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور کوفہ والے (علماء) فرماتے ہیں۔ کلام

(شرح نووی ج ا صہ۲۱۴) کرنے سے باطل ہو جاتی ہے۔

اس سے بھی جناب طاہر صاحب کے خیال مذکورہ کی واضح طور پر تردید ہو جاتی ہے امام نووی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

قال ابو حنیفه رضی الله عنه واصحابه والثوری فی اصح الروایتین عنه تبطل صلوة بالکلام ناسیا او جاھلا لحدیث ابن مسعود وزید بن ارقم رضی الله عنهما وزعموا ان حدیث قصة ذی الیدین منسوخ بحدیث ابن مسعود وزید بن ارقم۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں نے فرمایا اور امام ثوری سے صحیح ترین روایت کے مطابق بھی یہی ہے کہ کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے خواہ بھول کر ہو یا لاعلمی میں، اس کی دلیل حضرت ابن مسعود اور زید بن ارقم کی حدیث ہے اور ان اماموں کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالیدین کے واقعہ والی حدیث حضرت ابن مسعود اور زید بن ارقم کی حدیث سے منسوخ ہے

(شرح مسلم امام نووی ج ا صہ۲۱۴)

لیجئے! قارئین کرام! آپ نے سمجھ لیا اور پڑھ لیا کہ آج جناب طاہر صاحب حضرت ذوالیدین والی جس حدیث کا تذکرہ کر کے یہ فرما رہے ہیں کہ "یہ اس لئے کیا گیا کہ اگر لوگوں سے کسی وقت بھول ہو جائے تو اس کی تلافی کی وہ صورت بھی ان کے سامنے موجود ہو جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اختیار فرمائی" اور یہ کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں" وہ حدیث سرے سے منسوخ ہو گئی۔

ایک سوال اور اس کا جواب :-

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے کہ اس دوران ابلیس (شیطان)، آپ کو پریشان کرنے لگا۔ آگ کا شعلہ لے آیا تاکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُخِ انور کے سامنے کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ نماز سے ہٹائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اعوذ باللہ منک" یعنی تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں پھر فرمایا کہ میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان سے مخاطب ہوئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بحالتِ نماز کسی سے خطاب کرنا یا بولنا منع ہوتا تو ایسا نہ فرماتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۔

لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس شخص کو قرآن وسنت کے ناسخ ومنسوخ تک کا علم نہیں وہ شترِ بے لگام کی طرح دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے سے گھومتا پھرتا اور جو دل میں آتا ہے کہتا اور لکھا جاتا ہے۔ لوگوں کو دھوکا دینے کو سُنی بھی اور حنفی بھی کہلاتا ہے اور ساتھ ہی عقیدہ اہلسنت اور مسلک امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے برعکس احکام ومسائل بھی بیان کئے جاتا ہے اور کس قدر سادہ لوح ہیں ہمارے اربابِ اقتدار اور سرمایہ دار مسلمان جو اس کے دامِ فریب میں مبتلا ہو کر اس کے پیچھے اپنی دولت لٹائے جا رہے ہیں۔ گویا دین بھی برباد اور دنیا بھی برباد ہے

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے
تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے

طاہر القادری کی فقہ سے عداوت

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ جناب طاہر القادری پر " اجتہاد " کا شوق کچھ ایسا سوار ہو چکا ہے کہ وہ اس شوق کو بہر صورت عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتے پھر رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں لوگوں کے ذہنوں کو ائمہ کرام کی ترتیب دی ہوئی مسلمہ فقہ سے متنفر کرنے اور اس کے مقابلہ میں ایک نئی اور جاہلانہ فقہ کے ایجاد کئے جانے کی اہمیت کا قائل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور ساتھ ساتھ تقلید کے خلاف بھی ان کے ذہنوں میں ایک تاثر پیدا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں

" ہمارے قدامت پرست مذہبی ذہن (علماء دین) نے (الا ماشاء اللہ) تصورِ تقلید کو فی الواقع فکری تعطل میں بدل دیا ہے اور اجتہاد کو عملاً شجرِ ممنوعہ بنا دیا ہے اس لئے جو فقہی کام آج سے کئی سو سال پہلے کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہوا تھا۔ اسے تمام تفصیلات و جزئیات سمیت ہر اعتبار سے آج کے دور کے لئے بھی من و عن کافی و وافی سمجھ لیا گیا ہے۔ تمام مذہبی طبقہ اسے عملاً اور واقعۃً قرآن و سنت کی طرح ہمیشہ کے لئے حتمی و قطعی سمجھتا ہے اور اس سے جزوی اختلاف یا اس میں اجتہاد نو کو فعل حرام تصور کرتا ہے اس نے قرآن و سنت اور اجتہادی آراء و علوم کے درمیان امتیاز کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اس لئے کتب فقہ وحی کا بدل تصور ہونے لگی ہیں اور ان کی موجودگی میں نئے فقہی اجتہاد کو سراسر اسلام کے خلاف سازش تصور کیا جاتا ہے "۔ (اجتہاد اور اس کا دائرہ کار ص ۱۷)

قارئین غور فرمائیں، خاص کر سُنی حنفی کہلانے والے اور ائمہ کرام کے متوالے، جناب

طاہر کی اس تحریر پر آنکھیں کھولیں۔ جہاں فرقہ وہابیہ امام اعظم ابو حنیفہ و امام شافعی وغیرھما آئمہ کرام کے مزارات طیبہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی فکریں لگے ہوئے ہیں۔ وہاں یہ نام نہاد مجتہد، سرتاپا جہل مرکب طاہر القادری ان بزرگوں کی اجتہادی کاوشوں اور روز روشن سے بڑھ کر تاباں و درخشاں ان کے علمی کارناموں کو اپنے جاہلانہ اجتہاد کے ذریعے نیست و نابود کرنے میں مصروف ہے۔ بلکہ جو کام غلام احمد پرویز نہ کر سکا۔ کردہ داڑھی منڈا تھا اور سُنی حنفی ہونے کا دعوے دار نہ تھا اور میلاد کا نام بھی نہ لیتا تھا۔ لیکن جناب نے عوام کی دُکھتی رگ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے، سنی حنفی ہونے کا دعوے کرتے ہوئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قادریت کی نسبت کا ٹائٹل اور لیبل لگا کر اسی کے مقاصد کی تکمیل کا بیڑا اُٹھا لیا ہے ؎

بغیر کم بخت تو گستاخ تھے مُدت سے

اب تو کچھ آپ کے منہ سے بھی نکل جاتا ہے

ہم اس سے پُوچھتے ہیں کہ ان آئمہ کرام و مجتہدین عظام کی تقلید کرنے والے جس قدر بزرگان آج تک گذرے، اپنے آئمہ کی فقہ پر ہی چلتے، لوگوں کو اس پر چلاتے رہے اور اسی فقہ کو کافی و دافی سمجھتے چلے آئے۔ کسی نے بھی نیا اجتہاد نہ کیا اور نہ ہی اپنے آئمہ سے کوئی جزوی اختلاف کی جسارت کی۔ بالخصوص سیدنا غوثِ اعظم، سیدنا خواجہ غریب نواز سیدنا شیخ شہاب الدین، سیدنا بہاء الدین چاروں اربابِ سلاسل عالیہ اور حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ کے بقول وہ " قدامت پرست " نہ ہوئے یا وہ علمانہ تھے؟ کیا، ان کے سامنے زمانے نے ترقی نہ کی تھی یا کیا یہ فکری طور پر جمود کا شکار تھے؟ اگر ایسے ہی تھے تو واضح کیجئے اور اہلِ سنت سے خیر پائیے اور اگر ایسے نہیں تھے تو انہوں نے کونسی نئی فقہ ترتیب دی اور کونسا نیا اجتہاد فرمایا تھا؟ اور انہوں نے اپنے آئمہ مجتہدین کے ساتھ کس کس مسائل

جزوی اختلاف کیا؟ کیا جناب ان مسائل کی نشاندہی فرمائیں گے۔ یہ جناب کے ذمہ ادھار رہا۔

فقہا نے آنے والی نسلوں کی ہر ضرورت کو پیشگی پورا کر دیا

ہمارا دعویٰ ہے کہ جناب طاہر صاحب جنہیں اجتہاد کا بخار چڑھا ہوا ہے اور اس سلسلے میں وہ فقہ اسلامی کے مسلمات کو بدلنے کے لئے نام نہاد تحریک منہاج القرآن کو ملک ملک، اور شہر شہر پھیلانے میں معروف ہیں، ایسا کوئی مسئلہ نہیں لا سکتے جس کا جواب ان کی خدمت میں اسی فقہ اسلامی سے پیش نہ کر دیا جائے جس کے حاملین کو وہ قدامت پرست کا طعنہ دے کر ضلالت و گمراہی پرست ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم امام ابن الحاج علیہ الرحمۃ کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں ؎

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

امام موصوف المدخل میں لکھتے ہیں

فمن لقي مثل هؤلاء كيف يكون علمه وكيف يكون حاله وعمله؟ فحصل للقرن الثاني نصيب وافر أيضا في إقامة هذا الدين ورؤية من رأى بعيني رأسه صاحب الشريعة صلوات الله عليه وسلامه فلذلك كانوا أخيرا من

جن ائمہ و فقہا نے سیدنا ابن عباس ایسے ترجمان القرآن اور علی مرتضیٰ ایسی ہستیوں سے علم فقہ حاصل کیا جو فرماتے تھے کہ جب تک میں تم میں موجود ہوں مجھ سے جو چاہو سو پوچھو۔ میں آسمانوں کے راستوں کو جانتا ہوں جیسے زمین کے راستوں کو پہچانتا ہوں، ان کا علم کیسا، ان کا حال کیسا ہوگا اور عمل کیسا۔ پھر دوسری صدی والے

الذين بعدهم ، ثم عقبهم
التابعون لهم وهم تابعوا التابعين
رضي الله عنهم ، فيهم حدث
الفقهاء المقلدون المرجوع
إليهم في النوازل الكاشفون
للكروب ، فوجدوا القرآن والحمد
لله مجموعا ميسرا ووجدوا
الأحاديث قد ضبطت وأحرزت
فجمعوا ما كان متفرقا وتفقهوا
في القرآن والأحاديث على
مقتضى قواعد الشريعة، واستخرجوا
فوائد القرآن والأحاديث ،
واستنبطوا منها فوائد وأحكاما
وبنوا على مقتضى المنقول
والمعقول ودونوا الدواوين
ويسروا على الناس . وبينوا
المشكلات باستخراج الفروع
من الأصول ، وردوا الفروع
إلى أصله وبينوا الأصل من
فرعه فانتظم الحال ، واستقر
من الدين لأمة محمد

علماء و فقہا کو اس دین کے قائم کرنے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب شریعت
کے دیکھنے والوں کی زیارت کا حصہ وافر
حاصل ہوا ۔ اس لئے وہ اپنے بعد والوں سے
بہتر ہوئے پھر ان کے بعد اتباع تابعین
آئے رضی اللہ عنہم ان میں وہ فقہا پیدا ہوئے
جن کی تقلید کی جاتی ہے جن کی طرف حوادث
میں رجوع کیا جاتا ہے جو سختیوں اور مشکلوں
کو دور کرنے والے ہیں بحمد اللہ تعالے
انہوں نے قرآن آسان کیا ہوا اور حدیثوں کو
منضبط اور مجتمع پایا پھر انہوں نے متفرق
احکام و مسائل کو یکجا جمع کیا اور شریعت
کے قواعد کے مقتضی پر قرآن و احادیث میں
اجتہاد کیا اور قرآن و احادیث سے احکام و
مسائل اور فوائد نکالے اور معقول و منقول
کے مقتضی پر خوب وضاحتیں فرمائیں اور
کتابوں کو مدون کر کے لوگوں کے لئے دین
کو آسان بنا دیا اور اصول میں سے فروع و
جزئیات کو نکال کر مشکلات کو واضح کر ڈالا
اور جزئیات کو اصول کی طرف لوٹایا اور
اصل کو فروع سے الگ بیان کر دیا پس

صلى الله عليه وسلم بسببهم
الخير العميم، فحصلت لهم
في إقامة هذا الدين خصوصية
أيضا بلقائهم من رأى من رأى
صاحب العصمة صلوات الله
عليه وسلامه، ومع ذلك لم
يبقوا لمن بعدهم شيئا يحتاج
أن يقوم به بل كل من أتى
بعدهم إنما هو مقلد لهم في
الغالب وتابع لهم، فإن
ظهر لهم فقه غير فقههم أو
فائدتهم فمردود كل ذلك عليه
أعني بذلك أن يزيد في حكم
من الأحكام التي تقررت أو
ينقص منها فذلك مردود
بالإجماع، وأما ما استخرجه
من بعدهم من الفوائد غير
المتعلقة بالأحكام فمقبول
(المدخل ج۱ ص۱۰)

صورتِ حال نظم و ضبط میں آگئی اور ان کے
سبب سے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے لئے دین سے عام بھلائی کا سلسلہ برقرار
ہوگیا۔ پس صحابۂ کرام، جنہوں نے حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، کی زیارت و
ملاقات سے بھی اس دین کے قائم کرنے
میں ان کو ایک خصوصیت حاصل ہوگئی اور
اس کے باوجود انہوں نے اپنے بعد آنے
والوں کے لئے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس
کے قائم کرنے کی حاجت تھی بلکہ ان کے بعد
جو بھی آیا وہ غالب امور میں ان کا مقلد
اور پیروکار ہوا۔ پس اس کے بعد اگر کوئی
نئی فقہ ظاہر ہوئی جو ان کی دی ہوئی فقہ
کے خلاف ہوگی تو وہ ساری کی ساری اس
پر رد کر دی جائے گی۔ اس سے میری مراد
یہ ہے کہ کوئی طے شدہ احکام میں اضافہ کرے
یا ان میں سے کوئی چیز کم کرے تو باجماع
والاتفاق اسے رد کر دیا جائے گا۔ البتہ بعد والے
قرآن وحدیث سے ایسے نئے موتی حاصل
کریں جن کا احکام و مسائل سے تعلق نہ ہو تو
وہ قبول ہوں گے (المدخل ج ۱ ص۱۰)

جناب طاہر صاحب امام ابن الحاج کے ان ارشادات عالیہ پر کان دھریں اور آنکھوں سے "اَنَا وَلَا غَیرِی" کی پٹی اتار پھینکیں۔ اور آئمہ دین متین کی کاوشوں اور مسلسل محنتوں کا صلہ ناشکری اور ناقدری کی صورت میں چکانے کی بجائے، پھر کسی دینی درس گاہ میں باقاعدہ داخلہ لیں۔ عربی گرامر اور دیگر علوم و فنون پر اچھی طرح دسترس حاصل کریں تاکہ وہ اس بات کے اہل ہو سکیں کہ فقہ کے اُسی قدیم ذخیرہ سے ہر آنے والے مسئلہ کا حل تلاش کرلیں اور اگر آپ کو فقہی علوم پر عبور ہوتا تو نام نہاد اجتہاد اور فقہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے جزوی اختلاف کرنے کی جسارت کبھی نہ کرتے اور اس فقہ کے خلاف عوام کو اکسانے کی کوشش نہ کرتے۔ بمطابق محاورہ "النَّاسُ اعداءُ لما جهلوا" کہ لوگ اس کے دشمن ہیں جسے نہیں جانتے، آپ فقہ سے جاہل ہونے کی وجہ سے اس کے دشمن ہیں۔

فقہ کی اہمیت و ضرورت

فقہ کے لغوی معنی "کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا" ہے "قرآن لیتفقهوا فی الدین" کہہ کر علم فقہ کے حاصل کرنے کا حکم دے رہا ہے اور سنن والی حدیث میں ہے۔ "ان الحیاء والفقه من الایمان" کہ بے شک حیاء و فقہ ایمان کا حصہ ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ "جسے قوم نے فقہ کی بنیاد پر اپنا سردار بنا لیا وہ ان کی زندگی ثابت ہوگا اگر کسی کو قوم نے فقہ کے بغیر اپنا سردار بنا لیا تو وہ ان کے لئے ہلاکت ثابت ہوگا۔ (مختصر دارمی)

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکینا

(ترجمہ) جب کسی قوم کا راہنما کوا ہو تو وہ انہیں ہلاک ہونے والوں کا راستہ دکھائے گا۔

طاہر القادری فقہ سے جاہل

رہا جناب کا فقہ سے جاہل ہونا تو یہ بات یوں مسلم ہے کہ جناب کو عربی عبارت تک صحیح پڑھنا نہیں آتی۔ قرآن کریم تک نہیں صحیح پڑھ سکتے باقی علوم کا مسئلہ تو الگ رہا اور اس کے علاوہ آپ نے روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک فتوی صادر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ بلا تحقیق فتوی نہیں دیتے۔ جب دیتے ہیں تو تحقیق کر کے ہی دیتے ہیں (ملاحظہ ہو)

"میں اتنی آسانی اور بغیر تحقیق کے فتوی نہیں دیا کرتا"

"نابالغ کا سرپرست اس کا نکاح کرتا ہے جب وہ بالغ ہوگا تو اسے شرعی اختیار حاصل ہے۔ نکاح ایک کنٹریکٹ ہے جو سرپرست کر سکتا ہے۔ نکاح کے باب میں شریعت نے بلوغت کا حق رکھا ہے جس میں بالغ ہوتے ہی لڑکا اور لڑکی نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں اس سلسلے میں باپ دادا کا کیا نکاح شامل نہیں، باقیوں کا کیا ہوا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یہ طلاق کی ایک شکل ہو گی"۔ (روزنامہ جنگ لاہور جمعہ میگزین ۲۷ فروری تا ۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

اس فتوی میں جناب نے تحقیق کے باوجود دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو باپ دادا کے نکاح کو علی الاطلاق ناقابلِ فسخ قرار دیا جو غلط ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ عام حالات میں تو یہی ہے کہ باپ دادا کا کیا ہوا نکاح فسخ نہ ہوگا۔ لیکن خاص حالات میں فسخ ہو جائے گا اور وہ "سوءِ اختیار" کی صورت ہے یعنی اگر لڑکی عدالت میں یہ ثابت کر دے کہ اس کے باپ دادا نے اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کیا ہے مثلاً وہ لالچ میں آجاتے ہیں اور شفقتِ پدری کا پورا پورا لحاظ رکھنے کی بجائے ذاتی مفاد کے لئے لڑکی کا غلط جگہ نکاح کر دیتے ہیں

اور اس کمزوری میں شہرت رکھتے ہیں یاد ماغی لحاظ سے وہ اس قدر بصیرت اور دُور اندیشی کی صفت کے حامل نہیں ہیں مثلاً اس سے قبل اس کی بہن کو بھی ایسی جگہ بیاہ ڈالا کہ وہ آج تک روتی پھر رہی ہے اور پریشانی کی زندگی گذار رہی ہے تو ایسی صورت میں ان کا کیا ہوا نکاح بھی فسخ ہو جائے گا۔ چنانچہ فتاوی درمختار میں ہے کہ

لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانة او فسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا (درمختار)

باپ دادا کا سوءِ اختیار معروف نہ ہو بے پروائی کے طور پر یا فاسق ہونے کے طور پر اور اگر اس میں وہ شہرت رکھتے ہیں تو ان کا کیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہ ہوگا۔

اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد۔ (فتاوی شامیہ ج ۳ ص ۶۶-۶۷) یعنی باپ کا عقد سے قبل سوءِ اختیار کے ساتھ شہرت کا حامل ہونا انعقادِ نکاح میں مانع ہے۔

لیکن فقہ سے بے خبر مفتی طاہر صاحب نے علی الاطلاق فتویٰ صادر فرما کر قارئینِ جنگ بلکہ اسلامیانِ پاکستان کو اندھیرے اور تاریکی کے حوالے کر دیا ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

پھر اس فتویٰ میں دوسری غلطی یہ فرمائی کہ خیارِ بلوغ کی صورت میں فسخ نکاح کو طلاق کی ایک شکل قرار دیا (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) جب کہ فقہ اس کے برعکس ہے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے

الفرقة التی تحتاج الی القضاء خمسة الفرقة بالجب والعنة وبان اسلمت المرءة فعرض

یعنی خاوند اور منکوحہ کے درمیان جس جدائی میں عدالت کے فیصلہ کی حاجت ہوتی ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں ایک یہ کہ

علیہ الاسلام فابی وفرق بینهما اوفرق بینهما باللعان فهی طلاق فی الفصول الثلاثة وبخیار البلوغ والخامس بعدم الکفاءة فهما فسخ وان کان باختیار الزوج حتی لایجب المهران کان لم یدخل بها الخ (فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۱۲۵)

خاوند مجبوب ہو یا عنین ہو دوسرے یہ کہ عورت اسلام لائے پھر خاوند پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام لانے سے انکار کر دے اور ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تیسرے یہ کہ لعان کی وجہ سے ان میں تفریق کی گئی ہو تفریق کی یہ تینوں صورتیں طلاق قرار پاتی ہیں اور چوتھی صورت خیار بلوغ کی ہے اور پانچویں کفو نہ ہونے کی۔ یہ دونوں صورتیں فسخ محض ہیں طلاق نہیں۔ اگرچہ خاوند کے اختیار سے ہو حتیٰ کہ عدم دخول کی صورت میں حق مہر واجب نہ ہوگا۔

یعنی خیار بلوغ کا استعمال چونکہ فسخ محض ہے اس لئے حق مہر واجب الادا نہ ہوگا جبکہ مباشرت نہ ہوئی ہو اور اگر اسے طلاق قرار دیا جائے جیسا کہ فقہ سے بے خبر جناب طاہر نے اسے طلاق کی ایک شکل ٹھہرایا تو ایسی صورت میں مہر بھی واجب ہوتا۔ جناب طاہر نے بغیر تحقیق کے فتویٰ صادر فرمایا اور اس بنا پر ایسی دو غلطیاں کیں کہ مسئلہ کا حلیہ تک بگاڑ کر رکھ دیا اور اگر کبھی بغیر تحقیق کے ہی ارشادات صادر فرماتے تو اس کی واہی تباہی کا کیا عالم ہوتا

جس شخص کی جہالت کا یہ عالم ہو اسے یہ کہتے ہوئے شرم ہی نہیں آتی اور نہ ہی خدا کا خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ پلایا اور منہاج القرآن بنانے کا حکم دیا اور لاہور تشریف لانے کا وعدہ بھی فرمایا۔ بقول علامہ اکبر الہ آبادی ؎

دراصل نفس کی چالاکیاں ہیں گھاتیں ہیں
جو دیکھئے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں۔

طاہر القادری کے کلام سے ثبوت، کہ وہ حنفی نہیں۔

۱. خلیفہ پر حد کا نفاذ

جناب طاہر نے جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو کے زمانہ قاضی کورس میں قاضی کورس کرنے والوں کو یہ درس دیا تھا کہ خلیفۂ خلافت اسلامیہ شرعیہ پر حد نافذ ہو سکتی ہے۔ جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے پیروکار احناف کا موقف یہ ہے کہ اس پر حد نافذ نہیں ہو سکتی ملاحظہ ہو کتب فقہ حنفیہ، انہوں نے اس میں احناف کے موقف سے اختلاف کیا لہذا حنفی نہ رہے۔

۲. عورت کی دیت

پھر عورت کی دیت کے مسئلہ میں یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اجتہاد کر کے قرآن سے ہی عورت کی دیت مقدار میں مرد کی دیت کے برابر سو اونٹ ثابت کی ہے اس سلسلے میں ان حدیثوں کو جن سے عورت کی دیت کے پچاس اونٹ ثابت ہوتے تھے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ حدیثیں اس کے بقول قرآن کے خلاف ہیں (معاذ اللہ) اور اجماع صحابہ اور اجماع آئمہ اربعہ و اجماع جملہ مجتہدین اہلسنت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس کے بقول یہ اجماع اکثریت ہے۔ اجماع کل نہیں، اس طرح بھی فقہ حنفی کے خلاف کیا۔ بلکہ آئمہ اہلسنت کو اپنا فریق قرار دیا ان کی کیسٹ موجود ہے۔

۳۔ عورت کی گواہی

پھر عورت کی گواہی اکیلی کی مرد کی گواہی کے برابر قرار دی جب کہ کتاب وسنت اور آئمہ کے اجماع کی رُو سے اکیلی عورت کی گواہی معتبر نہیں۔ مگر نسوانی امور میں معتبر ہے۔ اس مسئلہ میں بھی احناف کے خلاف کیا۔

۴۔ انکارِ اجماعِ قطعی

اجماعِ قطعی کے وجود کا انکار کیا۔ اس کا کتابچہ "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" دیکھ لیجئے جب کہ احناف کا موقف ہے کہ بہت سے مسائل اجماعِ قطعی سے ثابت ہیں۔ اگر اجماعِ قطعی کا انکار کی جائے تو خلافتِ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار لازم آئے گا۔ امامِ شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"اجمع الناس علی خلافۃ ابی بکر" (الصواعق المحرقہ ص۱۱)

کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

لیکن جناب طاہر صاحب فرماتے ہیں کہ

"لیکن اس اجماعِ قطعی کے لئے اس امر کا ثبوت کہاں سے میسر آئے گا کہ متعلقہ قول دور و نزدیک ہر صحابی کو واقعتہً پہنچ گیا تھا اور ہر ایک نے اس کی تصدیق کی یا اس سے اختلاف نہ کیا؟؟۔

قارئین خود ہی غور فرمائیں کہ جناب طاہر صاحب، صحابہ کے اجماع کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں یا اس کے منکر ہیں۔ اور جو اجماعِ قطعی کے وجود کا منکر ہو وہ عقائد کے کس قدر احکام و مسائل کا منکر ٹھہرے گا اور اس کے ایمان کا کیا حال ہو گا؟

۵۔ سُنّت سے حکم کتاب کی منسوخیت

سنت سے حکم قرآنی منسوخ ہو سکتا ہے یہ احناف کا مؤقف ہے جب کہ طاہر صاحب کا مؤقف اس کے برعکس ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" قرآن، سنت کا ناسخ ہو سکتا ہے۔ سنت قرآن کی نہیں، البتہ احناف کے مطابق سُنتِ متواترہ اور مشہورہ سے قرآن کی تخصیص و تقیید ہو سکتی ہے۔" تحقیقِ مسائل کا شرعی اسلوب صہ۲۴:

اور اپنے کتابچہ" اجتہاد اور اس کا دائرہ کار" میں لکھتے ہیں۔

" بعض علماء نے" نسخ القرآن بالسنۃ "کو جائز رکھا ہے (یعنی احناف نے جیسا کہ اوپر خود اس کی عبارت سے واضح ہے) اور اسے بھی سُنت کے تشریعی دائرۂ عمل میں شمار کیا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تصور درست نہیں قرآن کی آیت صرف قرآن ہی سے منسُوخ ہو سکتی ہے سنت سے نہیں۔" (اجتہاد اور اس کا دائرۂ کار صہ۱۳)

جناب طاہر نے واضح کر دیا کہ وہ اس مسئلہ میں احناف کے خلاف ہیں اور وہ احناف کے مؤقف کو درست نہیں سمجھتے بلکہ غلط قرار دیتے ہیں۔ فخر الاسلام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ۔ نسخ الکتاب بالسنۃ جائز عندنا۔ (اصول البزدوی صہ۲۲۱)" ہمارے احناف کے نزدیک قرآن کا حکم سنت سے منسُوخ ہو سکتا ہے۔"

۶۔ نسخ اجماع

نسخ اجماع کے بارے میں بھی طاہر صاحب کا خیال مسلک احناف کے خلاف اور بجائے خود بھی

تضاد پر مبنی ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ

"کوئی ایسا" مقامی اجماع " آئندہ کسی دور میں مطلوبہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے منسوخ ہو سکتا ہے (اجماع صحابہ اور امت کا اجماع قطعی اس سے مستثنیٰ ہیں" (اجتہاد کا دائرۂ کار صہ ۸)

جناب طاہر نے اس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اجماع اور امت کا اجماع قطعی کبھی بھی منسوخ نہیں ہو سکتے لیکن آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"شرعاً اجماع صحابہ کے علاوہ کوئی ایک اجماع بعد کے دوسرے اجماع سے منسوخ ہو سکتا ہے (ایضاً صہ ۱۹)

پہلے تو جناب نے امت کے اجماع کو منسوخیت سے مستثنیٰ فرمایا پھر شانِ بے نیازی یوں دکھائی کہ اس کی منسوخیت کا بھی حکم جاری فرما دیا۔ سچ کہتے ہیں " دروغ گو را حافظہ نباشد" ایک بار اجماعِ امت کو ناقابل تنسیخ قرار دے رہے ہیں اور دوسری بار اسے تنسیخ پذیر ٹھہرا رہے ہیں۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

اگر جناب علم و تحقیق سے کچھ واسطہ رکھتے ہوتے تو توضیح و تلویح ہی دیکھ لیتے لیکن جناب میں اس کی صلاحیت کہاں، اس لئے جو دل چاہتا ہے لکھ دیتے ہیں اور جسے چاہا مٹا دیا۔ لیکن عورت کی دیت کے مسئلہ میں چونکہ اجماع حائل تھا۔ اس لئے جناب نے اس سے انتقام لینے اور اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے اسے قابلِ نسخ قرار دینا ضروری سمجھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

توضیح میں لکھتے ہیں کہ

ثم الاجماع علی مراتب — پھر اجماع کے کئی ایک مراتب ہیں

اجماعُ الصحابة ثم اجماع من بعدھم فیما لم یُروَ فیه خلاف الصحابة ثم اجماعھم فیما رُوِی فیه خلافھم فھذا اجماعٌ مختلفٌ فیه ومثل ھذا الاجماع یجوز التبدیلُ فی عصرٍ واحدٍ وفی عصرین الخ

اجماع صحابہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا اجماع ہے۔ اس میں، جس میں صحابہ کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ پھر ان کا اجماع ہے اس میں جس میں ان کا اختلاف مروی ہے اور ایسے اجماع میں ایک زمانہ میں یا دو زمانوں میں تبدیل و تنسیخ جائز ہے۔

قارئین غور فرمائیں، کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے جو احناف کے جلیل القدر محققین میں سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابہ اور ان کے بعد آنے والے بزرگوں کا وہ اجماع جس میں ان میں سے کسی نے بھی اختلاف نہ کیا۔ اس میں کسی بھی زمانہ میں تنسیخ و تبدیل نہیں ہو سکتی اور جس میں ان میں سے کسی کا اختلاف منقول ہو اس میں تنسیخ و تبدیل ہو سکتی ہے

اور علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ اس کی شرح تلویح میں فرماتے ہیں کہ

ان الاجماع القطعی المتفق علیه لا یجوز تبدیله

بلاشبہ اجماع قطعی متفق علیہ کی تبدیل و تنسیخ ناجائز ہے۔

(تلویح صہ ۵۳۲)

لیکن اس دور کا خود ساختہ مجتہد فرماتا ہے کہ اجماع صحابہ کے علاوہ کوئی ایک اجماع منسوخ ہو سکتا ہے۔

راقم نے چھ مثالیں پیش کیں ہیں جن میں جناب طاہر صاحب نے ائمہ کرام اور خصوصاً احناف کی مخالفت فرمائی ہے اور تعجب ہے کہ اس کے باوجود وہ سُنی بھی ہیں اور حنفی بھی، نیز ناصر السنۃ مؤید الشریعہ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی متوفی

۴۶۳ھ اپنی مشہور کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں لکھتے ہیں

"لا یجوز نسخ اجماع المسلمین لان الاجماع لایکون الا بعد موت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم والنسخ لا یجوز بعد موتہ ولا یجوز نسخ القیاس لان القیاس تابع لاصول ثابتۃ فلا یجوز نسخ تابعہا۔" (ج ۱ ص ۸۲)

"یعنی مسلمانوں کے اجماع کا نسخ جائز نہیں کیونکہ اجماع حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موت کے بعد ہوتا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی موت کے بعد نسخ جائز نہیں اور قیاس کا نسخ بھی۔ کیونکہ قیاس شریعت سے ثابت شدہ اصولوں کے تابع ہے۔ لہٰذا جیسے اصولوں کا نسخ جائز نہیں ایسے ہی ان کے تابع کا نسخ بھی جائز نہیں"

معلوم ہوا کہ طاہر القادری کا کہنا کہ اجماع منسوخ ہو سکتا ہے ایک دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اجماعِ اُمّت سے اجماعِ اہلِ سُنّت مُراد ہے

اُمّت اہلِ سُنّت ہی ہیں

اور واضح ہو کہ اجماعِ اُمت سے اجماعِ اہلِ سنت مراد ہے، بدمذہبوں کی مخالفت انعقادِ اجماع میں حارج وحائل نہیں ہو سکتی۔ توضیح وتلویح میں ہے۔

المراد بالامة المطلقة اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم واصحابه دون اهل البدع.

(التوضیح والتلویح ص۵۲۳)

اور جب لفظ "امت" کا اطلاق کیا جائے (لفظ امت بولا جائے) تو اس سے مراد اہلِ سنت وجماعت مراد ہوتے ہیں اور اہلِ سنت ہی وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا طریقہ ہے۔ نہ کہ گمراہوں کا۔

مُسلمانو! خدارا سوچو اور سب فرقوں میں اتحاد کا راگ الاپنے والے طاہر القادری ایسے لوگوں۔ جو سُنّیت اور قادریت کے دامن پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں، کی فریب کاری اور عیاری بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آئمہ کرام تو واضح فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت صرف اہلِ سنت وجماعت ہیں۔ دوسرے بدعتی اور گمراہ امت نہیں ہیں، یوں تو ساری کائنات ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے کیونکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے سب کا نبی ورسُول بنا کر مبعوث فرمایا، اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً (الحدیث رواہ مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ ذی شان موجود ہے کہ میں ساری کائنات کی طرف بھیجا گیا ہوں مگر امت کہلانے کی حقدار وفاشعار اور اطاعت گزار جماعت

ہی ہے اور وہ صرف اور صرف اہلِ سنت ہیں۔ مگر دولت سے کھیلنے کے شوق اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہواؤں میں اُڑنے کے ذوق کے حامل جب تک اپنا یہ مخصوص راگ نہ الاپیں، دولتِ بے پناہ سے کیسے کھیلیں، کہ:۔

"ہمارے ممبران میں دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات کی تعداد بیسیوں تک پہنچتی ہے" (انٹرویو جناب طاہر صاحب روزنامہ نوائے وقت میگزین ۱۹ ستمبر ۱۹۸۶ء)

اور یہ کہ :۔

"ہمارے ادارے میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی رکن بن سکتے ہیں، اہلِ حدیث، شیعہ، دیوبندی اور مختلف مسالک کے لوگ منہاج القرآن کے رکن ہیں۔" (انٹرویو طاہر صاحب روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۲۷ فروری تا ۵ مارچ ۱۹۸۷ء)

اور یہ کہ :۔

"جہاں تک دیگر دینی اور مذہبی جماعتیں اور ان کے طریقِ کار یعنی مسلکی تشخص کی بنیاد پر دینی کام کا تعلق ہے میں نے ان پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہمارا طریقہ کسی کے کام پر تنقید کرنا نہیں ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم اپنے دل میں بھی کسی جماعت کے کام پر تنقید کا خیال تک نہیں لاتے"

(طاہر القادری 'ایک اہم انٹرویو' ص۳)

یہ کھُلم کھُلا کفر کا اعتراف ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ برائی کا کم از کم دل میں نفرت کا جذبہ تو ہونا چاہیئے۔ اسے حدیث شریف میں " اَضْعَفُ الْاِیْمَان " فرمایا گیا ہے یعنی ایمان کا کمزور ترین درجہ۔ جب یہ بھی نہیں تو ایمان بھی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب کا پھر بھی دعویٰ ہے کہ آپ سُنی، حنفی بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مسلک کے حامل ہیں اور سوئی کے ناکے کے برابر بھی فرق نہیں۔ بمطابق کہاوت "چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ دارد" جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے اور ساتھ دینے والوں کی سادہ لوحی کی حد ـــــــ اور "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" میں بریلویت کو وحشتناک بھی ٹھہرائیں اور امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا ہم مسلک ہونے کا دعویٰ بھی فرمائیں ؎

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

جناب کے نزدیک سب ایک امت ہیں اور سب ہدایت پر ہیں۔ جبھی قرآن کے کسی دینی کام پر تنقید کا دل میں خیال تک نہیں لاتے اور اسے خدا تعالیٰ کا فضل ٹھہراتے ہیں اس طرح حق و باطل میں تمیز اٹھائے جا رہے ہیں پھر سُنّیت و حنفیت بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاشقیت کے دعوے کے مُقِر و مُصِر بھی ہیں۔ افسوس کہ جناب کی آنکھوں پہ جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہے اس لئے جناب کو کیسے نظر آئے کہ آئمہ کیا فرماتے ہیں۔

"صاحب البدعة الذی یدعو الناس الیہا لیس من الامة علی الاطلاق لانه وان کان من اهل القبلة فهو من امة الدعوة دون المتابعة کالکفار ومطلق الاسم لامة المتابعة المشهود لها بالعصمة"
(توضیح و تلویح ص۵۲۰)

بدمذہب (غیر سنی) جو لوگوں کو اپنی بدمذہبی کی طرف بلاتا ہے علی الاطلاق امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے کیونکہ وہ اگرچہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے تاہم وہ اُمت دعوت سے ہے "اتباع امت سے نہیں جیسے کفار ہیں ویسے ہی ہے اور مطلق امت کا نام اس امت کے لئے ہے جس کے گمراہ نہ ہونے کی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت دی

اس میں امام تفتازانی علیہ الرحمۃ نے واضح فرما دیا کہ گمراہ لوگ جو مسلک اہلِ سنت سے اختلاف رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح طور پر ماننے والی امت سے نہیں ہیں وہ اگرچہ نمازیں پڑھتے اور کعبہ کو منہ کرتے ہیں تاہم گمراہ ہونے اور گمراہ کن عقیدے رکھنے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ ان پر اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا اطلاق کیا جائے پس وہ اُمتِ دعوت ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ملا اور دعوت پہنچی مگر وہ صحیح ایمان نہ لاتے جیسے کفار، مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعدار اور فرمانبردار امت جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت دی کہ وہ گمراہی پر متفق نہ ہوگی میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ نام نہاد اُمت ہیں۔ امام اہلِ سنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گرے مصطفےٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں!

امام ربانی مجدد الف ثانی و امام احمد رضا کے فتویٰ سے طاہر القادری ملحد ہے

ہم گذشتہ سطور میں خود طاہر صاحب کے رسائل کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں اور بطور نمونہ چھ مثالیں بھی پیش کیں جن میں جناب نے آئمہ اہل سنت اور خصوصاً مسلک امام اعظم رضی اللہ عنہ سے انحراف کیا۔ اس سلسلے میں امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

نقل از مذهب الحادست — اپنے مذہب حنفی سے (کسی مسئلہ پر) ادھر ادھر نقل و حرکت کرنا بے دینی ہے۔

(مکتوبات شریف ج ۱ ص ۱۹۱)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"ایک مسئلہ میں بھی اگر خلاف امام کام کیا اگرچہ اسی پر کہ اس میں حقانیت مذہب (حنفی) ظاہر نہ ہو تاہم مذہب سے خارج ہو جائے گا جو ایسا کرے وہ ملحد ہے" (الفضل الموہبی ص ۲۴ طبع انڈیا)

قارئین! جناب طاہر کے القاب علامہ، شیخ الاسلام اور ڈاکٹر پروفیسر کو نہ دیکھیں۔ اپنے بزرگوں کے ارشادات عالیہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں جو ان بزرگوں کی تصلب مذہبی کو "تقلید جامد" کہہ کر برا کہتا ہے اور اس کے مقابلہ میں نام نہاد "تقلید متحرک" کا دعویٰ دار ہے۔ کیا وہ واقعہ میں علامہ اور مفکر کہلانے کا مستحق ہے؟

بیگانۂ منزل ہیں مگر راہنما ہیں
فطرت کے یہ انداز بھی کیا ہیں

اجماع سے تخصیص

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"اجماع کے ذریعے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص نہیں ہوسکتی۔"
(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص ۲۴)

طاہر القادری کی یہ بات بھی جہالت پر مبنی ہے اجماع کے ذریعے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے عموم ہیں جن کی تخصیص واقع ہوئی ہے۔

ناصر السنۃ مؤید الشریعہ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی علیہ الرحمۃ متوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں فرماتے ہیں

"ویجوز التخصیص باجماع الامۃ لانہ اقوی من کثیر من الظواھر فالاجماع بذلک اولیٰ (ج ۱ ص ۱۱۳)

اور اجماع کے ذریعے تخصیص جائز ہے کیونکہ اجماع بہت سے ظواہر سے زیادہ قوی ہے تو جب ظواہر کے ذریعے تخصیص جائز ہے تو اجماع سے بطریق اولیٰ جائز ہے

اور شیخ محمد بخیت سلم الاصول میں لکھتے ہیں۔

"وانہ متی عارض الاجماع نص من الکتاب او السنۃ وکان النص قاطعا قابلا للتاویل اول بما یوافق الاجماع وان لم یقبل التاویل قدم الاجماع لما ذکرنا ان النص یقبل النسخ والاجماع لا یقبلہ وکان الاجماع اقوی۔"

(ج ۳ ص ۳۲)

"کہ جب کتاب و سنت سے کوئی نص اجماع سے ٹکرائے اور نص قاطع قابلِ تاویل ہو تو اس کی تاویل کی جائے گی مطابق اجماع اور اگر قابلِ تاویل نہ ہو تو اجماع کو مقدم رکھا جائے گا کیونکہ ہم نے ذکر کیا کہ نص نسخ کو قبول کرتی ہے اور اجماع اسے قبول نہیں کرتا لہٰذا اجماع زیادہ قوی ہوا۔"

اب طاہر صاحب کے ارشادات، جاہلانہ خیالات کے سوا کچھ ثابت نہ ہوئے۔

مؤلفۃ القلوب کا حصہ اجماع صحابہ سے ساقط ہوا حالانکہ وہ نص قطعی سے ثابت تھا۔
اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے الفضل الموہبی میں فرمایا ہے کہ حدیث صحیح پر بعض اوقات مجتہد اس لئے عمل نہیں کرتا کہ مجتہدین کا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے افسوس کہ طاہر صاحب اور ان کے حامی خدا تعالےٰ سے خوف کرتے، اپنی جاہلانہ تحقیقات اور بے جا حمایت سے اسلام کی مصدقہ و مسلمہ تعلیمات کا مذاق نہ اڑاتے۔

جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا

مثال مشہور ہے "دروغ گورا حافظہ نباشد" کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا کبھی وہ کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ کہتا ہے۔ جناب طاہر القادری کا حال بھی ایسا ہی ہے اور یہ مثال جناب موصوف پر سو فیصد صادق آتی ہے۔ چنانچہ موصوف اپنی کتاب "اجزائے ایمان" حصہ دوم کے صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں۔

"انبیاء علیہم السلام کی تعداد تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش ہے۔"

اس کے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں۔

"انبیاء کی تعداد تو شمار اور احصاء سے ماوراء ہے۔"

موصوف نے پہلے تو انبیاء علیہم السلام کی تعداد اور حد بیان کر دی کہ چوبیس ہزار یا اس کے قریب قریب کچھ کم یا زیادہ۔ لیکن اس کے چند سطروں کے بعد بتا دیا کہ انبیاء کی تعداد تو شمار اور احصائ سے ماوراء ہے۔ یعنی ان کی تعداد اس سے کہیں بلند اور بڑھ کر ہے کہ کوئی اس کا شمار کر سکے یا ان کی تعداد کا احاطہ کرے یا حد بتا سکے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تقلیدِ صحابی اور تابعی کے بیان میں طاہر القادری کی بددیانتی یا جہالت

جناب طاہر القادری نے "کیا صحابی اور تابعی کی تقلید واجب ہے ؟" کے عنوان سے لکھا ہے۔

"تمام صحابہ کرام کا اجماعِ قطعی، صراحت کے ساتھ اس طور پر ثابت ہو جائے کہ اس پر کسی بھی صحابی کا اختلاف موجود نہ ہو تو پھر اس کی حجیت بھی قطعیت کے درجے کو پہنچ جاتی ہے کیونکہ اس سے منشاءِ کتاب وسنت یقینی طور پر متعین ہو جاتا ہے لیکن اجماعِ قطعی کے لئے اس امر کا ثبوت کہاں سے میسر آئے گا۔ کہ متعلقہ قول دور و نزدیک ہر صحابی کو واقعۃً پہنچ گیا تھا اور ہر ایک نے اس کے تصدیق کی یا اس سے اختلاف نہ کیا؟ صحابی کے ایسے قطعی اجماع کے بعد ان کے فتاویٰ، اقوال، آثار اور اجتہادات کا معاملہ آتا ہے ان کے وجوب اور عدم وجوب پر ائمہ مجتہدین کا اختلاف رہا ہے۔ بعض آئمہ مثلاً امام ابوالحسن کرخی وغیرہ نے ان کے فتاویٰ کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں جائز، مگر قیاسی مسائل میں ضروری قرار نہیں دی۔ امام کرخی فرماتے ہیں:

لا یجوز تقلید صحابی الا فیما لا یدرک بالقیاس

صحابی کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں ضروری نہیں ہے۔

جب کہ امام شافعی نے کسی طور پر ان کی تقلید واجب قرار نہیں دی۔ مسائل خواہ قیاسی ہوں یا سماعی۔ اور اکثر اشاعرہ کا مذہب بھی یہی ہے (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۲۵)

طاہر القادری کی مذکورہ تحریر سے ان کے درج ذیل خیالات روزِ روشن کی طرح سامنے آگئے۔

۱۔ تمام صحابہ کا اجماع قطعی ہے اور حجت۔

۲۔ اس اجماع کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ہو کہ متعلقہ قول ہر ایک صحابی کو واقعۃً پہنچ گیا تھا اور ہر ایک نے اس کی تصدیق کی تھی یا اختلاف کیا؟

۳۔ لیکن اس امر کا ثبوت کہاں سے آئے گا کہ متعلقہ قول دور و نزدیک کے ہر صحابی کو واقعۃً پہنچ گیا تھا یہ سوال "استفہام انکاری" ہے جس سے موصوف اجماعِ صحابہ کے وجود کا ہی انکار کر رہے ہیں۔

۴۔ صحابہ کے فتاوی و ارشادات و آراء شریف کے واجب التسلیم ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ میں اختلاف رہا ہے۔

۵۔ امام کرخی نے غیر قیاسی مسائل میں ان کی تقلید کو جائز مگر قیاسی مسائل میں ضروری قرار نہیں دی۔

۶۔ "لا یجوز" کا معنی ہے "ضروری نہیں"۔

۷۔ امام شافعی قیاسی اور سماعی مسائل، دونوں میں صحابہ کی تقلید کو واجب نہیں سمجھتے

۸۔ اکثر اشاعرہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ کسی طور پر بھی صحابہ کی تقلید ضروری نہیں ہے۔

یہ ۸ باتیں حسب ترتیب طاہر صاحب کی تحریر سے ثابت ہوئیں، نمبروار ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی۔ اب علمی و تحقیقی اعتبار سے ان باتوں

کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے
۱۔ "بلاشبہ تمام صحابہ کا اجماع حجت ہے۔"

طاہر القادری کے قول و فعل میں کھلا تضاد

لیکن طاہر القادری کے قول و عمل میں کھلا تضاد ہے۔ یہاں تو صحابہ کرام کے اجماع کو حجت تسلیم کر رہے ہیں۔ مگر عورت کی دیت اور عورت کی شہادت و گواہی کے مسئلہ میں صحابہ کے اجماع کو پسِ پشت ڈال کر ابن علیہ اور ابوبکر اصم ایسے معتزلیوں اور گمراہوں کا مذہب اختیار کر لیا۔ اور " ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کے مصداق بن گئے۔ بلکہ جسارت معاف، بقول حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ، ان کا یہ عمل لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ حضرت میر علیہ الرحمۃ اپنی کتاب مستطاب میں جسے انہوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کر کے اس کی تصویب و توثیق حاصل کی، لکھتے ہیں کہ

این ملعون سیاہ روئیں خلاف اجماع آں اصحاب جرات مے کند۔

یہ ملعون، سیاہ رُو، صحابہ کرام کے اجماع کے برعکس بات کہنے میں جلد بازی کرتا ہے۔

(سبع سنابل شریف ص۱۸)

۲۔ ۳۔ "ہر صحابی کو متعلقہ قول کا پہنچنا اور ان کا تصدیق کرنا یا انکار کرنا کوئی مشکل نہیں بلکہ ممکن ہے۔" چنانچہ امام جمال الدین ۷۷۲ھ اسنوی علیہ الرحمۃ "نہایۃ السول" میں فرماتے ہیں۔

واجیب بانہ لا یتعذر

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بات

فی ایام الصحابۃ فانھم کانوا محصورین قلیلین۔	صحابہ کے زمانہ میں مشکل نہ تھی کیونکہ وہ محدود اور تھوڑے تھے۔

(ج ۳ ص ۲۳۷)

لہٰذا جناب طاہر کا صحابہ کے اجماع کے خلاف اُٹھایا ہوا فتنہ بحمد و تعالیٰ دفع ہو گیا
۴۔ صحابہ کے فتاویٰ و ارشادات جن پر ان کا اتفاق ہو وہ تو اجماع قطعی قرار پا کر واجب الاتباع ہوں گے ہی لیکن کسی ایک صحابی کا قول بھی اس وقت واجب الاتباع قرار پاتا ہے جب وہ قول صحابہ میں پھیل جائے اور صحابہ اسے تسلیم کرتے ہوئے خاموش رہیں۔ طاہر صاحب نے اس مسئلہ کے بیان کرنے میں بھی دیانتداری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اس مسئلہ کو اس انداز سے بیان کیا کہ خالی الذہن قاری کے دل میں صحابہ کے اقوال و ارشادات عالیہ کی اتباع کا جذبہ ماند پڑ جائے جب کہ ہمارے آئمہ فرماتے ہیں کہ

تقلید الصحابی یجب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین (التوضیح والتلویح ص ۴۹۳)	صحابی کی تقلید با اجماع واجب ہے اس قول میں جو پھیل جائے اور صحابہ اسے تسلیم کرتے ہوئے خاموش رہیں۔

اور نامی شرح حسامی کی عبارت بھی وہی نقل فرمائی جو جناب کی اُلٹی سمجھ میں آئی لیکن اس سے آگے کی عبارت جس میں اس مسئلہ کی روح کار فرما تھی وہ جناب کی روح میں نہیں اتر سکی۔ اس لئے جناب نے اسے نقل نہ کرنے میں اپنی عافیت سمجھی ملاحظہ ہو۔

لوثبت ان ذلك الحکم بلغ غیرہ وھو سکت وسلم ذلك الحکم فکان اجماعا فلا یتصور الخلاف ح بل یجب تقلید الاجماع بالاتفاق (النامی شرح الحسامی)	اگر ثابت ہوا کہ صحابی کا وہ قول و حکم دوسروں تک پہنچا اور وہ خاموش رہے اور اس حکم کو تسلیم کر لیا تو یہ اجماع قرار پایا پس اس وقت اس کی مخالفت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بہ اتفاق اس کی

تقلید واجب ہے۔

جناب ظاہر عنوان تقلید میں ان حوالہ جات کو اس لئے درج کرنے سے گریز کر گئے کہ ان میں صحابہ کرام کی تقلید کے واجب ہونے کا بیان تھا۔ جب کہ جناب موصوف نے عورت کی نصف پر صحابہ کے اجماع کو پس پشت ڈال کر گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ لہٰذا اگر ان کی تقلید کو واجب قرار دیتے تو ادر تحریروں کی طرح اپنایہ لکھا بھی جناب کے لئے وبال جان بنتا۔ بلکہ موصوف نے تو آئمہ اہل سنت و فقہاء کرام کو فریق کہہ کر ان کے قول سے انحراف کیا اور جب صحابہ کے اجماع کی بات آئی تو صحابہ کو فریق کہنے کی ہمت نہ پڑی البتہ ان کے اجماع کا یوں انکار کیا کہ

" لیکن (صحابہ کرام کے) اس اجماع قطعی کے لئے اس امر کا ثبوت کہاں سے میسر آئے گا کہ متعلقہ قول دور و نزدیک ہر صحابی کو واقعۃً پہنچ گیا تھا اور ہر ایک نے اس کی تصدیق کی یا اس سے اختلاف نہ کیا؟"

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب صہ ۵)

تین عبارتوں کا معمہ

۵. جناب نے امام کرخی علیہ الرحمۃ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

" امام ابوالحسن کرخی وغیرہ نے ان (صحابہ کرام) کے فتاوی کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں جائز مگر قیاسی مسائل میں ضروری قرار نہیں دی۔ امام کرخی فرماتے ہیں "لا یجوز تقلید الصحابی الا فیما لا یدرک بالقیاس" صحابی کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں ضروری نہیں۔"

(تحقیق مسائل صہ ۲۰)

جناب کا یہ کہنا کہ "تقلید صحابہ غیر قیاسی مسائل میں جائز" اور ساتھ یہ کہنا کہ "قیاسی مسائل میں ضروری نہیں" پھر ساتھ ہی یہ کہنا کہ "غیر قیاسی مسائل میں ضروری نہیں" ان تینوں عبارتوں، جنہیں ہم نے ان کے اوپر خط کھینچ کر پھر ان کو نیچے الگ الگ کر کے لکھ بھی دیا ہے۔ کا مطلب اور اُن میں جو فرق ہے اسے کوئی اہل علم بیان فرما دیں اور تین مختلف عبارتوں کا معمہ حل کر دیں تو انعام پائیں گے۔ کہنے والوں نے سچ کہا ہے

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

۶۔ "لا یجوز" کا معنی "ضروری نہیں" کرنا کس لغت کی رو سے ہے؟ جب کہ اس کے معنی ہیں "جائز نہیں" اس میں جواز کی نفی ہے اور "ضروری نہیں" سے تو جواز ثابت ہوتا ہے اور مصنف اسی کی نفی فرما رہے ہیں۔ جس شخص کی بے بصیرتی اور کم علمی کی یہ حالت ہو کہ "لا یجوز" کے معنی "ضروری نہیں" کے کرتا ہو اگر اس کو علم دین سے عاری اور عربی گرامر و عربی لغت سے قطعاً جاہل کہہ دیا جائے تو یہ اس کی توہین نہیں ہے اور نہ ہی اس کے حق ان الفاظ کو نازیبا کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے۔ نہ تو اس سے جناب کی توہین مقصود ہے نہ ہی حسد و بغض ہے بلکہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہ شخص جس کا نام جناب علامہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری ہے وہ بلاشبہ علوم دینیہ سے بے خبر اور عربی گرامر وغیرہ سے قطعاً نابلد ہے۔ پھر اس کا یہ دعویٰ کہ وہ دین کی تجدید پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مامور کیا گیا ہے سراسر فریب اور جعلیت اور قطعی جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ ایسے شخص کو اپنے دین کا ذمہ دار بنائیں اور اس کی حمایت کرنے والوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں خواہ وہ مجاہد ملت کہلاتے ہیں یا شیخ الحدیث یا پیر طریقت۔ جب حق و باطل میں اور کھرے دکھوٹے میں تمیز کی استعداد و صلاحیت نہیں ہے تو چاہیں کچھ کہلائیں، کہلوانے سے فی الواقع اور عند اللہ ویسے نہیں ہو جائیں گے۔ ہمارا فرض پورا اور حجت

تمام ہوگئی، علم وعرفان کے جھوٹے دعوے دار کو اس کی اپنی تحریروں اور تقریروں سے بے نقاب کر دیا گیا ہے اگر کوئی عقل مند وصاحبِ عبرت ہے تو اس کے لئے مختصر گفتگو بھی اعتبار واستبصار کو کافی ہے ورنہ داستانِ طولانی بھی لایعنی ہے

میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک

دیرینہ ہے تیرا مرض کورِ نگاہی

طاہر صاحب کا امام شافعی علیہ الرحمۃ پر بہتان

۷۔ جناب طاہر صاحب کا یہ فرمانا کہ

"امام شافعی قیاسی اور سماعی مسائل دونوں میں صحابہ کی تقلید کو واجب نہیں سمجھتے"۔ (تحقیق مسائل ص ۲۵)

یہ امام شافعی پر کھلا بہتان ہے اور اس قسم کے جھوٹے بیانات سے طاہر صاحب کی کتابیں، رسائل اور کیسٹیں بھری پڑی ہیں۔ مجھے اس یہاں کے دیرینہ ساتھی جناب فیض الحسن ملک صاحب کا وہ تجزیہ یاد آرہا ہے جو انہوں نے سالہا سال کی صحبت و معیت کے بعد ان کے بارے میں کیا ہے اور اس کی روشنی میں طاہر صاحب کو چھوڑ کر الگ ہو چکے ہیں۔ خیر ان کا تجزیہ تو بہت ہی تفصیلی اور لمبا چوڑا، بلکہ عجائب وغرائب کا حامل ہے مگر ہمارا مختصر سا تجزیہ ان کی کتابوں کو پڑھنے تقریروں اور کیسٹوں کے سننے کے بعد اس قدر ہے کہ جھوٹے حوالہ جات دینا، جھوٹی عبارتیں پڑھنا، جھوٹے اور جعلی معنی کرنا اور آئمہ کرام پر حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر بھی بہتان لگانا جناب طاہر کا طرۂ امتیاز ہے۔ جس کا ثبوت ہم آگے چل کر پیش کریں گے سرِ دست یہ عرض کرتا ہوں کہ امام شافعی پر یہ بہتان ہے کہ وہ کسی مورد پر بھی صحابہ کی تقلید کو واجب نہیں سمجھتے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ تقلیدِ صحابہ کو واجب ٹھہراتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کی تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں

اتباع قول واحد، اذا لم اجد کتابا ولا سنۃ ولا اجماعا ولا شیئا فی معناہ یحکم لہ بحکمہ الخ (الرسالۃ للامام الشافعی ص۲۹۱)

جب کسی ایک صحابی کا قول مل جائے اور متعلقہ مسئلہ میں، مجھے قرآن وسنت، اجماع اور اس کے ہم معنی چیز نہ ملے تو اس صحابی کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

اس سے صاف اور روشن طور پر واضح ہو گیا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اس وقت صحابی کے قول کو واجب الاتباع قرار دیتے ہیں۔ جب قرآن وسنت واجماع اور اس کے ہم معنی ولیں نہ ملے اور جب کسی مسئلہ میں صحابہ کے مختلف اقوال ملتے ہیں تو امام شافعی اس قول کو واجب الاتباع قرار دیتے ہیں۔ جو قرآن وسنت یا اجماع کے ساتھ موافقت و مناسبت رکھتا ہو یا زیادہ قرین قیاس ہو (ملاحظہ ہو الرسالہ ص۲۹۱) لہذا طاہر صاحب کا یہ کہنا کہ امام شافعی تقلیدِ صحابہ کو واجب قرار نہیں دیتے ان پر سراسر بہتان ہے ہم نے کسی اور کا حوالہ نقل نہیں کیا بلکہ خود امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اپنے ارشاداتِ عالیہ جو آپ کے رسالہ میں ہے ان سے نقل کیا ہے۔

طاہر القادری کی بددیانتی

۸۔ اس کے بعد جناب طاہر القادری نے شرح حسامی کی یہ ایک عبارت لکھی ہے

"والیہ ذھب کثیر من

(ترجمہ لکھتے ہیں، اور اسی رائے کو

المعتزلۃ والاشاعرۃ الخ   اکثر معتزلہ اور اشاعرہ نے اپنایا۔

(صفحہ ۲۶)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ عبارت میں لفظ "کثیر" ہے جس کے معنی ہیں "زیادہ" (MORE)، لیکن طاہر صاحب نے اس کا ترجمہ "اکثر" (MORE THEN MOST) کیا ہے۔ حالانکہ کثیر، قلیل کے بعد آتا ہے مگر اس میں تقابل نہیں ہوتا جب کہ اکثر میں تقابل ہوتا ہے۔ جس کے معنی کسی کے مقابلہ میں زیادہ ہونا ہے جس کو انگریزی میں (MAJORITY) کہتے ہیں یہ جناب کی علمی خیانت اور بددیانتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے یہ باور کیا جائے کہ جناب کا موقف اکثریت کے مطابق ہے

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

؎ زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

طاہر کے ایک اہم نکتہ کا جواب

جناب طاہر ایک اہم نکتہ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"اس ضمن میں ایک اور اہم پہلو قابل توجہ ہے کہ کبھی کوئی امر بوجوہ بعض اکابر پر مخفی رہ جائے تو یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہوتا کہ وہ پہلو بعد کے آنے والے افراد (اصاغر) پر بھی ہمیشہ اسی طرح مخفی رہے گا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک خبر کسی سند کے ساتھ اکابر تک نہیں پہنچتی لیکن بعد کے ادوار میں کسی سند صحت کے ساتھ پہنچ جاتی ہے اور وہ بدیں وجہ اس سے مطلع ہو جاتا ہے۔" (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص۲۸)

نیز موصوف اپنی یہی بات آگے چل کر مزید کھول کر لکھتے ہیں اور چور کی داڑھی میں تنکے کی مثال کے مطابق اپنی صفائی بھی پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکابرین سے کسی مجتہد کی توجہ بوقت اجتہاد کسی خاص نص یا دلیل کی طرف نہیں جاتی اور وہ اپنی رائے کسی دوسری دلیل کی بنا پر قائم کر لیتا ہے مگر اصاغرین سے کسی کا خیال اس طرف چلا جاتا ہے اور وہ مختلف نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اندریں صورت عین ممکن ہے کہ دوسرے کی دلیل پہلے کے مقابلہ میں صائب ہوا اور قوی ہو مگر اس سے نہ تو پہلے مجتہد کی علمی ثقاہت کا انکار لازم آتا ہے اور نہ ہی اس کی تنقیص و توہین بلکہ علمی تحقیق و تدقیق کی دنیا میں یہ طریق کار اساتذہ اور ان کے تلامذہ کے مابین ہمیشہ مقبول و متداول رہا ہے۔ آئمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ و اتباع کے درمیان علمی و فقہی اختلافات اس امر کا بین ثبوت ہیں۔ اگر امام اعظم سے ان

کے دو تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے فقہی اختلافات کو ہی جمع کر لیا جائے۔ تو ایک الگ فقہ مرتب ہو سکتی ہے۔ اس بیان سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ راقم الحروف (معاذ اللہ) اپنی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے۔ احقر نے عمر بھر قطعاً ایسا گمان نہ کیا ہے اور نہ الحمد للہ یہ خیال اب ذہن میں ہے"۔

(تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص ۲۰)

جناب طاہر جو اپنی صفائی پیش فرما رہے ہیں کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے یہ صفائی اس محاورہ کی مصداق ہے "چہ دلاور است دزدیکہ چراغ بکف دارد" آئمہ کرام کو فریق بھی کہے جا رہے ہیں۔ دیت کے مسئلہ میں عورت کی شہادت کے مسئلہ میں اور دیگر مسائل میں جو کرنا تھا کر گزرے ہیں اور کرتے جا رہے ہیں۔ پھر بھی صفائی دیئے جا رہے ہیں کہ ان کا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ نیز درحقیقت طاہر صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ جو اجتہاد فرما رہے ہیں اگر ان کا اجتہاد عورت کی دیت کی طرح اکابر آئمہ کے اجتہاد سے ٹکرا جائے تو ہو سکتا ہے کہ جناب کو کوئی ایسی دلیل صحیح حدیث سے مل گئی ہو جس سے اکابر بے خبر رہے ہوں۔ چنانچہ جہاں جناب اپنے آپ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مقلد کہتے ہیں وہاں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں تقلید جامد کا قائل نہیں ہوں بلکہ تقلید متحرک کا قائل ہوں۔ جیسا کہ متعدد مسائل میں آپ نے امام اعظم کا ہی نہیں صحابہ کرام و جمیع آئمہ دین مجتہدین کا دامن چھوڑ دیا جیسا کہ عورت کی دیت اور اس کی گواہی کا مسئلہ ہے بلکہ ستم بالائے ستم یہ کہ آئمہ اہلسنت کو فریق بمک قرار دے کر ان کی تصریحات اور حوالہ جات کو سند تسلیم کرنے سے کھلا انکار فرما دیا ہے۔

مقلد کا ائمہ کے بارے میں اعتقاد

لیکن جناب نے اس سلسلے میں آئمہ دین کی تعلیمات کو نظرانداز فرما دیا ہے حالانکہ مقلد کا ائمہ دین کے بارے میں یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا بلا دلیل نہیں فرمایا جیسا کہ سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ

والحق انہ یجب اعتقاد	حق یہ ہے کہ مقلد کو اس بات کا اعتقاد
انھم لولا رأوا فی ذلك دلیلا	رکھنا ضروری ہے کہ اگر آئمہ نے اس بارے
ماشرعوہ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹)	میں کوئی دلیل نہ دیکھی ہو تو اس کا حکم نہ فرماتے

نیز اکابر کے بارے میں ایسا خیال کرنا کہ ان کو اس مسئلہ کی دلیل نہیں ملی مجھے مل گئی ہے اکابر کی شان میں سوء ادبی اور گستاخی ہے۔ چنانچہ سید امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام امام زکریا انصاری۔ قدس سرہ الباری سے نقل فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

ایاکم ان تبادروا الی	خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے
الانکار علی قول مجتھد او تخطئتہ	خطا کی طرف نسبت نہ کرنا جب تک شریعت
الا بعد احاطتکم بادلۃ	مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کر لو جب
الشریعۃ کلھا ومعرفتکم بجمیع	تک تمام لغات عرب کو جن پر شریعت مشتمل
لغات العرب التی احتوت علیھا	ہے۔ پہچان نہ لو۔ جب تک ان کے معانی،
الشریعۃ ومعرفتکم بمعانیھا وطرقھا	ان کے راستے جان نہ لو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں

وانی لکم بذلك	بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ
(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۳۰)	

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے جواب

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ "الفضل الموہبی" میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی رائے قائم کرنا مجتہد فی المذہب کا منصب ہے۔

"جیسے مذہب مہذب حنفی میں امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ بلاشبہ ایسے آئمہ کو اس حکم و دعوے کا منصب حاصل ہے اور وہ اس کے باعث اتباعِ امام سے خارج نہ ہوں گے کہ اگرچہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا مگر معنیً اذنِ کلی امام پر عمل فرمایا پھر وہ بھی اگرچہ ماذون بالعمل ہوں یہ جزمی دعویٰ کہ اس حدیث کا مفاد خواہی نخواہی مذہب امام ہے نہیں کر سکتے (یا یہ کہ یہ حدیث امام کو نہ پہنچی، نہیں کہہ سکتے) نہایت کار ظن ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے مدارک، مدارکِ عالیۂ امام سے قاصر رہے ہوں۔ اگر امام پر (اس حدیث کو) عرض کرتے وہ قبول نہ فرماتے تو مذہب امام ہونے پر تیقن تام وہاں بھی نہیں۔ خود آئمہ مجتہدین فی المذہب قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے مدارجِ رفیعۂ حدیث کو موافقین و مخالفین مانے ہوئے ہیں۔ امام مزنی تلمیذ امام شافعی نے فرمایا "ھو اتبع القوم للحدیث" کہ امام ابو یوسف آئمہ مجتہدین میں سب سے بڑھ کر حدیث کی پیروی کرنے والے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا "مُنْصِفٌ فی الحدیث" کہ امام ابو یوسف حدیث میں انصاف کرنے والے (اسے خوب پرکھنے والے) ہیں۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی زیادہ حدیث دان نہیں۔

امام ابو عبداللہ شافعی نے ان کو حفاظِ حدیث میں سے شمار کیا۔ یہ امام ابو یوسف
اس جلالت شان کے باوجود حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں
فرماتے ہیں "کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ
کے خلاف کر کے غور کیا ہو مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ
وجہِ نجات پایا اور بارہا ایسا ہوتا کہ میں ایک حدیث کی طرف جھکتا پھر
تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیثِ صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔ نیز فرمایا کہ
امام جب کسی قول پر جزم فرماتے میں کوفے کے آئمہ محدثین پر دورہ کرتا کہ
دیکھوں ان کی تقویتِ قول میں کوئی حدیث یا اثر پاتا ہوں۔ بارہا دو تین
حدیثیں میں امام کے پاس لے کر حاضر ہوتا۔ ان میں سے کسی کو فرماتے صحیح
نہیں کسی کو فرماتے معروف نہیں۔ میں عرض کرتا حضور کو اس کی کیا خبر؟
حالانکہ یہ تو قول حضور کے موافق ہیں۔ فرماتے۔ میں علم اہل کوفہ کا عالم
ہوں (الخیرات الحسان کے حوالہ کے ساتھ) بالجملہ نابالغانِ رتبہ اجتہاد نہ
اصلاً اس کے اہل نہ ہرگز یہاں مراد، نہ کہ آج کل کے مدعیانِ خامکار،
جاہلانِ بے وقار کہ من وتو کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھیں اور اساطینِ
دینِ الٰہی کے اجتہاد پر رکھیں" (الفضل الموہبی ص۱۴ - ۱۵)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے آخری الفاظ

" آج کل کے مدعیانِ خامکار، جاہلانِ بے وقار کہ من وتو کا کلام
سمجھنے کی لیاقت نہ رکھیں اور اساطینِ دینِ الٰہی کے اجتہاد پر رکھیں"
جناب طاہر پر من وعن صادق آتے ہیں۔

طاہر القادری کا بعض مسائل میں امام صاحب کے ساتھ صاحبین کے اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔

جناب طاہر القادری مسئلہ دیت میں اجماع صحابہ و اجماع آئمہ مجتہدین کے خلاف موقف اختیار کرنے کے جواز میں فرماتے ہیں۔

"یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اسلام کی تاریخ میں لاکھوں فروعی مسائل کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اساتذہ سے ان کے شاگردوں نے اختلاف کیا امام اعظم کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد نے ہزارہا مسائل پر ان سے اختلاف کیا۔ اعلیٰ حضرت نے امام طحاوی و امام شافعی و صاحب ہدایہ امام المرغینانی سے اختلاف کیا۔" (اہم انٹرویو ص ۹-۱۰)

اس کا جواب تو پہلے ہی خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے پھر جناب طاہر کی کج فہمی کا یہ عالم کہ جناب اجماع صحابہ و اجماعِ آئمہ مجتہدین اور خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید کی خلاف ورزی کو کس کس کے ساتھ اختلاف پر قیاس کر رہے ہیں۔ جناب سے یہ کون پوچھے کہ اجماع صحابہ کرام کی خلاف ورزی کی کوئی مثال دیجئے۔ دیت کے مسئلہ پر راقم نے ۳۲ حدیثیں جمع کی ہیں جو انشاء اللہ العزیز عنقریب علیحدہ کتابی شکل میں چھپ کر آجائیں گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کریمہ میں عملاً نصف دیت رائج تھی۔ کیا اسے پس پشت ڈالنے کی جسارت کسی نے کی؟ پھر صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد تو مجتہد فی المذہب اور امام صاحب سے علم و تربیت اور اجازت یافتہ تھے۔ کیا جناب بھی ان کی صف میں جا پہنچے اور اعلیٰ حضرت نے

طحطاوی، جسے آپ نے "تحتاوی" "تا" کے ساتھ رقم فرمایا، سے اختلاف کیا، کیا امام طحطاوی، کوئی امام مجتہد مطلق تھے اور اعلیٰ حضرت ان کے مقلد یا اعلیٰ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مقلد تھے کہ ان پر ان کی اتباع واجب تھی۔ یا امام المرغینانی امام مجتہد مطلق تھے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ان کے مقلد؟

جناب کے ان لایعنی اور فضول قسم کے بلکہ سراسر فریب پر مبنی جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب علم و تحقیق سے قطعاً کورے ہیں لہٰذا جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے شاید یہ بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہی ہے ؎

فہمیدنِ معانی ہر طبع کے تواند
لذت بیابد آں دل کو رازہا بداند

"مُقلّدین کا رد" اور اِس کا جواب

نیز جناب طاہر غیر مقلدین کی غیر مقلدیت کو تقویت پہنچانے اور اپنے نام نہاد اجتہاد کو سہارا دینے کے لئے فتح الباری کے ایک حوالہ سے لکھتے ہیں۔

" اس واقعہ میں ایسے مقلدین کا رد بھی موجود ہے جن کے سامنے کوئی ایسی بات پیش کی جائے جو ان کے مؤقف (مذہب امام) کے خلاف ہو تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہوتی تو فلاں (ہمارے امام صاحب) کو ضرور اس کا علم ہوتا الخ" (تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب ص ۴۹)

راقم اپنے سادہ لوح سنی حنفی بھائیوں سے پوچھتا ہے کہ کیا ایسی باتیں اور ایسے حوالے کبھی آئمہ کی تقلید کرنے والا شخص بھی نقل کر سکتا ہے؟ تو کیا طاہر صاحب کا اپنے اس رسالہ میں اس قسم کا مواد بھر دینا اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ یہ اوپر سے تو سنی حنفی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن اپنی تحریروں سے اور نام نہاد ادارہ منہاج القرآن کی تحریک سے دراصل غیر مقلدیت کے لئے راستہ ہموار اور ذہنوں کو تیار کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات، جو امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فتح الباری میں نقل فرمائی ہے۔ دراصل، یہ امام تقی الدین بن دقیق العید علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

امام ابنِ دقیق العید

یہ امام ابن دقیق العید علیہ الرحمۃ ۶۲۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۷۰۲ھ کو واصل بحق ہوئے۔ یہ امام صاحب دراصل مجتہد تھے۔ یہ کسی خاص امام کی تقلید نہیں فرماتے تھے۔ یہ بلند پایہ محدث اور فقیہہ و مجتہد تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ (ترجمہ)

"امام ابن دقیق العید مالکی وشافعی دونوں مذاہب کے امام تھے اور ان کی ایک کتاب "المجتہد باحادیث الامام" کے نام سے بھی ہے۔"

(ملاحظہ ہو بستان المحدثین صہ ۲۱۵)

اور امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (ترجمہ)

"امام ابن دقیق العید ۶۹۵ھ دیارِ مصر میں قضاء کے عہدہ پر فائز کئے گئے اور یہ قاضی القضاۃ تھے" (البدایۃ والنہایہ ج ۱۴ صہ ۴۷)

اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر عام طور پر ایسے فقہاء کو فائز کیا جاتا تھا جو درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوتے تھے۔

اور امام عماد الدین حنبلی شذرات الذہب میں امام ابن دقیق العید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"شیخ الاسلام تقی الدین ابوالفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع ابن ابی الطاعۃ القشیری المنفلوطی الشافعی المالکی المصری ابن دقیق العید"

(شذرات الذہب ج ۶ صہ ۵)

اس میں ان کو "شیخ الاسلام" پھر "شافعی ومالکی" لکھا گیا ہے۔ لفظ شافعی مالکی بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایک امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ان کا ارشادِ گرامی محض مقلدین کے لئے کیونکر حجت ہوگا؟ اور امام تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب ابن تقی الدین سبکی علیہ الرحمۃ "طبقات شافعیہ کبریٰ" میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں

"شیخ الاسلام الحافظ	شیخ الاسلام۔ حافظ، زاہد، عابد
الزاهد الناسک المجتهد المطلق	مجتہد مطلق، علوم شریعہ پر پورا عبور رکھنے
ذوالخبرة التامة بعلوم الشريعة	والے علم ودین کے جامع
الجامع بین العلم والدین"	(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۶ صہ ۲)

قارئین غور فرمائیں! جن کے بارے میں امام تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ "مجتہد مطلق" کا لفظ لاکر ان کا تعارف کرائیں، ان کے مجتہد مطلق ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ یہ اکابرین کے الفاظ ہیں جو انتہائی احتیاط کے ساتھ صادر ہوتے تھے ایسے نہیں کہ وہ ایک جاہل مطلق کو "نابغہ عصر، مفکر اسلام اور علامہ ایسے خطابات سے نوازتے پھرتے تھے۔

جب یہ بات تسلیم کر وہ مجتہد مطلق تھے تو ان کا فرمان مقلدین محض کے لئے نہیں بلکہ ان ائمہ دین کے لئے ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کے مقلد ہونے کے باوجود مجتہد فی المذہب کے منصب پر فائز تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کی صحت کا کما حقہ پہچاننا مجتہد کا کام ہے نہ کہ جناب طاہر ایسے خامکار کا کام جنہیں قرآن کریم تک صحیح پڑھنا نہیں آتا حدیث کی صحت کا علم تو دور کی بات ہے۔

طاہر قادری اور عیسائی پادری کا ایک جیسا عقیدہ

قارئین کو شاید اس عنوان سے تعجب ہو، حقیقت یہ ہے کہ جب جاہل شخص مفکر اسلام اور مجتہد بننے لگے تو اس کا ایمان بھی خطرہ میں پڑے بغیر نہیں رہتا۔ طاہر قادری صاحب کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے جیسے انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں شمار کیا اور نبی بھی بتایا تو گویا وہ امتی بھی ہوتے اور نبی بھی۔ یہی مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ ہے اور یہاں سے وہ اپنے لئے دونوں باتیں ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے آپ کو "امتی نبی" ٹھہراتا ہے۔ ایسے ہی طاہر صاحب نے قرآن کریم سے پہلے جو آسمان سے کتابیں نازل ہوئیں ان کے بارے میں عیسائی پادریوں والا عقیدہ اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "اجزائے ایمان" میں فرماتے ہیں۔

"تورات، زبور، انجیل سمیت تمام کتب اور صحف سماوی کی حقیقت یہ تھی کہ ان کے معنی و مفہوم انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر القا کر دیے جاتے تھے اس نازل شدہ وحی کو انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مفہوم کا جامہ پہنا کر امت کے سامنے پیش کر دیتے گویا مفہوم و منشاء خدا تعالیٰ کا ہوتا تھا مگر الفاظ و عبارت انبیاء کرام علیہم السلام کے وضع کردہ ہوتے تھے۔ (حصہ دوم صفحہ ۵۲)

پھر فرماتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ کتب سماویہ چونکہ معانی کی حد تک کلام الٰہی تھیں اور الفاظ و عبارات ہر رو وہ سراسر مخلوق یعنی انبیاء کرام

کا بیان تھیں اور چونکہ انسانوں کے کلام میں ردّ و بدل کیا جانا بھی
ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت کا کوئی وعدہ
بھی نہیں کیا گیا تھا اس لئے ان کتب میں ردّ و بدل ہو گیا۔"
(حصّہ دوم صد ۵۵)

جناب طاہر صاحب کے خیالات سابقہ کتب سماویہ کے بارے میں جو ان کی عبارات مندرجہ بالا سے ظاہر ہو رہے ہیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ سابقہ کتب سماویہ یعنی تورات انجیل و زبور اور دیگر صحیفے کتابوں کی شکل میں او لکھے ہوئے آسمان سے نہیں اتارے گئے تھے۔

۲۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے دلوں میں ڈالے جانے والے خیالات اور الہامات تھے۔

۳۔ ان الہامات کو نبیوں اور رسولوں نے اپنے الفاظ اور اپنی بنائی ہوئی عبارتوں میں قوموں کے سامنے پیش کیا

۴۔ وہ اللہ کا کلام نہ تھے بلکہ وہ انسانوں (پیغمبروں) کے کلام تھے۔

۵۔ انسانوں کے کلام میں ردّ و بدل ہو سکتا ہے اس لئے ان کتابوں اور صحیفوں میں ردّ و بدل کیا گیا۔

۶۔ اگر وہ خدا کا کلام ہوتے تو اہلِ کتاب ان میں تبدیلی اور تغیر نہ کر سکتے۔

۷۔ قرآن کریم چونکہ اللہ کے نبی کا کلام نہیں اس لئے اس میں تبدیلی اور تغیر ممکن نہیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے بارے میں عیسائی پادریوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو جناب طاہر قادری کا ہے۔

چنانچہ عبدالماجد دریاآبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

" ان (اہل کتاب) کے علماء کا برابر صاف صاف اقرار کرتے رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلبِ صافی پر ہوتا تھا اور وہ حضرات انہیں الہامات معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ و عبارت میں نوشتے تیار کر دیتے تھے

(تفسیر ماجدی ص۲۱)

لیجئے، پادری صاحبان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو طاہر قادری صاحب کا ہے کہ الفاظ و عبارات نبیوں کی طرف سے تھیں۔ ان دونوں عقیدوں کی رو سے سابقہ آسمانی کتابیں اور صحیفے خدا کا کلام قرار نہیں پاتے بلکہ نبیوں کا ہی کلام قرار پاتے ہیں جیسا کہ طاہر صاحب نے بھی انہیں انسانی کلام ٹھہرایا اور اسی کو ان میں تبدیلی و تغیر کرنے کے امکان کا سبب بتایا۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ طاہر صاحب کی عیسائی پادریوں کے اس عقیدے میں ہمنوائی نہ صرف باعثِ صد افسوس ہے بلکہ صریح طور پر قرآنِ کریم کے خلاف اور کفریہ عقیدہ ہے۔

ہم نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ طاہر صاحب قرآن کریم کا ترجمہ نہیں پڑھتے ہوتے ورنہ وہ کفر کی حد تک گمراہی میں نہ بھٹکتے۔ قرآن کریم میں اُن سابقہ آسمانی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کا ہی کلام کہا گیا ہے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے۔

" أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (سورۂ بقرہ آیت ۷۵)

تو اے مسلمانو کیا تمہیں یہ طمع ہے کہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے اور ان کا تو ایک گروہ تھا کہ اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ بدل دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آسمانی کتابوں کو اپنا کلام کہا ہے اور رہا یہ سوال کہ پھر ان لوگوں نے اللہ کے کلام میں تبدیلی کیسے کر ڈالی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کیوں نہ کی؟ اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا جواب خواہ کچھ بھی ہو۔ جو بات قرآن کریم سے واضح طور پر ثابت ہو اسے من و عن تسلیم کرنا ہی ایمان ہے۔ یہ بات تو بالکل وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئی کہ وہ کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام تھیں۔ نبیوں اور پیغمبروں کا کلام نہ تھیں۔ کیونکہ آیت مذکورہ بالا میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ لفظ "کلام اللہ" موجود ہے۔ اس کے باوجود ان کتابوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام قرار نہ دینا بلکہ ان نبیوں کا کلام اور انہی کی عبارات ٹھہرانا، آیت مذکورہ کا انکار اور کفر ہی ہے۔ جس کا ارتکاب جناب طاہر صاحب نام نہاد تحقیق و اجتہاد کے نام پر کئے جا رہے ہیں۔ رہا اس کا جواب کہ پھر ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کیوں نہ کی۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ چونکہ ان کی کتابوں کی تعلیمات و ہدایات آخری نہ تھیں اور نہ ہی انکو قیامت تک باقی رکھنا مقصود تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کرنے کا ذمہ نہ اُٹھایا بلکہ ان کی حفاظت خود انہی کے سپرد فرما دی۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم کے بعد چونکہ دوسری کتاب نہیں بلکہ اس کی تعلیمات قیامت تک کے لئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ میں لے لی۔ پھر یہ جو طاہر صاحب فرما رہے ہے کہ ان کتابوں کے معانی اور مفاہیم و مطالب انبیاء کے دلوں پر القاء و الہام کئے جاتے تھے پھر ان القاء شدہ معانی و مطالب کو انبیاء اپنے الفاظ و عبارات کا جامہ پہناتے اور قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ یاد رہے کہ پھر ایسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں قرار پاتیں بلکہ وہ نبیوں کا ہی کلام اور ان کی حدیث قرار پاتی ہے

حدیثِ قُدسی

اس کا نام حدیثِ قدسی رکھا جاتا ہے کلامِ الٰہی نہیں

چنانچہ "جامع العلوم" میں ہے۔

"الحديث القدسي" ما اخبر الله تعالىٰ به نبيه بالالهام او المنام فاخبر عليه الصلوة والسلام عن ذلك المعنى بعبارة نفسه

"حدیثِ قدسی" اس کو کہتے ہیں جس کی خبر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو الہام یا خواب کے ذریعے دے پھر نبی ان معنوں کو اپنی عبارت والے الفاظ میں ڈھال کر دوسروں کو بتائے۔

("جامع العلوم" طبع بیروت ج ۲ ص ۱۶)

طاہر صاحب نے سابقہ آسمانی کتابوں کے بارے میں جس خیال کا اظہار فرمایا ہے اس کے مطابق وہ کتابیں احادیث قدسیہ کی تعریف میں آتی ہیں۔ انہیں کلام الہٰی نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ وہ نبیوں کی احادیثِ قدسیہ اور ان کا کلام ٹھہرتی ہیں اور یہی بات طاہر صاحب نے بھی کہہ ڈالی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ کتب سابقہ چونکہ معانی کی حد تک کلام الہٰی تھیں اور الفاظ و عبارات میں وہ سراسر مخلوق، یعنی انبیاء کرام کا بیان تھیں اور چونکہ انسانوں کے کلام میں رد و بدل کیا جانا بھی ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت کا کوئی وعدہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ان کتب میں رد و بدل ہو گیا۔" (اجزائے ایمان حصہ دوم ص ۵۵)

اس میں طاہر صاحب نے ان آسمانی کتابوں کو، انبیاء کرام کا بیان اور انسانوں کا کلام قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کو جو ان آسمانی کتابوں کے بارے میں قرآن میں وارد ہوا، جھٹلا دیا اور اس کا کھلا انکار کر ڈالا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ صاف صاف اور صراحت کے ساتھ ان کتابوں کو اپنا کلام قرار دے رہا ہے کہ

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اور ان اہلِ کتاب (یہود) کا ایک

يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ط

(سورۂ بقرہ آیت ۷۵)

گروہ اللہ کے کلام کو سنتے، پھر اسے سمجھنے کے بعد، اس کو دیدہ دانستہ بدل دیتے

اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں (تورات) کو اپنا کلام کہا۔ اس سے بڑی وضاحت اور بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن شیخ احمد مصطفےٰ مراغی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

فسمعوا كلامه بطريق نحن لا نعرفها ولا ندرك كنهها واستيقنوا مناجاته ربه وسمعوا اوامره ونواهيه ثم كان منهم ان حرفوا كلام الله الذى حضروا وحيه وصرفوه عن وجهه بالتاويل والتحريف۔ الخ

(تفسیر المراغی ج ۱ ص ۱۴۹)

کہ بنی اسرائیل نے کسی ایسے طریقے سے، جس کا ہمیں علم نہیں اور نہ ہی ہم اس کی حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں۔ اللہ کا وہ کلام سنا جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر فرمایا اور ان لوگوں نے اس کا یقین کیا۔ اور اس کے اوامر اور نواہی کو بھی سنا پھر ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے اس کلام کو بدل ڈالا جس کی وحی پر وہ خود بھی حاضر تھے اور تاویل باطل اور تحریف کر کے اس کو بدل ڈالا۔

دیکھئے! علامہ شیخ احمد مصطفےٰ المراغی علیہ الرحمۃ کی سنئیے۔ کیا فرماتے ہیں۔ ان کے مندرجہ بالا ارشاد سے درج ذیل مسائل واضح ہو رہے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہر گفتگو اور وحی کا سلسلہ ہوتا

تھا۔ اسے ایک بار، بنی اسرائیل کے چیدہ چیدہ لوگوں نے بھی کوہ طور پر جا کر خود سنا تھا۔ لہٰذا طاہر صاحب کا یہ کہنا کہ ان انبیاء کی وحی، الفاظ کی صورت میں نہیں بلکہ ان کے دل پر معانی کو الہام و القاء کیا جاتا تھا۔ جسے وہ قوم کے آگے اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ غلط اور خلافِ تحقیق ہے

۲۔ بنی اسرائیل نے اللہ کے کلام کو بطفیل حضرت موسیٰ علیہ السلام، خود سنا اور اس میں احکام بھی تھے، اوامر بھی اور نواہی بھی۔

۳۔ بنی اسرائیل اس لئے بھی زیادہ غضبِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے کہ جس وحی و کلام کو انہوں نے کوہ طور پر جا کر بذاتِ خود سنا تھا اور اس بات کا اچھی طرح یقین حاصل کر لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے اسے بعد میں بدل ڈالا۔

اس کے بعد جناب طاہر القادری کی اس بات کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں خدا کا کلام نہ تھیں۔ بلکہ وہ انبیاء علیہم السلام کا اپنا ہی کلام ہوتا تھا اور چونکہ وہ انسانی کلام تھا اس لئے اس کا بدل دینا ممکن تھا معلوم ہوتا ہے جناب طاہر صاحب شوقِ اجتہاد میں جو دل آتا ہے زبان سے نکالتے چلے جاتے ہیں اور نام نہاد جدید تحقیق کی آڑ میں قرآن وسنت کے مسلمہ حقائق تک کو مسخ کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ تورات کے بارے میں خود قرآن گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا (الاعراف آیت ۱۴۵)

اور ہم نے اس (موسیٰ) کے لئے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور ہم نے فرمایا اے موسیٰ اسے مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کرو الخ۔

اس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ تورات کو اللہ تعالیٰ نے لکھا اور یہ کہ تورات تختیوں پر لکھی لکھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (ترجمہ)

"یہ تختیاں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی سات یا دس تھیں اور حدیث میں ہے کہ وہ تختیاں جنت کے بیری کے درخت کی تھیں اور وہ بارہ ہاتھ لمبی تھیں اور حدیث میں آیا ہے۔

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَکَتَبَ التَّوْرَاۃَ وَغَرَسَ شَجَرَۃَ طُوْبٰی بِیَدِہٖ ط الخ

"کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور شجرۂ طوبیٰ کو بھی اپنے ہاتھ سے پیدا کیا"

(تفسیر مظہری ج ۴ ص ۴۰۹)

اور علامہ محمود آلوسی علیہ الرحمۃ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔ (اردو ترجمہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے)

" امام ابن ابی حاتم وغیرہ امام جعفر صادق بن امام محمد باقر، اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو تختیاں (تورات کی لکھی لکھائی) موسیٰ پر نازل کی گئی تھیں وہ جنت کے بیری کے درخت کی تھیں۔ جن کا طول بارہ ہاتھ تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"کَانَتْ مِنْ خَشَبٍ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَآءِ"

کہ تورات کی تختیاں لکڑی کی تھیں۔ اسے آسمان سے اتارا گیا اور ہر تختی کا طول دس ہاتھ تھا، اور جو امام ابن جریج سے مشہور ہے وہ یہ ہے کہ

تورات کو اپنے ہاتھ سے بحکم خداوندی جبرائیل علیہ السلام لکھنے والے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ و حضرت مجاہد و حضرت عطاء و حضرت عکرمہ اور بہت سی خلق سے مروی ہے کہ بلاشبہ تورات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ید قدرت سے لکھا تھا اور یہ بھی آیا ہے کہ جو قلمیں تورات کی لکھنے والی تھیں ان کی آواز خود موسیٰ علیہ السلام نے سُنی تھی اور یہی امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۵۵)

ان تمام روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ تورات جو ایک آسمانی کتاب تھی۔ لکھی ہوئی نازل ہوئی اور قرآن کریم میں نص اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ تختیوں پر لکھی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور اس کے بعد یہ بھی قرآن میں موجود ہے۔

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۰) اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔

اس میں واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طُور سے واپس لوٹے تو تختیاں اُٹھائے ہوئے تھے اور قوم کا سنا کہ وہ ان کے بعد گائے کے بچھڑے کی پوجا میں لگ گئی تھی تو غیرت و حمیت دینی میں سخت ناراض ہوئے اور اس عالم غضب میں تورات کی تختیاں بھی زمین پر ڈال دیں اور بھائی کو پکڑ لیا کہ انہوں نے قوم کو اس طرف کیوں جانے دیا۔ اس سے تورات کا قطعی طور پر لکھا ہوا آسمان سے نازل ہونا ثابت ہو گیا۔ مگر طاہر القادری کے علم کی داد دیجئے جن کا دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں دین کی خدمت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ قرآن کریم کے برعکس فرماتے ہیں کہ آسمانی کتابیں صرف معانی و مطالب کی صورت میں نبیوں کے دلوں میں ڈالی گئیں۔ جنہیں وہ اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر اور اپنی طرف سے لکھ کر قوم کو پیش کرتے تھے اور کہتے تھے یہ خدا کی کتاب ہے اور یہ کہ وہ دراصل ان کا اپنا ہی انسانی کلام

ہوتا تھا۔ پروفیسر صاحب کا یہ خیال قرآنِ کریم کی تعلیم و ہدایت سے قطعاً متصادم اور ٹکراتا ہے۔

سمجھدار لوگوں کے لئے جو شخصیت پرست ہونے کی بجائے حقائق نواز اور حقائق شناس ہیں، ان کے سمجھنے کو اس قدر کافی ہے کہ طاہر صاحب کی یہ جاہلانہ باتیں اور قرآن و حدیث کے غلط تراجم اور بے ہودہ تشریحات اور لایعنی طولانیاں ہی اس کی بشارتوں کے جھوٹے ہونے کی بڑی دلیل ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ ایسے نااہل اور عربی و دینی علوم سے نابلد انسان کو دین کی خدمت کا سلسلہ سونپ کر اسے کشتیٔ امت کا واحد ناخدا قرار دے دیں۔

قارئین کرام! دیکھئے جناب طاہر القادری صاحب نے جو فرمایا کہ

"ان آسمانی کتابوں کے معانی و مطالب ان نبیوں کے دلوں پر القاء کئے گئے۔ اور ان کے الفاظ خدا کی طرف سے نازل کردہ نہ تھے اور یہ کہ وہ کلام انسانی تھا اس لئے اس میں ردّ و بدل واقع ہوا

اس کے خلاف آپ نے قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمالیا جس میں ان کتابوں کو "اللہ کا کلام" فرمایا گیا (سورۂ بقرہ آیت ۷۵) پھر اس کے تحت تفسیر مراغی کا حوالہ بھی کہ وہ کلام جو موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوا، بنی اسرائیل کے چیدہ چیدہ لوگوں نے بذاتِ خود کوہِ طور پر جاکر اپنے کانوں سے سُنا۔ (تفسیر مراغی ۱: ۱۴۲)۔ پھر یہ بھی ملاحظہ کیا کہ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ تورات تختیوں کے اُوپر لکھی لکھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی گئی (سورۂ اعراف آیت ۱۴۵) پھر یہ بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے یدِ قدرت سے لکھا (تفسیر مظہری ۳: ۴۰۳ اور تفسیر رُوح المعانی ۹: ۶۸)

اب قرآنِ کریم کی ایک اور آیت بھی ملاحظہ فرمائیے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا   اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ (۲) — کیونکر نہ اتارا گیا۔

(سورۃ الفرقان آیت ۳۲)

ایک اور اجماع سے انکار

طاہر صاحب کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے یا دیدہ دانستہ مسائل اجماعیہ کا انکار کئے جا رہے ہیں عورت کی نصف دیت کے انکار کے بعد ان کتابوں کے بارے میں بھی اجماعی موقف کا انکار ہے۔ جب کہ کفار بھی جانتے تھے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے معانی قلوب انبیاء پر نہیں اتارے گئے تھے بلکہ ان کتابوں کو کتابی صورت میں ایک ساتھ آسمان سے نازل کیا گیا تھا اس لئے ان کے برعکس قرآن کریم کے بتدریج نازل ہونے پر معترض ہوئے۔ لیکن جناب طاہر القادری کا مطالعہ ان سے بھی کمتر ٹھہرا۔ جن کا زعم ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خدمت سونپی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس سلسلے میں روح المعانی کی سنئے۔

ای هلا انزل القرآن علیه علیه الصلوۃ والسلام دفعة غیر مفرق کما انزلت التوراۃ والانجیل والزبور علی ما تدل علیه الاحادیث والآثار حتی کاد یکون اجماعا کما قال السیوطی

(تفسیر روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۴)

یعنی کفار نے کہا کہ قرآن حضور علیہ صلوۃ والسلام پر ویسے ایک ساتھ کیوں نہ اتارا گیا جیسے تورات و انجیل و زبور ایک ساتھ نازل کی گئی تھیں۔ بنا بریں کہ اس پر احادیث و آثار دلالت کرتے ہیں حتیٰ کہ قریب قریب اس پر اجماع ہے۔ چنانچہ امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

قارئین نے ملاحظہ فرمالیا! کہ تقریباً اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں تورات، انجیل اور زبور، کتابی شکل میں آسمان سے اتاری گئی تھیں۔ لہٰذا وہ کتابیں بلاشبہ الفاظ کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ کا کلام تھیں۔ وہ انبیاء کا کلام نہ تھیں لہٰذا جناب طاہر القادری کا عقیدہ اس اجماع کے بھی خلاف ہے۔

اب مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا طریقہ نزول تورات و انجیل کے طریقہ نزول سے دو طرح سے اصل ہے ایک یہ کہ وہ کتابیں ایک دم آئیں اور قرآن آہستہ آہستہ۔ دوسرے یہ کہ وہ کتابیں لکھی ہوئی آئیں اور قرآن بولا ہوا۔" (تفسیر نور العرفان پ ۱۹ ص ۵۸۰)

قارئین غور فرمائیے! قرآن مجید، احادیث و آثار اور تفاسیر اور اجماع کے حوالوں کے بعد، طاہر القادری کا عقیدہ مذکورہ ان کے خلاف گمراہی اور گمراہ کن پاتا ہے یا نہ؟ ضرور گمراہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ (فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ)

؎ اب صاف ہو گیا حق و باطل میں امتیاز
اب فصل نو بہار الگ ہے، خزاں الگ

*

طاہر القادری تفضیلی شیعہ

طاہر القادری اگرچہ لاکھ مرتبہ اپنے آپ کو سنی کہے مگر اس کا سنی حنفی ہونا اس کی کتابوں سے تحریروں اور تقریروں سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت عقائد کے اعتبار سے تضادات کا مجموعہ ہے جہاں اس میں غیر مقلدیت اور معتزلیت کے خیالات پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے گزشتہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ وہاں اس کے عقائد میں تفضیلی شیعیت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ اس کی وہ تقریر جو انہوں نے قصر شیعیت و محل رفض، معروف بنام قصر بتول میں مولود کعبہ کے موضوع پر فرمائی۔ سننے کے بعد اگر کوئی صاحب شعور راقم کی رائے کو غلط ثابت کر دے تو راقم بلا تاخیر نہ صرف معذرت عرض کرے گا۔ بلکہ معذرت نامہ بھی شائع کرے گا۔ قصر بتول میں ہونے والی تقریر "مولود کعبہ" کے عنوان سے ان کی کیسٹ بھری ہوئی دستیاب ہوتی ہے اور سنی جاتی ہے۔ اور روزنامہ جنگ میں بھی جناب طاہر کے وہ الفاظ جلی سرخی کے ساتھ شائع ہوئے کہ

"تمام صحابہ بھی اکٹھے ہو جائیں تو علم میں حضرت علی کا کوئی ثانی نہیں۔"

اور یہ کہ "سب صحابہ نے شہادت دی ہے کہ اگر ہم تمام صحابہ بھی اکٹھے ہو جائیں تو علم میں علی کا کوئی ثانی نہیں۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم تمام صحابہ میں کسی شخص کو یہ جرأت نہ تھی سوائے حضرت علی کے کہ وہ مسند پر کھڑا ہو کر یہ کہہ سکے کہ جو چاہو پوچھو" (روزنامہ جنگ خصوصی اشاعت ۹ مئی ۱۹۹۰ء)

یہ تقریر محض رافضیوں اور شیعوں کی خوشنودی اور ان کو اپنے ہمنوا اور ادارہ منہاج القرآن کا ممبر بنانے کے لئے کی گئی ہے اور یہ تقریر سوا جھوٹ کے کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد

[illegible]

ہے۔ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ علم والا اعتقاد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کان ابوبکر اعلمنا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶)	کہ حضرت ابوبکر صدیق کا علم جہاں پہنچا وہاں ہم سب صحابہ میں کسی کا بھی نہ پہنچ سکا۔ وہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیق و عمر و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علی الاطلاق زیادہ علم والا تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے ان کی خلافتوں کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ پھر صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی جناب کی نظر سے کیونکر گزرتی کہ جناب نے باقاعدہ دورۂ حدیث پڑھا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا وہ یہ کہ حضرت محمد بن حنفیہ صاحبزادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا کہ:۔

ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال ابوبکر، قال، قلت ثم من؟ قال عمر الخ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۸)	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بہتر کون ہیں؟ فرمایا ابوبکر صدیق کہتے ہیں، میں نے پھر عرض کی، پھر کون؟ فرمایا حضرت عمر (رضی اللہ عنہما)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ہونا، علمی افضلیت کے بغیر ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کی مزید تحقیق ہماری کتاب "افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ" میں ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں ہم نے دلائل ظاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام علمی و عملی کمالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس خیال کا حامل جس

کا اظہار جناب طاہر نے مولود کعبہ کی تقریر میں اور اخبار میں کیا۔ یہ شخص بلاشبہ شیعہ ہے جسے تفضیلی شیعہ کہا جاتا ہے

چنانچہ فتح القدیر میں ہے

"من فضل علیا علی الثلاثة فمبتدع" کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے برتر سمجھے وہ گمراہ ہے اہلسنت سے نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۵۰)

اس کے بعد جناب طاہر کے مبتدع اور گمراہ ہونے میں کون سا عقل مند اور باشعور مسلمان شک و شبہ کر سکتا ہے؟ موصوف دراصل اس قسم کی باتیں اس لئے کہ جاتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر عالم نہیں وکیل ہیں۔ انہوں نے داڑھی کٹوانی بھی اتفاق مسجد کی خطابت اختیار کرنے کے بعد ہی لوگوں کے طعن و تشنیع سے تنگ آکر چھوڑی اور اب بھی شاید کٹوانا چاہتے ہیں کیونکہ ان کی حال ہی میں ایک کیسٹ میں بھری تقریر راقم کو سننے کا اتفاق ہوا جو میرے پاس موجود ہے اس میں فرماتے ہیں کہ "صرف دو انگل کے برابر داڑھی چھوڑنا ادائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کافی ہے" اس سے زیادہ مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔

اسلامی فرقوں کے درمیان اختلافات کے بارے میں

طاہر القادری کا نقطۂ نظر کہ یہ اختلافات فروعی ہیں۔

جناب طاہر القادری "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" میں لکھتے ہیں۔

۱۔ "مسلمانوں کے مختلف فرقے اور طبقے جو جسم ملت کے مختلف اعضا ہیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو کر نہ صرف ملت کی اجتماعی سلامتی اور تحفظ کو معرض خطر میں ڈال رہے ہیں۔ بلکہ اپنے انفرادی تحفظات کو بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ مختلف طبقوں اور فرقوں کی مثال ندی نالوں کی سی ہے جو ایک ہی دریا سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ دریا کی روانی سے ہی ان کا بہاؤ جاری ہے۔ اگر دریا ہی خشک ہو گیا تو ان کا اپنا وجود کب برقرار رہے گا۔" (ص ۳۴)

پھر لکھتے ہیں

۲۔ "آج شومئ قسمت سے حالت یہ ہو گئی ہے کہ ملتِ اسلامیہ مختلف طبقوں اور فرقوں میں منقسم ہو کر اپنے اپنے مسلک کے تحفظ کو اسلام کی سلامتی اور استحکام کا ضامن گردان رہی ہے۔ ہر مسلک کے پیرو اس حقیقت سے کلی طور پر اغماض برت رہے ہیں کہ اگر خدانخواستہ دشمن کے ہاتھ اسلام کے دامن تک پہنچ گئے اور خاکم بدہن محمد عربی کی ملت کو اجتماعی طور پر کوئی گزند پہنچ گیا تو تمہارے مسلکوں اور فرقوں کو کون سلامتی کی ضمانت دے گا؟" (ص ۴۴)

پھر لکھتے ہیں

۳۔ فرقہ پرستی کی تنگ نادوں میں بھٹکنے والے ناعاقبت اندیش مسلمان کے لئے

زوالِ بغداد کی تاریخ عبرتناک منظر پیش کر رہی ہے ـــــ وزیر اعظم کی سیاست شیعہ مسلک کے گرد گھومتی تھی۔ جب کہ خلیفہ کا بیٹا ابو بکر سنی عقائد کا نقیب تھا دونوں (شیعہ و سُنی) فرقے باہم دست و گریباں تھے۔ (ص ۴۵)

پھر لکھتے ہیں۔

۴۔ اس رستاخیز بربریت کے عالم میں شیعہ اور سُنی دونوں یکساں طور پر تاتاریوں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنے ـــــ اگر خدا نخواستہ سرزمینِ پاک پر دشمن کے قدم پہنچ گئے اور وہ اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہوگیا تو ہمارا حشر بھی دوسروں سے مختلف نہ ہوگا پھر جو تباہی ہوگی اس میں نہ کوئی بریلوی بچ سکے گا نہ دیوبندی نہ کوئی اہلِ حدیث اور نہ کوئی شیعہ۔ (ص ۴۶)

پھر لکھتے ہیں۔

۵۔ یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ خدا اور رسول نے کسی بھی فرقے اور مسلک کے نام پر جنت کا پروانہ جاری نہیں کیا۔ اگر کوئی اس زعم میں مبتلا ہو کہ وہ محض فلاں مسلک سے متعلق ہونے کی بنا پر جنت کا حقدار ہے تو یہ اس کی خام خیالی اور خود فریبی ہے ـــ بخشش اور مغفرت کا دارومدار کسی طبقے یا فرقے کے عنوان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی عقیدے اور عملِ صالح کے باعث خدا کے فضل و کرم پر ہے ـــ یہ حقیقت ہے کہ وحدتِ ملی کے تصور کو فرقہ پرستی کے ہاتھوں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے یہ لعنت ہماری زندگی کے لئے زہرِ ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے لیکن اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ ہم نے اپنے علمی اختلافات و نزاعات کا موضوع بھی ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنا لیا ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

۶۔ "یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی و اعتقادی قدریں سب مشترک ہیں۔ اسلامی عقائد کا سارا نظام انہی مشترک بنیادوں پر کھڑا ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی کسی اور نبی یا رسول کی شریعت کا نہ انکار کرتا ہے نہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو مانتا ہے۔ سب مسلمان توحید و رسالت، وحی اور کتب سماوی کے نزول، آخرت کے انعقاد ملائکہ کے وجود، حضور کی خاتمیت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت وغیرہ جیسے معتقدات اور اعمال پر یکساں ایمان رکھتے ہیں اور اگر کہیں اختلاف ہے تو فروعی حد تک صرف اور وہ بھی ان کی علمی تفصیلات اور کلامی شرحات متعین کرنے میں ہے۔ اس سے عقائدِ اسلام کی بنیادوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

(صفحہ ۵۹)

پھر لکھتے ہیں

۷۔ "یہ کتنی حرماں نصیبی ہے کہ آج فرزندانِ توحید آقائے دو جہان کی اس سنت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ فرقہ بندی کی عصبیت سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے اور انتشار و افتراق کی گمراہ کن راہوں میں کھو گئے ہیں انہیں اتنا بھی شعور نہیں رہا کہ ان کے مابین سب بنیادی قدریں مشترک تھیں۔" (صفحہ ۶۰)

پھر لکھتے ہیں

۸۔ "آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں کہ اپنے گروہی مسلکی، جماعتی اور طبقاتی مفادات کی خاطر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وحدت کا اتنا بھی پاس نہیں رہا کہ اسلام کی کشتی میں ہر فرقہ کشتیِ ملت کے تختوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر سمندر میں پھینک رہا ہے اور کسی کو بھی اتنا خیال

نہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوب گئی تو وہ بھی سب اس کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔" (ص ۱۶)

پھر لکھتے ہیں۔

۹۔ "آؤ ذرا ہم اپنی حالت پر غور کریں اور سوچیں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو کافر، مشرک، بدعتی، گستاخِ رسول، لعنتی اور جہنمی کہہ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تکفیر و تفسیق کی زد میں اگر سارے آگئے تو پھر مسلمان کون بچے گا؟" (ص ۱۷)

پھر لکھتے ہیں۔

۱۰۔ "اسلامی تعلیمات سے والہانہ وابستگی رکھنے والا نوجوان مسلمان اپنے گرد و پیش فرقہ پرستی کی دیواریں کھڑی دیکھتا ہے۔ تو وہ اسلام سے ہی بیزار ہونے لگتا ہے۔ اسے بریلویت، دیوبندیت، اہل حدیثیت، شیعیت ایسے تمام عنوانات سے وحشت ہونے لگتی ہے۔" (ص ۱۱)

حقیقت کیا ہے؟

جناب طاہر القادری کی ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور شیعہ حضرات کے درمیان عقائد کی بنیادیں مشترک ہیں۔ ان میں کوئی اصولی اور بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صرف فروعی اختلافات ہیں ان سے ان کے ایمان و عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ طاہر القادری نے اس تحقیق و نقطۂ نظر میں محترم جسٹس سید محمد کرم شاہ الازہری کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ جسٹس صاحب اس سے قبل اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں یہی کچھ لکھ چکے ہیں

(ملاحظہ ہو تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۱)

موصوف نے علمائے حیدرآباد سے غلط بیانی کی

لیکن موصوف سے جب علمائے حیدرآباد نے درج ذیل سوال کیا کہ

سوال: آپ نے ایک رسالہ (دید شنید) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں وہابی اور شیعہ کے پیچھے نماز پڑھنا صرف پسند ہی نہیں کرتا بلکہ جب موقع ملے ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ تو پروفیسر صاحب نے جوابات میں سراسر کذب بیانی سے کام لیا۔ ملاحظہ ہو

جواب: (پروفیسر طاہر القادری) "میرے نزدیک حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ بھی قبول نہیں (اس موضوع پر ۴۲ گھنٹے کی میری بحث جو میں نے شریعت کورٹ میں کی۔ ٹیپ پر موجود ہے) جب ایسے شخص کی نماز ہی صحیح نہیں تو میری اس کے پیچھے نماز کیسے صحیح ہوگی؟ دراصل "دید شنید" ایک رسالہ ہے اس کا انٹرویو لینے والا دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے یہ بات شافعی حنبلی اور مالکی وغیرہ کے لئے کہی تھی اور اس نے اس میں وہابی اور شیعہ اپنی طرف سے لگا دیا۔ ہم نے اس رسالہ کے خلاف کارروائی کی ہے اور اب اس کا ڈیکلریشن منسوخ ہوگیا ہے"۔ (مراسلہ صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نقشبندی مہتمم و مفتی دارالاسلام جامعہ مجددیہ آزاد میدان حیدرآباد سندھ بنام راقم الحروف مورخہ ۸۰-۱۰-۲۹۔ بحوالہ مذاکرہ علمائے حیدرآباد و طاہر القادری مورخہ ۲۸ ستمبر ۸۶ء بروز بدھ۔ یہ مذاکرہ سوالات و جوابات ٹیپ کیا گیا۔ جس کا متن راقم کو بھیجا گیا۔

پروفیسر صاحب کے متعدد جھوٹ

پروفیسر صاحب نے حسب عادت یہاں بھی علمائے حیدرآباد کے سامنے متعدد جھوٹ بولے اور غلط بیانی سے کام لیا ایک تو یہ کہ "دید شنید" کے انٹرویو لینے والے نے اپنے سوالات میں کہیں بھی حنبلی اور مالکی وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا اور اسے اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ ہمارے ملک میں حنبلی اور مالکی مساجد اور ان کے ائمہ ہی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے پیچھے نمازوں کے جواز یا عدم جواز پر یہاں کبھی سوال پیدا ہوا سوال تو ہمیشہ بریلوی، دیوبندی اور شیعہ کے پیچھے نمازوں کی ادائیگی کا ہی کیا جاتا ہے چنانچہ اسی لئے یہی سوال کیا ملاحظہ ہو۔

سوال :- اسلام کو سب سے زیادہ نقصان فرقہ واریت نے پہنچایا لیکن آپ خود ایک سیاسی اور مذہبی فرقہ سے منسلک ہو گئے ہیں۔ جسے حضورؐ کی زیارت اور ان سے دودھ کا پیالہ لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے ملا تھا۔ وہ ایسے نقصان دہ عمل میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟۔

جواب :- (طاہر صاحب) یہ آپ کا سوال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ میں بچپن سے آج تک کسی سیاسی یا مذہبی فرقہ سے منسلک نہیں رہا۔ میں فرقہ واریت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں کسی فرقہ کا نہیں بلکہ حضورؐ کی امت کا نمائندہ ہوں۔ میرا دین فرقے کا دین نہیں بلکہ اسلام ہے۔ میں کسی سیاسی جماعت یا مذہبی فرقے کی پالیسی سے اختلاف یا اتفاق کا پابند نہیں ہوں میں اچھائی کو پسند اور برائی کو ناپسند کرتا ہوں۔ بعض فرقے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے منظم ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ اسلام کی خدمت کا کام کسی اور کے ہاتھ سے بھی ہو ہمارے کام سے حسد کر کے ہمیں فرقہ واریت سے منسلک کرتے ہیں ہم صرف

خدا اور رسول سے منسلک ہیں۔

سوال : "آپ شیعہ، سُنی اور وہابی علماء کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں"

جواب : "پسند کیا میں جب بھی موقع ملے پڑھتا ہوں۔ یہاں اتفاق مسجد میں شیعہ سے لیکر وہابی تک سب لوگ آتے ہیں۔ اسی لیے آتے ہیں کہ یہاں محبت اور اخوت کا پیغام دیا جاتا ہے۔ اگر نفرتوں کا پیغام دیا جائے تو صرف ایک فرقہ کے لوگ ہی آئیں گے"؟ (دید شنید پندرہ روزہ ۴ تا ۹ اپریل ۱۹۸۶ء ص ۱۸)

اگر طاہر صاحب کے اس جواب کو جو انہوں نے علماء حیدرآباد کو دے کر مطمئن کر دیا ان کے انٹرویو کے سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ تاویل باطل اور کذب بیانی کے سوا کچھ قرار نہیں پاتا۔ نیز اس میں دوسرا جھوٹ یہ فرمایا کہ ہم نے رسالہ مذکورہ کے خلاف کارروائی کی۔ تیسرا جھوٹ یہ کہ اس کارروائی کے نتیجے میں اس کا ڈیکلریشن منسوخ ہو گیا حالانکہ وہ باقاعدہ چھپتا ہے اور اس کا ڈیکلریشن اس دوران منسوخ ہی نہیں ہوا۔

طاہر صاحب کا رسالہ دید شنید پر بہتان اور اس کا جواب

پھر دید شنید پر یہ بھی بہتان لگا دیا کہ اس نے ان کے انٹرویو میں حنبلی و مالکی کی جگہ وہابی اور شیعہ لکھ دیا۔ کیونکہ جب بعض لوگوں نے اس کے ایڈیٹر سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ تم نے طاہر القادری کے انٹرویو میں ڈنڈی ماری ہے (یعنی اسے اپنی طرف سے گھٹا بڑھا کر شائع کیا)، تو دید شنید نے درج ذیل جواب اس کے بعد ہی شائع کیا۔

" ہمارے دل میں مولانا طاہر القادری کی بہت عزت ہے اسی لئے ہم نے ان کا انٹرویو شامل اشاعت کیا جبکہ انٹرویو کی اشاعت کے بعد ہم سے بات کئے بغیر انہوں نے (وزیر اعلیٰ پنجاب کی تعریف و توصیف میں کہے ہوئے الفاظ سے متعلق) جس انداز میں وضاحت شائع کرائی۔ اس سے ہمیں بے حد افسوس ہوا۔ ہمارے پاس مولانا صاحب کے انٹرویو کا کیسٹ محفوظ ہے جو کوئی جب چاہے آکر وہ کیسٹ سن سکتا ہے اور اندازہ کر سکتا ہے کہ ہم نے کہاں تک ڈنڈی ماری ہے۔

ایڈیٹر

(رسالہ دید شنید جلد ۱ شمارہ نمبر ۲۵ تا ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء)

نیز طاہر القادری صاحب نے ایران کا دورہ کیا تو وہاں شیعہ اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ جامعہ المنتظر، ماڈل ٹاؤن لاہور میں شیعہ مسلک کا دار العلوم ہے اس کے مدرس سید بختیار حسین سبزواری کے ساتھ وہاں ایران میں ان کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے راقم کو خود ہی طاہر صاحب کے بارے میں ایک میٹنگ کے دوران بتایا کہ طاہر صاحب بڑے وسیع القلب ہیں۔ کیونکہ وہ میرے (سبزواری صاحب کے) ساتھ ایران میں شیعہ

اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور سبزواری صاحب نے ان کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے۔ یعنی طاہر صاحب اردو میں بات کرتے تھے اور سبزواری صاحب اس کا فارسی میں ترجمہ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں امام کعبہ جو وہابی عقیدہ کے ہیں جب جھنگ میں گئے تو طاہر صاحب نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر ڈنمارک میں مولوی ادریس دیوبندی وہابی کے پیچھے نماز پڑھی۔ ڈنمارک کے علمائے اہلسنت اس بات کے گواہ ہیں اور انہوں نے پاکستان میں خطوط بھیجے جس میں طاہر صاحب کے بارے میں یہ شکوہ کیا۔ ان خطوط کی کاپی راقم کے پاس موجود ہے۔ جسے مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب کی سرپرستی میں نکلنے والے اہلسنت کے ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نے بھی شائع کیا۔ پھر خود موصوف مدظلہ العالی نے اسے اپنی کتاب "خطرہ کی گھنٹی" میں بھی شائع کیا۔ پھر طاہر صاحب کا مولانا تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ کے خط کے جواب میں اور علمائے حیدرآباد کے جواب میں یہ کہنا کہ انہوں نے جو اپنی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" میں لکھا ہے کہ

"تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی واعتقادی قدریں سب مشترک ہیں"

اور یہ کہ "اختلافات فروعی حد تک ہیں"

اور ویڈ شنید کے انٹرویو کے بارے یہ کہنا کہ اس سے ان کی مراد حنفی، شافعی و مالکی و حنبلی ہیں۔ قطعاً جھوٹ اور صریح و واضح کذب بیانی ہے۔ کیونکہ

۱۔ ہمارے ملک میں حنفی، شافعی و مالکی و حنبلی کا کوئی جھگڑا نہیں بلکہ طاہر صاحب کا اپنی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" میں بغداد کے حوالے سے شیعہ وسنی کا ذکر کرنا ہی خود ان کی اس تاویل فاسد اور غلط بیانی کو بے نقاب کر رہا ہے

۲۔ اس کتاب میں کہیں بھی ان فقہی مسالک کا تذکرہ نہیں۔ پھر ہم نے اس کی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" سے جو عبارات نمبروار درج کی ہیں وہ ان فقہی مسالک پر ہرگز صادق نہیں آتیں۔ ورنہ ہم سوال کرتے ہیں کہ

۳۔ کیا حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا اپنے اپنے مسلک کے تحفظ کو اسلام کی سلامتی اور استحکام کا ضامن گردانتے ہیں
۴۔ اور کیا وہ فرقہ پرستی تنگناؤں میں بھٹک رہے ہیں۔
۵۔ کیا یہ فقہی مسالک اپنے علمی اختلافات و نزاعات کا موضوع ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بناتے رہتے ہیں
۶۔ کیا وہ فرقہ بندی کی عصبیت کی وجہ سے راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں ؟ اور انتشار و افتراق کی گمراہ کن راہوں میں کھو گئے ہیں ؟
۷۔ کیا وہ یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں
۸۔ کیا وہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک، بدعتی، گستاخِ رسول، لعنتی اور جہنمی کہہ رہے ہیں ؟

پھر طاہر صاحب کا یہ لکھنا کہ

۹۔ " اسلامی تعلیمات سے والہانہ وابستگی رکھنے والا نوجوان مسلمان اپنے گردو پیش فرقہ پرستی کی دیواریں کھڑی دیکھتا ہے تو وہ اسلام سے بیزار ہونے لگتا ہے۔ اسے بریلویت، دیوبندیت، اہلحدیثیت، شیعیت ایسے تمام عنوانات سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ (صفحہ ۱۱)

کیا ان کی اس تاویل فاسد کے لئے کوئی گنجائش چھوڑتا ہے ؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا طاہر صاحب بتا سکتے ہیں کہ " بریلویت سے وحشت ہونے کی وجہ کیا ہے بریلوی علمائے کرام نے کونسا قصور کیا ہے جس کی پاداش میں آپ ان کے مسلک کو وحشتناک قرار دے رہے ہیں اور باطل کے ساتھ حق کو بھی لائق گردن زنی قرار دے رہے ہیں اور تعجب یہ کہ اس کے باوجود بھی سنی عوام کو دھوکہ دینے کی کئے جا رہے ہیں کہ میرے اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے مسلک میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔

طنبورہ اور اس کی مختلف تاریں؟

جناب طاہر القادری نے مینار پاکستان لاہور ختم نبوت کانفرنس جو ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ کو منعقد ہوئی جس کی کیسٹ بھی ملتی ہے ہم نے بھی سنی ہے اور ہمارے پاس موجود بھی ہے اس میں انہوں نے واضح طور پر اسلام کو ایک طنبورے سے اور مختلف فرقوں کو طنبورے کی مختلف تاروں سے تمثیل و تشبیہ دیتے ہوئے غیر مقلدوں وہابیوں کے فرقہ کے بارے میں کہا کہ یہ ایسی تار ہے جس سے توحید کی آواز بلند ہوتی ہے، دیوبندیوں وہابیوں کے فرقہ کے بارے میں کہا اس سے حب صحابہ کی صدا بلند ہوتی ہے اور شیعوں کے بارے میں کہا کہ اس تار سے حب اہل بیت کی آواز آتی ہے اور اہلسنت کے بارے میں کہا کہ اس تار سے حب رسول کی صدا سنائی دیتی ہے۔ یہ تاریں مل کر ہی طنبورے کی تان کو راگ کو مکمل کرتی ہیں اور ہم نادانوں نے ہمیشہ ان میں فرق کئے رکھا اور ان کے باہم اختلاف کے فلسفہ کو نہ سمجھا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرضیکہ طاہر القادری صاحب بڑی ڈھٹائی کے ساتھ سادہ لوگوں کو بے وقوف بنائے جا رہے ہیں اور سنی عوام پر تعجب ہے جو آنکھیں بند کئے موصوف کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہے ہیں اور ان پر اپنی دولت پانی کی طرح بہاتے جا رہے ہیں۔

اہلسنت اور مخالفین اہل سنت کے درمیان بہت سے مسائل اصولی بنیادی اختلاف ہیں اس سلسلے میں ہماری کتاب "۷۳ اسلامی فرقے" قارئین ضروری ملاحظہ فرمائیں۔

اختلاف

شروع میں لوگ ایک ہی عقیدہ پر تھے چنانچہ قرآن میں ہے.

"اور لوگ ایک ہی امّت تھے پھر مختلف ہوگئے" (یونس : ۱۹)

پھر مشیت ایزدی دیکھئے کہ لوگوں کے آزمانے کو ان میں اختلاف اور جھگڑے رونما ہوئے، تاکہ حق و باطل کی معرکہ آرائی میں حق پرست اور باطل پرست ایک دوسرے سے جدا ہو کر معرضِ ظہور میں آئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.

"اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف پہل کرو۔" (المائدہ : ۴۸)

اس میں بتایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگوں کو اختلاف میں نہ پڑنے دیتا، ایک ہی عقیدہ پر رکھتا، جیسے بنی اسرائیل کو زبردستی طور پر اور جبری و قہری صورت میں تورات کو قبول کرا کر چھوڑا کہ ان پر طور پہاڑ کو اٹھا دیا اور وہ خوف کے مارے سجدہ میں گر گئے اور تورات کو قبول کر لیا۔ لیکن اگر اللہ چاہتا تھا کہ اے لوگو! وہ تمہارا امتحان لے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ہر زمانہ کے مطابق و مناسب اس نے جو تمہیں احکام دیئے کیا تم ان پر صحیح یقین و اعتقاد کے ساتھ ان کو قبول کرتے اور عمل کرتے ہو یا حق کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پیچھے چلتے ہو (کما فی ابی السعود)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک دین پر رکھتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

(الشوریٰ : ۸)

ایک اور جگہ فرمایا کہ :

"اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور لوگ اسی لئے بنائے گئے ہیں۔" (ہود : ۱۱۹)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی دین یعنی اسلام پر ایک ہی امت بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے لیکن جن پر اللہ نے رحم و کرم کیا، وہ ہدایت و اعتقاد صحیح پر رہیں گے جبکہ دوسرے اختلاف میں پڑے رہیں گے یعنی اپنا راستہ الگ اختیار کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق اختلاف والوں کو اختلاف کیلئے اور رحمت والوں کو اتفاق کیلئے پیدا کیا۔ امام اشہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک علیہ الرحمۃ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا تاکہ ایک فریق جنت میں داخل ہو اور دوسرا فریق جہنم میں اور اہل الاختلاف کو اختلاف کیلئے اور اہل رحمت کو رحمت کیلئے پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دو فریق بنایا ایک فریق پر رحم کرتا ہے اور دوسرے پر رحم نہیں کرتا۔

(تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۱۱۴، ص ۱۱۵)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا،

"اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا لیکن اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور ضرور تم سے تمہارے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (النحل : ۹۳)

یعنی اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا اور تم سب ایک دین پر ہوتے لیکن اس نے امتحان لینے کو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جس سے تم اختلاف

بن پڑے پھر جس پر اللہ کا فضل ہوا وہ ہدایت پر رہا اور جو اسکے فضل وکرم اور ہدایت کا طلبگار نہ ہوا اور ہدایت سے منہ پھیر لیا وہ گمراہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے نے بھی اس سے فضل وکرم کو دور رکھا، اور عدل کا مظاہرہ کیا، اور اسے گمراہی کی طرف جانے دیا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ لوگ اپنی سوجھ سے کام لیں اور حق و باطل کو خود پہچانیں کیونکہ ان پر حق و باطل کے راستے واضح کر دیئے گئے لہٰذا لوگوں کا اختلاف حکمتِ خداوندی اور مشیت ایزدی کے تحت ظہور میں آیا۔ جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا وہ اہلِ حق (اہلِ سنت وجماعت) سے ہوا اور جنتی قرار پایا اور جس نے بصیرت اور صحیح فکر سے کام لینے کی بجائے تعصب و ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کیا وہ گمراہ اور جہنمی ٹھہرا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان " لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ " (ہود آیت ۱۱۸) کہ لوگ ہمیشہ اختلاف ہی میں رہیں گے " سے ظاہر و واضح ہو کہ اختلاف کبھی ختم نہ ہوگا، حق و باطل کا معرکہ ہمیشہ قائم رہے گا اور لوگ ایک دین پر اکٹھے نہ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے ایک جنتی اور بہتر دوزخی ہوں گے۔ قرآنی ارشادات کے عین مطابق ہے۔ اور نیز قرآن کے فرمان " يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (النحل: ۹۳) سے معلوم ہوا کہ ایمان و عقائد میں پایا جانے والا اختلاف اہلِ حق کا اختلاف نہیں لہٰذا اسے فروعی اختلاف نہ کہا جائے بلکہ اصولی ہے۔

فروعی اختلاف!

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فروعی مسائل کے حرام کئے جانے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف، اختلاف ہی

نہیں کیونکہ اختلاف وہ ہے جس کے ساتھ، آپس میں جمع ہونا اور اکٹھے ہونا مشکل ہو اور رہا اجتہاد کے مسائل کا حکم تو بلاشبہ ان میں اختلاف فرائض و احکام اور شریعت کے دقیق معنوں کے استخراج و استنباط کی وجہ سے ہے اور صحابہ کرام نئے نئے پیش آنیوالے واقعات کے احکام میں ہمیشہ اختلاف کرتے تھے اور اس کے باوجود وہ آپس میں ایک تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کا اختلاف رحمت ہے" اور اللہ تعالیٰ نے تو اس اختلاف سے منع کیا ہے جو فسادِ عقیدہ کا سبب ہو۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اکہتر ۷۱ یا بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بھی اسی طرح، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔" (تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۵۹)

عقائد میں اختلاف منع ہے

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی "وَلَا تَفَرَّقُوا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ آیت کی ایک تعبیرات ہیں پہلی یہ کہ اس میں دین و عقیدہ میں اختلاف کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور یہ ممانعت اس لیے ہے کہ اختلاف میں حق ایک طرف ہی ہوگا اور حق کے سوا جو کچھ ہوگا وہ جہل اور گمراہی ہوگی۔ جب یہ بات اسی طرح ہوئی تو ضروری ہے کہ "لَا تَفَرَّقُوا" کی نہی و ممانعت دین و عقیدے سے متعلق ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ" کہ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟"

اس کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میری امت کے کچھ اوپر ستر فرقے ہونگے ناجی (نجات پانیوالا جنتی) فرقہ ان میں سے ایک ہی ہوگا اور باقی دوزخی ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ ناجی فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا "الجماعۃ"، وہ (اہل سنت و جماعت) ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ "سواد اعظم" یعنی (علماء کرام) کی بڑی اکثریت ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ "ما انا علیہ و اصحابی" یعنی وہ فرقہ جو میرے بعد میرے صحابہ کے عقیدہ و مسلک پر ہوگا"۔ اور یہ آخری قیاس بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف سے منع فرمانا اور اتفاق کو اپنانے کا فرمانا اس بات کی دلیل ٹھہرتا ہے کہ حق ایک (طرف ہی) ہے اور جب حق ایک ہو تو فرقہ ناجیہ (صحیح گروہ) بھی ایک ہی ہوگا۔"

امام قرطبی علیہ الرحمۃ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ باہمی محبت و الفت، اتحاد اور اتفاق کو اختیار کرنے کا حکم فرماتا اور آپس میں اختلاف کرنے سے منع کرتا ہے کیونکہ باہمی اختلاف (عقیدے میں اختلاف کرنا) ہلاکت ہے اور جماعت (سب کا ایک عقیدے و ایمان پر جمع ہونا) نجات ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہ انہوں نے فرمایا: شعر

اِنَّ الْجَمَاعَۃَ حَبْلُ اللّٰہِ فَاعْتَصِمُوْا ۔ مِنْہُ بِعُرْوَتِہِ الْوُثْقٰی لِمَنْ دَانَا

"بیشک جماعت اللہ کی رسی ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اسکی مضبوط گرہ کے ساتھ، یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو دین رکھتا ہے۔"

امام قرطبی علیہ الرحمۃ اسکے بعد فرماتے ہیں:

"وَلَا تَفَرَّقُوْا" (یعنی فی دینکم) یعنی اپنے دین و ایمان و اعتقاد میں پھٹ نہ جانا جیسے یہود و نصاریٰ اپنے ادیان و عقائد میں پھٹ گئے۔ سیدنا ابن مسعود وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کی مختلف اغراض و خواہشات کے پیرو ہو کر آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور "کُوْنُوْا فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِخْوَانًا" دین خداوندی میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔" پھر فرماتے ہیں کہ:

"اس میں آپس میں فرقے (نہیں) خلاف دعوائے مجتہدین اور علماء میں ...

اس) کے حرام قرار دیئے جانے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف (ممنوع) نہیں ہے کیونکہ اختلاف (ممنوع) وہ ہے جس کے ہوتے ہوئے آپس میں اکھٹا ہونا مشکل ہو اور رہا اجتہاد کے مسائل کا حکم تو ان میں اختلاف احکام کے استخراج و استنباط اور شریعت کے معانی کے نکات و دقائق کے سبب سے ہے اور صحابہ کرام نئے نئے پیدا ہونے والے احکام و مسائل میں باہم اختلاف کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود وہ آپس میں اکھٹے ہوتے اور ایک ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کا فقہی اختلاف رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف سے منع فرمایا جو فساد کا سبب ہے" اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بھی اسی طرح فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی" امام ترمذی نے فرمایا کہ "یہ حدیث صحیح ہے"

حرفِ آخر

پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے دنیائے علم و تحقیق سے بے خبر جناب طاہر القادری صاحب کی بے تکیوں کا باب تو بہت وسیع ہے

کاش کہ پڑھے لکھے، دین و دانش اور عقائد و مسلک سے باخبر اہل علم خود ہی ان کی کتابیں پڑھ کر ان کی علمی کمزوریوں سے واقف ہو جاتے اور بے چارے عوام سُنیوں کو جو اپنا دھن اور دولت ان پر قربان کرتے پھر رہے ہیں ان کے دام فریب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی فکر کرتے ؎

درد لکھوں کب تک، جاؤں ان کو دکھلاؤں

انگلیاں فگار اپنی، خامہ خونچکاں اپنا

شیخ القرآن استاذ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ کی رشحات قلم
اس صدی کا تجدیدی کارنامہ
عمدۃ البیان
ترجمۃ القرآن
افضلیت سیدنا صدیق اکبر
خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت
معاشیات نظام مصطفیٰ
جہاد اسلامی
مسئلہ ایصال ثواب
مسئلہ رفع یدین
علم غیب و توسل
مجموعہ حیات اولیا
معجزات مصطفیٰ
مقام علم و علما
درود و سلام اور شان خیر الانام
شدید غصہ کی طلاق کا حکم
فضائل اہل بیت
حاشیہ فتاویٰ نظامیہ
ندائے یا محمد
حاشیہ الفضل الموہبی